کتاب شہادت (جلد 2) صفحہ 959 تا 1120

کتاب شہادت

اس کتاب میں اسلام کے ان عظیم الشان
واقعات پر جس پر پردہ پڑا ہوا تھا پوری
روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا
ہے کہ جس طرح جنگ صفین و جمل
ایک بے بنیاد افسانہ اور بعد کی
گھڑت ہیں اسی طرح امام حسین
کی شہادت کا واقعہ بالکل
غلط اور محض بے بنیاد ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (سورۃ انفال: ۷، ۸)

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق ثابت کردے اور باطل کو مٹادے اور اگرچہ (اس سے) گنہگار ناخوش ہوں۔

کتاب شہادت

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی بحث شیعی مطاعن اور اُن کے جواب
مسلمانوں کا عقیدہ حکیمانہ محققانہ اور عالمانہ بحثیں

چوتھا مقدمہ

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی

کرزن پریس دہلی انڈیا

المطبوعہ ۱۳۲۵ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

چوتھا مقدمہ

مجھے شیعی مذہب اور اُس کے مفروضہ اصول سے خاص مذاق ہے۔ میں قدیم شیعی علماء کی منطقی، فلسفیانہ، محققانہ بحثوں اور تحقیقات کو خوشی سے پڑھتا اور اُن سے لطف اُٹھاتا ہوں۔ جب سے میں نے اُن دلائل کو پڑھا ہے جو مذہب شیعہ کی حقیقت بلکہ افضلیت پر دی گئی ہیں۔ تو مجھے ایسا ہی مزا آیا ہے گویا میں بوستان خیال اور اُسکے واقعات کو پڑھ رہا ہوں حقیقت میں اس شانِ والا مذہب اور اُس کے مفروضہ اصول میں جتنا غور کیجئے۔ اُسی قدر نئی معلومات کی دنیا آنکھوں کے آگے آتی جاتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ زورِ طبیعت خیال آفرینی اور جدت طرازی کا فیصلہ ہو گیا ہے۔

فطرتاً ہر شخص کے دماغ میں نئے خیالات ایسی صورت اور شکل کے ہر لمحے پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ اگر وہ انکا اظہار کر دے تو یقیناً لوگ اسے مجنون کہنے لگیں۔ اس بناء پر ان خیالات کے اشخاص ہمیشہ اپنے مافی الضمیر کو چھپاتے ہیں کہ ہم زمرہ مجانین میں شمار نہ ہونے لگیں۔ مگر ہم شیعی مجتہدین اور شیعی علماء کرام کی داد دیتے ہیں کہ انہوں نے اخلاقی جرات کو کام فرما کے مطلق اس کی پرواہ نہ کی اور من وعن اپنی خیال آفرینیوں کو قید تحریر میں لے آئے اور اس میں یہاں تک غلو کیا کہ اُن ہی جذبات قلبی اور اوہام کو مذہبی اُصول قرار دے کے ایک نیا عالم اور نئی دنیا خیالات کی بنا دی۔ قرآن مجید کی پیروی اسے منزل من اللہ ماننے کا زبانی اعتراف تو ہر عصر اور ہر زمانہ میں بہت کچھ کیا گیا مگر اس کے عملی احترام واجبی اور حقیقی مناسبت کی طرف "مطلق خیال نہیں کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ازمنہ سابقہ کے بعد قرآن مجید اور اُس کے امر و نہی بالکل نسیاً منسیا ہو گئے اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ ان ہی خیال آفرینیوں پر جوش و خروش کا پل ٹوٹ پڑا موجودہ نسلیں مثل اپنے بزرگوں کے ان ہی مسائل پر اپنی جودت طبع دکھانے لگیں جو ان کے آباؤ اجداد نے اپنے دماغ اور خیال سے ایجاد کئے تھے۔ قدیم خیال آفرینی کی یہ ہاتھا چھانٹی یہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ اُس نے ایک اور غضبناک اثر کیا اور وہ یہ تھا کہ ان خیالی یا استقرائی استدلال کی جگہ شعر شاعری نے زبردستی چھین لی اور اب کلینی

اور بحار الانوار کی سلطنت میں ضعف آ گیا۔ شاعروں کی فصاحت و بلاغت کے دریا نے کلامِ خدا معصوم اور کلام ائمہ کو بہا دیا اور اب سوائے شعر شاعری کے کچھ بھی نہ رہا۔ اشعار کی وقعت قرآن مجید کے مضامین یا آیات بینات سے زیادہ ہونے لگیں۔ ہر مجلس ہر محفل ہر شادی اور غمی کے موقعوں پر سوائے اس شاعری کے نہ قرآن کو جاننے کی اجازت ملی نہ قول معصوم اور اقوال وارشادات ائمہ کو۔ انسانی خیالات کے اُتار چڑھاؤ کا ایک عبرت انگیز منظر ہے اور اسے وہی شخص اچھی طرح دیکھ سکتا ہے۔ جس نے حدوث، مذہب، شیعہ، قرونِ ماضیہ کی نرنگیاں اور قدیم خیال آفرینیوں کا سماں دیکھا ہے۔ پہلے تین مقدموں کے بغور پڑھنے سے یہ پتہ با آسانی لگ سکتا ہے کہ کیا کیا تراش وخراش کی گئی۔ کتنے کتنے مسائل پیدا کئے گئے۔ قرآن مجید پر کس بے دردی سے دستِ شفقت پھیرا گیا اور نبی معصوم پر کس بے باکی سے افترا پردازیاں ہوئیں اور بیچ بیچ گیارہ اماموں کے سردار حضرت علی کو تعریف کی یلغار اور توصیف کے دھواں دھار غباروں میں کیا سے کیا بنا دیا گیا۔ اور ان کی حالتِ انسانی صفت وثنا سے گزار کے اُس مرتبہ پر پہنچا دی گئی جس مرتبہ پر پہنچنا ایک معمولی انسان بھی گوارا نہیں کرنے کا۔ شیعی علماء کرام کی یہ خیال آفرینیاں اخیر قوت پکڑتے پکڑتے زمین سے رگڑ کھاتی اور پہاڑوں سے ٹکراتی ہوئی کرۂ باد میں ہو کے اور کرۂ برف سماوی کو روند کے اُس مقام پر پہنچیں جہاں تخیل کے بھی پَر جلتے ہیں اور جہاں سوائے ذات وحدہ لاشریک کے اور کچھ نہیں ہے چنانچہ اس کل کائنات کی پیدا کرنے والی ذات پر بھی دست درازی ہوئی اور یہ دست درازی عجیب وغریب طرز کی تھی۔ جو صفات ذاتِ باری کے خود اُسی کے کلام سے معلوم ہوئے ہیں ان پر ردوقدح کی گئی اور اپنے خیال میں اُسے ایسا پارہ پارہ کیا گیا گویا وہ ایک بے حقیقت چیز ہے اور کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اس تخت وتاراج پر بھی خود اپنے کو بہت کچھ سراہا گیا۔ اور اُن لوگوں پر نکتہ چینیاں کی گئیں جو قرآن مجید اور اُس کی تعلیم پر عمل درآمد کرتے تھے۔ ملحدوں اور دہریوں کے اُصول موضوعہ کے سہارے سے قرآن مجید پر در پردہ وہ حملے ہوئے اور اس بات کی کوشش کی کہ ان ہی موضوعہ ملحدانہ اصول کو اصل اسلام قرار دیا جائے۔ اس قیاس پر عمل کرنے والے بھی بہت سے پیدا ہو گئے بالخصوص وہ لوگ اس جماعت میں زیادہ شریک ہوئے۔

جو قرآن مجید کی زبانی تعظیم کرتے تھے۔ مگر دل میں انہیں اس سے عداوت تھی۔ اس چوتھے مقدمہ میں زیادہ تر اللہ تعالےٰ کی ذات صفات اور قضاء وقدر کے متعلق بحث ہوگی چونکہ اس بحث میں نقل کے علاوہ فسلسفہ سے زیادہ مدد لی جائے گی۔ اس لیے ناظر سے التجا ہے کہ وہ خوب توجہ اور غور سے اس بحث کو پڑھے اور جب تک سمجھ نہ لے اُسے نہ چھوڑے۔ کوشش تو یہ کی جائے گی کہ ہر منطقی اور ہر فلسفی مسئلہ اس سلیس اور عام فہم عبارت میں ادا کیا جائے۔ کہ معمولی پڑھا لکھا شخص بھی اسے اچھی طرح سمجھ لے باقی اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہونی چاہیے سب مشکلیں حل ہوجاتی ہیں اور کل اڑیاں نکل جاتی ہیں۔

ازلیت اور قدامت پر شیعی علماء کا بیان:

شیعی علماء فرماتے ہیں کہ امامیہ کا مذہب چند وجوہ سے واجب الاتباع ہے۔ اول تو اس لیے کہ جب ہم نے تمام مذاہب میں غور کیا تو سب سے زیادہ حق پر سب میں اصدق اور شوائب باطل سے سب میں اخلص۔ اللہ اللہ کے رسول اور اُس کے اوصیا کے تنزیہ میں سب سے بڑھ کے اسی کو پایا۔ اس کے علاوہ مسائل اصولیہ اور فروعیہ بھی سب سے اچھے مذہب امامیہ کے ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ عقیدہ کہ ازلیت اور قدامت اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور اُس کے سوا ہر چیز حادث ہے۔ کیونکہ وہ ایک ہے۔ وہ جسم نہیں ہے۔ نہ وہ جوہر ہے۔ نہ مرکب ہے، کیونکہ ہر مرکب اپنے جزو کا محتاج ہوتا ہے۔ اور اُس کا جز اُس کا غیر ہوتا ہے نہ وہ عرض ہے نہ وہ کسی مکان میں ہے نہ وہ حادث ہے بلکہ ہم نے تو اللہ کو مخلوقات کی مشابہت سے بھی منزہ کیا ہے اور یہ کہ وہ تمام مقدورات پر قادر ہے، عادل ہے، حکیم ہے، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، نہ وہ قبیح فعل کرتا ہے، ورنہ جہل یا احتیاج ہونا لازم آئے گا۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ وہ مطیع کو ثواب عطا کرتا ہے تا کہ ظالم نہ بنے اور مجرم سے درگزر کرتا ہے یا اُس کے جُرم کے موافق بغیر جرم کے اُسے سزا دیتا ہے۔ اس کے کل افعال یقیناً واقع ہونے والے کسی حکمت، مصلحت اور غرض سے ہوتے ہیں ورنہ اُس کا وجود عبث ہوگا۔ وہ خود فرما چکا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَا عِبِيْنَ یعنی آسمانوں، زمینوں اور ان کی درمیانی چیزوں کو ہم نے عبث نہیں پیدا کیا۔ اُس نے انبیاء کو جہاں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔ وہ پاک پروردگار آنکھوں سے نظر نہیں

آ سکتا اور نہ حواس خمسہ میں سے کسی حواس سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وہ خود فرماتا ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ یعنی آنکھیں اُس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک خوکر لیتا ہے (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) وہ کسی جہت میں نہیں ہے. اس کا امر نہی اور اس کی خبریں سب حادث ہیں۔ کیونکہ معدوم کو امر و نہی کرنا اور اُس کی خبریں دینا محال ہے۔ اور یہ کہ انبیاء اپنی ابتداء عمر سے اخیر عمر تک خطا، سہو، معصیت، صغیرہ، اور کبیرہ گناہوں سے یقیناً معصوم ہیں ورنہ پھر ہمیں ان کے تبلیغ احکام پر وثوق نہیں رہے گا۔ اور اس سے ان کی بعثت کا فائدہ منتفی ہو کے اُن سے تنفر لازم آئے گا۔ اور یہ کہ اس بارے میں ائمہ مثل انبیاء کے معصوم ہیں اور ہم نے اپنے فروعی احکام ان ائمہ سے اخذ کئے ہیں۔ جو اپنے نانا رسول اللہ ﷺ سے ناقل ہیں۔ اور آنحضرت نے وہ احکام اللہ تعالیٰ سے اخذ کئے ہیں۔ جبریل آپ کی طرف وحی کرتے تھے اور ائمہ یکے بادیگرے خلفا سلف برابر نقل کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ہر روایت معصومین میں سے کسی تک جا پہنچی ہے انہوں نے رائے اور اجتہاد پر مطلق التفات نہیں کیا۔ یہاں تک کہ قیاس اور استحسان سے اخذ کرنے کو حرام مطلق جانتے ہیں. فقط

جواب: اس پر ہم متعدد طریقوں سے بحث کریں گے اور دکھائیں گے کہ شیعی علماء کی یہ موشگافیاں استدلال اور خیال آفرینی کہاں تک داد دینے یا تسلیم کرنے کے قابل ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ اول یہ کہ شیعی علماء نے صفات باری اور قدر کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے اسے امامت کے مسئلہ سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے بلکہ بہت سے مذہب امامیہ کے قائل ان امور کے ہرگز قائل نہیں ہیں اور جو گروہ ان امور کا قائل ہے وہ مذہب امامیہ پر اعتقاد نہیں رکھتا لہٰذا ایکدوسرے پر اس طرح مبنی نہیں ہوسکتا۔ ان امور کے اعتقاد کرنے کا طریق ان کے قائلین کے نزدیک عقل ہے۔ اسی طرح امام کی تعیین ان کے نزدیک سماعت سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے امامت کے مسئلہ میں داخل کرنا ائمہ کی معصومیت کا فرضی راگ گانا اور تمام اخلاقی مسائل کو ان ہی میں ٹھوس دینا خروج عن المقصود نہیں تو اور کیا ہے۔ دوسرے توحید اور قدر کا عقیدہ جو شیعی علماء نے نقل کیا ہے ائمہ کا نہیں ہے بلکہ معتزلہ کا ہے۔ ائمہ کو اس عقیدے

سے کچھ تعلق نہیں اہل بیت کے مذاہب ان عقائد سے بہت دور ہیں ۔ کیونکہ ائمہ اہل بیت مثلاً علی اور ابن عباس یا جو ان کے بعد ہوئے ہیں سب کا ان ہی امور پر اتفاق ہے جن پر کل صحابہ اور تابعین متفق ہیں شیعی علماء کے استدلال بالا کا پردہ فاش اس وقت ہو جائے گا۔ جب ہم وہ اقوال نقل کریں گے۔ جو حضرت علی اور ائمہ اہل بیت سے منقول ہیں اور جن کی صحت کی نسبت کو کوئی فاضل سے فاضل شیعہ ہوں ہاں نہیں کر سکتا۔ نہ ان میں کسی کو چون وچرا کی گنجائش ہو سکتی ہے.اس سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہو جائے گی کہ شیعی علماء اپنے اصولِ دین میں ان بزرگوں کے بالکل مخالف ہیں. تیسرے صفات باری تعالی اور قدر کے متعلق جو کچھ شیعی علماء نے ذکر کیا ہے اس میں سنیوں کی کچھ خصوصیت نہیں ہے نہ وہ اس قول کے ائمہ ہیں اور نہ یہ ان سب کو شامل ہے۔ بلکہ اس کے ائمہ معتزلہ ہیں. جو کچھ اخذ کیا ہے متاخرین شیعہ نے ان ہی سے اخذ کیا ہے.شیعی علماء کی کتابیں اس کی شہادت سے پُر ہیں کہ شیعی علماء نے کس طرح آنکھیں بند کر کے معتزلہ پیروی کی ہے اور اُن کے طریقہ پر بے پس و پیش کس طرح اعتماد کیا ہے۔ شیعوں کی اس عقیدہ کی ابتدا تیسری صدی ہجری کے اختتام سے سمجھنی چاہیے۔ چوتھی صدی میں بہت کچھ اس عقیدہ میں شیعوں نے ترقی کر لی۔ مفید اور اس کے پیرو موسوی اور طوسی کی تصانیف نے اس عقیدہ کو چمکا دیا ورنہ قدماء شیعہ تو زیادہ تر اس عقیدہ کے برخلاف تھے۔ جیسا کہ ہشامین مین وغیرہ کا قول ہے۔ اگر یہ قول حق ہے تو خلفاء ثلثہ کی خلافت کو تسلیم کرنے میں معتزلہ کے موافق ہونا پڑھے گا اور یہ باطل ہے تو پھر اس کے بیان ہی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ان ہی امور کا ذکر کرنا مناسب ہے جو امامت کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے اثنی عشر یعنی بارہ اماموں کو ثابت کرنے اور اُن کی عصمت کا مسئلہ چوتھے۔ جو بات اس کلام میں حق ہے۔ اس کے اہل سنت والجماعت سارے یا ان کے جمہور قائل ہیں جو اس کلام میں باطل ہے وہ مردود ہے۔ لہٰذا جو بات حق ہے وہ مسلمانوں کے اعتقاد سے ہرگز خارج نہیں ہے. ہم انشاءاللہ اسے مفصل بیان کریں گے۔ پانچویں شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ازلیت اور قدامت کے ساتھ اللہ ہی مخصوص ہے اور

اُسکے سوا ہر چیز حادث ہے کیونکہ وہ ایک ہی نہ جسم ہے نہ کسی مکان میں ہے ورنہ حادث ہو جائے گا بلکہ ہم نے تو اُسے مخلوقات کی مشابہت سے بھی منزہ رکھا ہے وغیر وغیرہ فقط۔ اس پر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ جہمیہ اور معتزلہ کے مذہب کی طرف صاف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کے لیے نہ علم ہے نہ قدرہے نہ حیات ہے. اس کے اسماء حسنی مثلاً علیم، قدیر، بصیر، رؤف، اور رحیم وغی رہ اس کی ان صفات پر دلالت نہیں کرتے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں وہ نہ بولتا ہے نہ راضی ہوتا ہے. نہ ناراض ہوتا نہ محبت رکھتا ہے نہ بغض رکھتا ہے نہ وہ ارادہ کرتا ہے سوائے اُن چیزوں کے جو کلام اور ارادہ سے منفصل پیدا ہوتی ہیں نہ کلام اس کی صفت ہے وغیرہ. باقی شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ اللہ مخلوقات کی مشابہت سے منزہ ہے اور یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ محض غلط اور تراسفسطہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کی مشابہت سے منزہ کرنے کے شیعوں سے زیادہ اہل سنت حقدار ہیں اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ تشبیہ اور تجسم جو عقل ونقل کے مخالف ہے وہ شیعی فرقوں سے زیادہ امت مرحومہ کے اور کسی فرقہ میں نہیں معلوم ہوتا۔ مقالات کی کتابیں موجود ہیں۔ جن میں شیعی متقدمین ائمہ کے مقالات بھرے ہوئے ہیں۔ ان مقالات میں تشبیہ وتجسم کا جو بیان ہے وہ عقل ونقل دونوں کے بالکل خلاف ہے۔ جس کی نظیر اور کسی فرقہ میں نہیں ملتی۔ اس پر طرہ یہ کہ قدماء امامیہ اور اُن کے متاخرین میں خود بھی بہت بڑا اختلاف بلکہ تناقض ہے کیونکہ قدما تشبیہ اور تجسم میں غلو کرتے ہیں اور متاخرین نفی وتعطیل میں حد سے متجاوز ہیں. لہذا مذکورہ عقائد سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی کہ اگر فی الواقع شیعی علماء کے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وغیرہ کی نسبت یہی عقائد ہیں۔ تو یقیناً اس میں وہ جہمیہ اور معتزلہ کے مقلد قرار پائیں گے اور اس تقلید سے انہیں ذرا بھی مفر نہیں ہونے کا۔ اب رہے مسلمان جنھیں اہل سنت والجماعت کہتے ہیں وہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ خداوند کی تمثیل نہیں ہوسکتی یعنی تمثیل کے نفی ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ہاں جنہوں نے اللہ تعالی پر جسم کے لفظ کا اطلاق کیا ہے وہ امامیہ کے اطلاق کرنے والوں کی نسبت صحیح منقول اور صریح معقول سے زیادہ قریب ہیں. اس بارے

میں امامیہ کے اقوال بہت سے علماء نے ذکر کیے ہیں۔ مثلاً ابن النوبختی نے اپنی کتاب کبیر میں اور ابوالحسن اشعری نے اپنی کتاب مقالات الاسلامین واختلاف المصلین میں اور شہرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل اوران کے سوا اور بہت سے مصنفین نے ذکر کیے ہیں۔ باقی لوگ اللہ پر جسم کا لفظ اطلاق نہیں کرتے۔ مثلاً ائمہ اہل حدیث، تفسیر، تصوف، وفقہ یعنی ائمہ اربعہ ان کے پیرو اور شیوخ مسلمین جو امت میں مشہور ہیں اوران سے پہلے صحابہ اور تابعین وغیرہ ان میں کوئی ایسا نہیں جو یہ کہتا ہو کہ اللہ جسم ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ان میں سے کسی نے جسم کی نفی بھی نہ کی ہو۔ اوراسے ایک غیر ضروری بات جان کے التفات نہ کیا ہو۔ پس معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ جو صفات باری کے منکر ہیں وہ صفات کے ماننے والوں کو مجسم مشبہ قرار دیتے ہیں اور ان می سے بعض ائمہ مشہورین مثلاً امام مالک، شافعی، امام احمد اور اُن کے شاگردوں کو مجسمہ اور مشبہ میں سے شمار کرتے ہیں (یعنی جسم اور تشبیہ کے قائل ہونے والے) چنانچہ ابوحاتم مصنف کتاب الزینہ وغیرہ نے جب مشبہ فرقوں کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ ان ہی میں ایک فرقہ ہے جو مالکیہ کہلاتا ہے یہ فرقہ ایک شخص مالک بن انس نامی کی طرف منسوب ہے پھر وہ لکھتا ہے کہ ایک اور فرقہ ہے جو شافعیہ کہلاتا ہے وہ ایک شخص شافعی نامی کی طرف منسوب ہے. بات اصل یہ ہے کہ ائمہ مشہورین سب کے سب اللہ کے لیے صفات ثابت کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ کلام ہے مخلوق نہیں ہے کہتے ہیں آخرت میں اللہ تعالے کا دیدار نصیب ہوگا. اہل بیت وغیرہ میں سے صحابہ اور تابعین کا بھی یہی مذہب ائمہ متبوعین کا ہے. مثلاً مالک ابن انس، ثوری، لیث بن سعد اور زاعی، ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق، داؤد بن جریر، خزیمہ، محمد بن نصر المروری، ابوبکر بن المنذ ز اور محمد بن جریر الطبر ی۔ اب سنئے! جہمیہ اور معتزلہ کہتے ہیں جو شخص اللہ کی صفات ثابت کرے اور یہ کہے کہ قیامت میں وہ آنکھوں سے دکھائی دے گا اور قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے تو وہ بے شک تجسم وتشبیہ کا قائل ہے اور تجسم وتشبیہ باطل ہے. جہمیہ اور معتزلہ کے مغالطہ کی وجہ یہ ہے کہ صفات اعراض ہیں وہ بغیر جسم کے وجود میں نہیں آسکتی ہیں علے ہذا القیاس کلام بھی بغیر جسم کے وجود میں نہیں

آ سکتا اسی طرح نظر بھی وہ چیز آ سکتی ہے جو جسم ہو یا جسم کے ساتھ قائم ہو۔

علماء نے ان کے مدلل جواب دیئے ہیں اور ان جواب دینے والے علماء کے جہمیہ اور معتزلہ کے مقابلہ میں تین گروہ ہو گئے ہیں. ایک گروہ ان کے پہلے مقدمہ میں نزاع کرتا ہے اور دوسرا دوسرے مقدمہ میں اور تیسرا دونوں میں سے ایک میں بلا تعیین نزاع کرتا ہے. اس لحاظ سے پہلا فرقہ کلابیہ ہے اور دوسرے سے نظر آئے گا اور قرآن مجید مخلوق نہیں ہے بلکہ کلام خدا ہے اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور صفات اعراض نہیں ہیں اور نہ موصوف جسم ہے اس کے ممتنع ہونے کو ہم تسلیم نہیں کرتے لیکن بہت سے آدمی اس فرقہ طعن و تشنیع کرتے ہیں کہ یہ صریح عقل و نقل کے بالکل مخالف ہے. غرض یہی حال باقی دونوں فرقوں کا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ میں زیادہ بحث کی ہم ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ یہ بحث جس قدر خشک ہے اسی قدر ذرا مشکل سے سمجھ میں آئے گی تو بھی کچھ نہ کچھ ہمیں لکھنا چاہیے محض اس لیے کہ شیعی علماء نے معتزلہ سے مدد لے کے مسلمانوں کی ایسی چیز سے بُرائی کی ہے. جس میں صریح افترا کیا گیا ہے ممکن ہے کہ ان کا یہ افترا کیا گیا ممکن ہے کہ یہ افترا عمداً ہو یا لاعلمی سے ہو۔ اس لیے ہم نے اسی بات کا ذکر کیا ہو جو مناسب حلال تھی۔ ہمارا اس جگہ اصلی مقصود یہ ہے کہ ہم اس بات کا اظہار کریں کہ مسلمان سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے نہ اُس کی ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں۔ ہاں لفظ تشبیہ کی نفی کرنے سے اُن کی مراد وہی ہے۔ جس کی نفی قرآن نے کی ہے اور جس پر عقل بھی دال ہے تو وہ بیشک حق کیونکہ خصائص خداوندی کے ساتھ مخلوق میں سے کوئی چیز موصوف نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اُس کے صفات میں سے صفت میں بھی مخلوق میں سے کوئی اُس کے مماثل ہو سکتا ہے۔ سلف امت اور اُس کے ائمہ کا مذہب یہی ہے کہ اللہ کو ان چیزوں سے موصوف کیا جائے جن سے اُس نے اپنے کو درخوات موصوف کیا ہے اور جس سے اُس کے رسول نے اُس کو موصوف کیا ہے۔ بغیر تحریف و تعطیل تکسیف و تمثیل کے وہ اللہ کے لیے صفات کمال کو ثابت کرتے ہیں اور ضروب مثال کی اس سے نفی کرتے ہیں۔ وہ اللہ کو نقص و تعطیل اور تشبیہ و

تمثیل سے منزہ کہتے ہیں لیکن یہ تنز یہ بلا تعطیل ہے اور وہ ثبوت بلاء تمثیل ہے چنانچہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ میں تمثیل کہنے والوں کا رد ہے اور۔ "وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ" سے تعطیل کا عقیدہ رکھنے والوں کو باطل ٹھہرایا ہے۔ جن لوگوں نے خالق کی صفات کو مثل مخلوق کے ٹھیرایا ہے یہ یقیناً ایک باطل تشبیہ ہے اور باطل تشبیہ کا قائل لائق مذمت ہے۔

اب اگر تشبیہ سے مراد ہے کہ اللہ کے لیے کوئی صفت ثابت نہیں ہے۔ نہ اُس کے لیے علم کہہ سکتے ہیں نہ قدرت نہ حیات کیونکہ ان صفات کے ساتھ بشر موصوف ہوتا ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ کو حی علیم اور قادر غرض کچھ نہ کہا جائے کیونکہ یہ نام بندے کے رکھے جاتے ہیں اور اسی طرح اس کے کلام سمع بصر اور روایت وغیرہ میں کہنا لازم آتا ہے نہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس تشبیہ کا نفی کرنا ضروری ہے اور یہ ایسا امر ہے کہ قرآن وحدیث اور صریح عقل سب اس پر دلالت کرتے ہیں یہ ممکن نہیں کہ کوئی عاقل اس میں خلاف کر سکے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے اپنے بہت سے نام رکھے ہیں لیکن ایک نام کے دو برابر نہیں ہوتے چنانچہ اللہ نے اپنا نام حی، علیم، قدیر، رؤف، رحیم، عزیز، حکیم، سمیع، بشیر، ملک، مؤمن، جبار اور متکبر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ پھر فرمایا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ هُوَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (الحشر: ۲۳) اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے بعض بندوں کا نام حی رکھا ہے چنانچہ فرماتا ہے يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ اس طرح بعض کا نام علیم رکھا ہے وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ بعض کا نام حلیم رکھا ہے۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۔ بعض کو رؤف رحیم فرمایا ہے۔ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ بعض کو سَمِيْعٌ وَ بَصِيْرٌ ارشاد کیا فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا بعض کو عزیز کہا وَقَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ بعض کو ملک بنایا مثلاً۔ وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ

سَفِینَۃٌ غَصْبًا. بعض کو مومن کہا مثلاً اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا بعض کو جبار اور متکبر فرمایا ہے۔ مثلاً کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِ قَلْبِ مُتَکَبِرٍ جَبَّارٍ. اب دونوں کے لفظوں اوران کی صفات کو ملاحظہ کیجئے سب جانتے ہیں کہ حی حی کے مثل نہیں ہوسکتا. نہ علیم علیم کے نہ عزیز عزیز کے نہ رؤف رؤف کے نہ رحیم رحیم کے نہ ملک ملک کے نہ جبار جبار کے نہ متکبر متکبر کے. مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اور اللہ کے رسول نے علم، قدرت اور قوت کو اللہ کی صفت فرمایا ہے. اس کی مثالیں بہت سی ہیں. ان کا قائل ہونا تمام عقلا پر لازم ہے. کیونکہ جو شخص اُن صفات میں سے بعض کی نفی کرے جن سے اللہ نے اپنے کو موصوف کیا ہے مثلاً رضا، غضب، محبت اور بغض وغیرہ اور یہ کہے کہ ان صفات کے اقرار سے تشبیہ اور تجسیم لازم آئے گی تو ہم اس سے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کے رادہ، کلام، سمع، اور بصر کو تو بھی ثابت کرتا ہے باوجود یہ کہ یہ مثل مخلوق کے صفات کے نہیں ہیں. پس جنھیں تو ثابت کرتا ہے ان میں بھی اسی طرح ہے جیسا کہ تو سابق الذکر صفات میں کہتا ہے مگر ان کی تو نفی کرتا ہے اس کے مقابلہ میں اللہ اور اللہ کا رسول اس کو ثابت کرتا ہے معلوم ہوا کہ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں ہے. فقط

اللہ تعالی کی ذات وصفات کی بحث جیسی دقیق ہے اُسی قدر لطیف اور دلکش ہے. اللہ تعالے کی ذات و صفات کی اصلی ماہیت کو جاننا اور جو صفتیں اُس نے اپنی خود قرار دی ہیں ان کا پورا احاطہ کرنا یہ انسانی قدرت سے باہر ہے. لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ. یعنی ہم تو اسی قدر جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں بتایا ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے. بے شک تو ہی بڑا جاننے والا دانا ہے. اس میں مطلق کلام نہیں ہے کہ جو کچھ اس نے اپنی حقیقت بتادی ہے اُس سے زیادہ ہم ایک انچ بھی ابھی تک آگے نہیں بڑھے ہیں. وہ کیا ہے، کہاں ہے، اُس کے کام، غفور رحیم، غضب وتکبر وغیرہ کے کیا معنی ہیں ہم بالکل نہیں جانتے. ہم کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ یہ اصلی نام ہیں یا اُس کی صفات کی تشبیہ ہے. نہ یہ ہم جانتے ہیں کہ جب یہی الفاظ ایک انسان کے لیے بولے جائیں تو اُس کے کیا معنی ہوں گے ہم اپنی محدود زبان کے بموجب اور اپنی سمجھ کے مطابق اللہ تعالی کی صفات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر کامیابی معلوم. جتنی عقل آرائیاں راز خداوندی کی تلاش میں کی گئیں وہ اخیر

اوندھے منہ گر پڑیں اور عقدہ کشائی نہ کوئی استدلال کر سکا۔ نہ منطق میں میگ سے کچھ مطلب بر آری ہو سکی۔ سمیع، بصیر، علیم، غفور، رحیم اور عزیز وغیرہ کے جو اور جو بھی معنی اُس نے ہمیں بتائے ہیں بس اُسی قدر ہم جانتے ہیں۔ باقی ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ رحیم کسے کہتے ہیں۔ عزیز کے کیا معنی ہیں اور سمیع و بصیر کیا چیز ہے۔ رحم کی تعریف بڑے بڑے حکماء کر گئے ہیں مگر انسان کی یہ اندرونی کیفیت اور زیادہ ان تعریفوں سے پیچیدہ ہو جائے باقی کچھ مطلب نہیں سمجھ میں آتا۔ اس کے علاوہ جیسا ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں کہ جب رحیم خدا کے لیے بولا جائے تو اُس کے کیا معنی ہوتے ہیں اور جب انسان کے لیے بولا جائے تو کیا مطلب ہوتا ہے۔ نہ ہمیں اس کا فرق سمجھایا گیا اور نہ اس کی حقیقت بتائی گئی نہ ہم کچھ خود کہہ سکتے ہیں ایک فعل جو ایک جگہ وقوع میں آنے سے رحم کہلایا جاتا ہے وہی فعل دوسری جگہ ظاہر ہونے سے اس کی ضد سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ طبیعت کی جس صفت یا قلب کے جس جذبہ یا ولولہ کا نام ہم نے رحم رکھا ہے۔ قلب کی اسی کیفیت کو دوسرا شخص اس کی ضد بتاتا ہے۔ مشرق میں جو صفت رحم کی قرار دی گئی ہے۔ مغرب میں اس پر مضحکہ اڑایا جاتا ہے اور اُسے دل کی کمزوری بتایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ بھوکے کو کھانا کھلانا رحم قرار دیا جاتا ہے۔ اور دوسری جگہ وہی ظلم سمجھا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہم انقطاعی طور پر نہیں سمجھ سکے کہ رحم کیا چیز ہے۔ اس کی جامع تعریف کیا ہے اور پھر اُس کی ماہیت کیا ہے جب یہ کیفیت ہے تو پھر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ اسے ذات باری کی صفت قرار دیا جائے۔ اور پھر اس عجیب جذبہ اور ربانی ولولہ سے انکار کیا جائے۔ یہ کل بحثیں اس وقت کار آمد ہو سکتی ہیں جب ہم اللہ تعالے کی حقیقت اور اس کی ذات کی ماہیت کو پورے طور پر سمجھ لیں اور یہ سر دست ناممکن سے بھی زیادہ ناممکن ہے۔ ابھی ہمیں بہت سے زمینی مدارج طے کرنے ہیں۔ ہم خود کسی شے کی اصلی حقیقت کو نہیں سمجھے۔ ہم بالکل سطح پر تیر رہے ہیں باقی اندر گہرائی میں پہنچنا ہنوز دہلی دور است کا مصداق ہے۔ ہماری زبان محدود ہے۔ الفاظ قلیل المعنی اور ناکافی ہیں۔ انسان کی کل زبانیں بالکل ناکامل اور شیر خوارگی کی حالت میں ہیں۔ انسان کے باطنی قوت کے جذبات اور قلبی کیفیات کو ہم الفاظ میں ادا نہیں کر سکتے۔ بعض جذبات کو تو ہم تفصیل سے سمجھا دیتے ہیں لیکن بہت سے

جذبات کے لیے تمثیلی الفاظ بھی ہماری زبان میں نہیں ہیں. لذت راحت اور غم والم کے جو جذبات ہمارے قلب میں پیدا ہوتے ہیں ہم الفاظ میں مطلق ان کا اظہار نہیں کر سکتے ہیں. زبان کی اسی بے بضاعتی پر ہمیں حقائق و معارف فباری تعالی کا نہ پورا نہ ادھورا کچھ بھی علم نہیں دیا گیا اللہ تعالے جب ہمارے ساتھ ہم کلام ہوا تو اُس نے ہماری محدود اور مجبور زبان میں ہم سے کلام کیا. مخلوق اور غیر مخلوق کی بحث کا بساط یہاں اُلٹ جاتا ہے جب ہم اپنی محدود زبان کی تہہ تک پہنچ کے اس کی حقیقت پر مطلع ہو جاتے ہیں. خیال فرمایئے جب واجب الوجود کی حقیقت کسی طرح آپ نہیں سمجھ سکے تو اُس کے کلام کی کنہہ تک کیونکر پہنچ سکتے ہیں. لہذا کسی طرح زیبا نہیں ہے کہ بغیر سمجھے بوجھے آپ مخلوق غیر مخلوق کا سب پڑھنے لگیں اور اسی طرح اس عظیم الشان مسئلہ کو طے کریں آپ مس تک نہیں کر سکتے. اور جو آپ کی قدرت سے باہر ہے. یہ بحث کہ اگر کلام کو غیر مخلوق مانا جائے گا تو اللہ تعالے کے لیے جسم قرار دیا جانا لازمی ہے. اور جب مسئلہ تجسم کے ہم قائل ہو گئے تو حدوث و فنا کا بھی قائل ہونا ضروری ہوا. پھر ایسی ذات جو حادث بھی ہو اور فانی بھی اللہ کیونکر بن سکتی ہے. ایسی باتیں محض ہذیان ہیں اور در حقیقت ایک مجنون کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں. ہمیں جو کچھ اپنی فہم اور ادارک کے مطابق موٹی موٹی باتیں بتائی گئی ہیں ہمیں ان ہی پر تکیہ کرنا چاہیے. اور وہ باتیں ایسی ہیں کہ ہمارے تمدن، فلاح، معاشرت، اور آئندہ زندگی کی بہبودی میں کافی مدد دے سکتی ہیں. ہمیں اس کے کھوج لگانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جبریل نے خدا کا کلام کیونکر سنا کیونکہ کلام جسم سے نکلتا ہے اور اس کلام کو کیونکر یاد کیا اور کس صورت سے آسمان سے اترا۔ جبکہ کوئی ذی روح اتنی مسافت کو اس لئے طے نہیں کر سکتا کہ کہیں تو ہوا ہی نہیں ہے اور کہیں برف ہی برف باقی نہ آسمان ہے نہ کوئی مستقر ہے سوائے اس کے کہ ہزاروں کُرے جو نہ صرف ہماری زمین بلکہ آفتاب سے بھی ہزاروں لاکھوں گنے بڑے ہیں اس فزا میں تیر رہے ہیں کیسا عرش اور کہاں کا عرش ہے. آسمان صرف ایک حد نظر کا نام ہے. جس میں پدموں کھربوں اور سنکھوں میل کی دوری پر لاکھوں عالم آباد ہیں. فرشتہ ان لاکھوں وسیع و عریض عالموں کو پھلانگ کے کس طرح اس چھوٹے کرہ پر آسکتا ہے. کن عنصروں سے بنا ہوا ہے. سردی، گرمی، اور ہوا

سے اُس کے عنصر متاثر ہوتے ہیں. یا نہیں وغیرہ وغیرہ.غرض ایسی ایسی موشگافیوں سے سوا اس کے کہ خلجان پیدا ہوا اور انسان بالکل بیکار ہو کے دین دنیا کے کام کا نہ رہے اور کچھ نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا.ہمیں جو کچھ اللہ تعالے نے ہماری بساط کی موافق سمجھایا ہے. وہ یہ ہے کہ وہی ایک ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں.وہ رحمان ہے رحیم ہے اور کل عالموں کا رب ہے. اِس کے علاوہ سب سے بڑی صفت اُس نے اپنی یہ بیان کی ہے کہ میں ہر چیز پر قادر ہوں.یہ گویا جواب ہے کل انسانی شکوک کا جو اس کی قدرت اور قوانین فطرت پر خیالی گھوڑے دوڑاتے ہیں. نہ ہم عرض کو جانیں نہ جوہر کو نہ بسیط کو اور نہ غیر بسیط کو نہ جسم کو نہ غیر جسم کو ہم جانتے ہیں کہ یہ الفاظ انسانی زبان کے ہیں جو قلیل المعنے اور محدود ہیں اُن سے ہم ذاتِ باری تعالی کی حقیقت اور معارف اللہ کو نہیں سمجھ سکتے ہم نے اسی طرح چند خاص محاورے خود ایجاد کئے اور ان ہی کو باری تعالیٰ کی کنہ تک پہنچنے کیلئے کام میں لانے لگے.یہ ہمارا جنوں نہیں تو اور کیا ہے.کیسا محقق طوسی اور کیسا موسوی یہ ابھی معارف باری تعالے کی تحقیق میں شیر خوار بچوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے.ان کی ایجاد کردہ اصطلاحیں محض ان کی اوہام باطلہ کی نتیجہ ہیں.جن سے معرفت کا پتہ نہیں لگ سکتا. ہمیں کیا معلوم اللہ کیسا ہے.کیا ہے، کہاں ہے اور کوئی اُس کا مستقر بھی ہے یا نہیں. قیامت میں اس کے دیدار کے دیکھنے کے کیا معنی ہیں.ہم تو فقط اتنا جانتے ہیں کہ ایک بے پایاں نور، لا انتہاء روشنی، عظیم الشان جبرُت وجلال والی ذات ہے جو تمام کروں پر حکمراں ہے. سب اُسی کا ہے، ذرّہ ذرّہ اس کی نظر میں ہے اور پانی کا نہ صرف قطرہ بلکہ قطرے کے باریک کیڑے جو خوردبین سے دکھائی دیتے ہیں۔ان سب کا وہی پروردگار ہے اور ان کا اُسے ایسا ہی علم ہے جیسے ایک بڑے سے بڑے کرے کا. وہ چلتا بھی ہے پھرتا بھی ہے ہم کلام بھی ہوتا ہے رحم بھی کرتا ہے غضبناک بھی ہوتا ہے مگر نہ اس کا چلنا پھرنا ہمارا چلنا پھرنا ہے اور اس کا رحم ہمارا سا رحم ہے نہ اُس کا غضب ہمارا سا غضب ہے.یہ ہماری محدود زبان کے الفاظ ہیں جن سے ذرہ برابر ہم اُس کی ذات اور صفات کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر یہ ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک پوشیدہ قوت کل بڑے سے بڑے کروں سے لگا کے پانی کے نامعلوم کیڑوں اور ریگ کے چھوٹے سے چھوٹے ذرہ تک برابر کام

کر رہی ہے. اگر ہم نے اپنے قوائے باطنی معطل نہیں کر دیئے ہیں اگر ہمارا قلب دنیاوی جھمیلوں سے کسی وقت بھی نجسّت ہوتا ہے. اگر ہمارے نجیب جذبات کسی وقت بھی اپنی پوری قوت پر ہوتے ہیں. تو ہم اس پوشیدہ قوت کی عملی کارروائی کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں. کہ کس طرح ایک جابر ظالم سے پوشیدہ ہی پوشیدہ نامعلوم طریقہ سے انتقام لیا جاتا ہے اور کس طرح وقت پر ایک بے بس اور بے کس کی مدد ہوتی ہے کہ دنیا حیران وششدرره جاتی ہے کس طرح ایک شیر خوار بچہ کے والدین اس کی صغیر سنی کی حالت میں فوت ہو جاتے ہیں جن کے خاندان میں نہ دولت ہے نہ ثروت، نہ قوت، نہ فوج نہ سامان حرب کچھ بھی نہیں. اور پھر وہی بے کس بچہ بڑا ہو کے کس طرح تمام دنیا کا روحانی بادشاہ بن جاتا ہے. اور اُس کے پیرو کس کس دھوم دھام سے دُنیا کے پُرانے تمدنوں کو زیروزبر کر کے اپنا جدید تمدن قائم کرتے ہیں اور وہ جدید تمدن صدیاں گزرنے پر بھی اُسی طرح زندہ وتوانا رہتا ہے اور اس روحانی شہنشاہ کا احترام موت کے بعد صدہا سال گزرنے پر اسی گرمجوشی سے کیا جاتا ہے جیسا اس کی زندگی میں ہوتا تھا. کیا یہ اس پوشیدہ قوت کے کارنامے نہیں ہیں.؟ کس نے اس دوہرے یتیم بچے کے لیے ایسے اسباب پیدا کر دیئے جن سے وہ دنیا کا روحانی شہنشاہ ہی نہیں بنا بلکہ زندہ روحانی حکمراں ہو گیا. کیا ایسے اسباب کوئی دوسرا شخص پیدا نہیں کر سکتا تھا نہ اس سے پہلے اس کے بعد، اور بھی روحانی پیشواء ہیں. اور ان کے لاکھوں کروڑوں مرید ہیں مگر وہ سب مردہ ہیں اور یہ سابق الذکر پیشوا زندہ ہے اس کے نام سے ایک غیر معمولی حرارت خون میں پیدا ہو جاتی ہے جبکہ اور پیشوایان عالم کے نام کسی قسم کا کوئی اثر نہیں رکھتے. بدھ، عیسےٰ، موسیٰ، زرتشت کیا ان ناموں میں کوئی زندگی باقی ہے؟ ہرگز نہیں خود ان کے منصف پیرو اس کی نفی اقرار کریں گے. اس پوشیدہ قوت کے یہ راز ہیں جن کا پتہ نہیں لگ سکتا مگر چشم بصیرت اچھی طرح دیکھ رہی ہے. اس کے علاوہ روز مرہ کے مشاہدات اس بات کی صاف صاف شہادت دے رہے ہیں کہ انسانی عمل، انتظامات، کارکردگی، منصوبے اور ہر قسم کی تدابیر محتاج ہیں ایک خاص توفیق کے اور جب تک وہ توفیق شامل نہ ہو کوئی تدبیر اور کسی قسم کی عقل آرائی نہیں چلتی. ہزاروں منصوبے منہ کے بل زمین پر اوندھے گرتے دیکھے ہیں اور ہزاروں تدابیر کو آناً فاناً میں پلٹتے

ہوئے ملاحظہ کیا ہے۔ یہ اخیر کیا بات ہے کیوں تدابیر درہم برہم ہو جاتی ہیں اور کیونکر نئی بات خلاف امید پیدا ہو جاتی ہے۔ کیوں وہ بچے ساتھ تعلیم پاتے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور ساتھ کسی دار العلوم کی سندیں حاصل کرتے ہیں اور پھر کیوں ایک اعلے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اور کیوں دوسرا کسی مدرسہ کا معلم ہو کے رہ جاتا ہے۔ وسائل دونوں کے پاس یکساں تھے۔ تدابیر دونوں نے یکساں کی تھیں مگر ایک کچھ بنا اور دوسرا کچھ، یہ کیا راز ہے اور کونسی پوشیدہ قوت اندر ہی اندر کام کر رہی ہے کہ سوچا کچھ جاتا ہے اور ہو کچھ جاتا ہے۔ حال ہی میں جنگ طرابلس اور اطالیہ کو دیکھ لیا جائے بڑے بڑے مدبر اس بات کا فیصلہ کر چکے تھے کہ ترک طرابلس پر اطالیہ سے جنگ نہیں کرنے کے کیونکہ نہ تو بندرگاہ بنا ہوا ہے۔ نہ مضبوط قلعے ہیں اور نہ کنارے پر سُرنگیں لگی ہوئی ہیں نہ فوج ہے نہ سامان رسد کچھ بھی نہیں۔ نہ ترکی کے پاس جہاز ہیں کہ وہ فوج اور سامان خورد ونوش روانہ کرے۔ دوسرے ترکی ادھر تو یمن میں پھنسی ہوئی ہے اور ادھر البانیا میں لہذا قطعی ناممکن ہے کہ ترک طرابلس پر ذرا بھی ہوں ہاں کریں وہ سر ٹپک کے رہ جائیں گے اور اخیر کچھ روپے لے کے انہیں صبر کرنا پڑے گا۔ غرض نہ صرف اطالیہ نے بلکہ آسٹریا ہنگری، جرمنی اور روسیہ وغیرہ نے اس پر مہر کر دی تھی کہ یہ یوں ہی ہوگا اور اس میں ذرا بھی فرق نہیں پڑنے کا۔ چنانچہ اسی استدلال پر اطالیہ نے بغیر کسی معقول وجہ کے ۲۴ گھنٹے کا الٹی میٹم ترکی کو دے دیا مگر اس سے پہلے اپنا جنگی بیڑا طرابلس کے پاس لا کے کھڑا کر دیا۔ ترکوں نے جب اس کے مطالبات کو تسلیم نہیں کیا۔ تو اس کا جنگی بیڑا فوراً طرابلس کے کنارے پر آ کے کھڑا ہو گیا اور اپنے ساتھ سمجھوتہ کی بناء پر اطالی امیر بحر سفید جھنڈا اُڑاتا ہوا ترکی قلعہ دار کے پاس آیا اور کہا کہ ٹھنڈے پیٹوں ہمیں طرابلس سونپ دو۔ قلعہ دار نے انکار کیا اور اخیر گولا باری شروع ہوئی اور ترک بندرگاہ کو خالی کر کے پیچھے ہٹ گئے روما اور یورپ کی دوسری دولتوں میں گھی کے چراغ جل گئے اور خوشیاں منائی جانے لگیں۔ مگر ان طفلانہ اچھل کود وں اور قبل از وقت شادیانوں پر قضاوقدر خندہ زن تھی۔ اور اس کی خندق زنی پوری رنگ لائی۔ سارا یورپ اپنی غلطی پر پشیمان ہے۔ بگڑی کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا بنی کے سب یار ہوتے ہیں۔ اب سب علیحدہ ہو گئے۔ اور اُلٹا اسی پر لعن طعن کر رہے ہیں حالانکہ پہلے سب اس کے ساتھ تھے۔ بڑے

بڑے یورپی اخباروں نے فیصلہ کر دیا تھا کہ ترکوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہاں مقابلہ نہ کریں ورنہ چار پانچ ہزار فوج جو وہاں ہے بے بسی میں قتل کر ڈالی جائے گی مگر یہ سارے سمجھوتے یہ ساری خیال آفرینیاں اور کل تدبر اور تجربے جہانداری کے فیصلے اخیر قضا وقدر کے مقابلہ میں اوندھے منہ گر پڑے اور وہاں رنگ ہی دوسرا پیدا ہو گیا۔ یورپ سکتہ میں ہے۔ اطالیہ منہ نوچ رہی ہے۔ بربادی اور ذلت اسکی ہم قرین بن گئی ہے۔ دوست دشمن بن گئے ہیں۔ اتحاد ثلاثہ سے اس کا نام خارج ہو گیا ہے۔ اخیر یہ کیا ہے نہ مشاہدہ نے کام دیا اور نہ تجربہ نے۔ اسی طرح ہر انسان کی زندگی میں روزمرہ ایسے حالات پیش آتے رہتے ہیں جو اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ایک پوشیدہ قوت ضرور اپنا کام کر رہی ہے۔ اگر اس پوشیدہ قوت کا عمل جاری نہ ہوتا تو ظالم بغیر سزا کے بچ جاتے اور مظلوموں کی حمایت لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ یورپی تمدن نے جبکہ انصاف کو بہت ہی گراں کر دیا ہے کس طرح ایک بےکس بے یار و مددگار اور بے زار ایک دولتمند صحاب وجاہت اور کثیر الاحباب سے انصاف حاصل کر سکتا ہے۔ وکلا یا قانون پیشہ لوگوں کو روپے دینے اور اپنی وجاہت سے جھوٹے سچے گواہ مہیا کر لینے یہ گویا جیت کی ایک ضمانت ہے۔ مگر ایسی حالت میں بھی جب پوشیدہ قوت اپنا کام کرتی ہے تو ساری کا سازیاں منہ کے بل آپڑتی ہیں اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی علیحدہ ہو جاتا ہے۔ دنیا کے قوانین محدود جرائم کی سزا دینے کے لیے وضع کئے گئے ہیں۔ باقی ہزاروں اخلاقی جرائم ایسے ہیں جن کی سزا کسی قانون میں نہیں ہے۔ مگر پوشیدہ قوت ان جرائم میں باز پرس کرتی سزا دیتی ہے۔ مثلاً کسی کو بلاوجہ بُرا کہنا اور اُس میں مبالغہ اس قدر بُرا کہنے کو عبادت میں شریک کر لینا اور بڑھتے بڑھتے اپنی نجات کا مدار اس پر رکھ دینا اگرچہ دنیا کا کوئی قانون ایسا نہیں ہے کہ جب اس مذموم فعل کو گھر کے اندر بیٹھ کے کیا جائے تو اُس کی سزا دے مگر پوشیدہ قوت کے قوانین خلوت وجلوت دونوں میں جاری وساری ہیں لہذا ان لوگوں کو سزا دی جاتی ہے ان کی صورتیں ایسی مسخ ہو جاتی ہیں کہ دور سے انسان ان کی تمیز کر سکے ان کے عیوب کھول دیے جاتے ہیں۔ اور غیر قوموں کی نظروں میں وہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک بے خبر اور بے گناہ انسان کو برباد کرنے کی تدبیر کرانا یہ تدبیریں نہ صرف اُلٹی پڑتی ہیں بلکہ چاہ کندن را چاہ درپیش کی مثل

ان پر اکثر اوقات عائد ہوجاتی ہیں. ایک مبصر صبح سے شام تک روزمرہ ایسے ہزاروں واقعات دیکھتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا علیم، منتقم حقیقی، رحیم، کریم وغیرہ ہونا صاف طور پر عیاں ہوتا ہے ہم مشاہدات اور قیمتی تجربوں کے مقابلہ میں معتزلیوں یا ان کے پیروان یا ہم مذاق شیعی علماء کی خیال آفرینیوں کو کیا لیکے جائیں جبکہ ہر مقام پر اپنی من گھڑت اصطلاحوں اور منطقی اونچ نیچ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا جو کچھ اللہ تعالے نے اپنی تعریف کی ہے وہ ہم تسلیم کرتے ہیں ہم رحم کرم، قہر، انتقام اور اللہ تعالی کے دیدار عرش وکرسی، ملائکہ، دوزخ، جنت وغیرہ کی اصلیت نہ کچھ سمجھ سکتے ہیں نہ ہمیں ان کی ماہیت کے سمجھنے کی تکلیف دی گئی اس لیے کہ ہماری زبانیں جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں محدود پیدا ہوئی ہیں ہم تو اپنے ناقص خیال اور محدود عقل کی بناء پر اپنے محسوسات کا اندازہ کرکے اور اپنی حالت کی مناسبت پر ان کی معنی، ان کا مفہوم اور ان کی ماہیت وکیفیت قیاس کر لیتے ہیں اور یہی ہمارے لیے فی الحال کافی ہے.

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ یہ صرف امامیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کل چیزیں مخلوق ہیں اور یہ کہ ازلیت اور قدم اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا. ہم تو کہتے ہیں کہ کل مسلمان یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے سوا کل چیزیں مخلوق ہیں اور عدم کے بعد وجود میں آئیں ہیں. اور قدم وازلیت اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے. اسی طرح قرآن وحدیث سے جو ثابت ہوتا ہے وہی. توحید الٰہیت ہے اور وہی توحید اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے بھیجی ہے اور اسی پر اپنی کتابیں نازل کی ہیں جیسا کہ ان چند آیتوں سے ثابت ہوتا ہے. وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ. لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِىْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ. غرض ایسی مثالیں قرآن مجید میں بہت سی ہیں. خلاصہ یہ ہے کہ یہ تو ایسی چیز ہے جس کی رسول اللہ نے اول وآخر دعوت دی ہے. چنانچہ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں. امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا الا اللہ لا اللہ والی رسول اللہ. اسی طرح آپ نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا تھا.

یا عم قل لا الہ الا اللہ کلمۃ احاج لک بہا عند اللہ یعنی اے چچا تم فقط

ایک کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ لوتا کہ میں اللہ کے دربار میں تمہارے حق میں گواہی دے دوں. یہ کل حدیثیں صحاح میں موجود ہیں. اور یہ ان سب چیزوں سے زیادہ واضح اور ظاہر ہے جن کا حضور انور کے دین سے ہونا بالاضطرار معلوم ہوتا ہے. اور وہی توحید الٰہیت ہے. اب رہا اُس کا قدیم ازلی ہونا تو یہ لفظ نہ قرآن میں ہے نہ کسی صحیح حدیث میں ہے نہ قدیم نام اللہ کے ناموں میں ہے البتہ اسکے اسماء میں سے لفظ اوّل ہے. دیکھو اقوال کی دو قسمیں ہیں جو قول قرآن وحدیث میں منصوص ہوا اسکا اقرار کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے. اور جسکی نص قرآن حدیث میں نہ ہو اُس کو نہ قبول کرنا ضرور یہ نہ رد کرنا. جب تک اسکے معنی اور مطالب سے پوری واقفیت نہ ہو جائے لہذا کسی کا یہ کہنا کہ قدیم ازلی واحد ہے اور ازلیت وقدم کے ساتھ اللہ ہی مخصوص ہے یہ دونوں جملے مجمل ہیں. اگر اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالی جن لازمی صفات کا مستحق ہے وہ قدیم ازلی ہیں. نہ کہ اسکی مخلوقات تو یہ بے شک حق ہے اور یہ ہی مذہب مسلمانوں کا ہے. جنہیں لوگ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں. اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ قدیم ازلی وہ ذات ہے جسکے لیے کوئی صفت نہیں نہ اسکے لیے حیات ہے نہ علم ہے نہ قدرت ہے کیونکہ اگر اسکی کوئی صفت ہوگی تو قدم میں اسکی صفت ہو کے مثل اُسکے خدا ہو جائے گی. پس یہ نام اُس خدا کا نام ہے جو حی علیم اور قدیر ہے. حی بلا حیات، علیم بلا علم، اور قدیر بلا قدرت کے ہونا ممتنع ہے. جیسا کہ اور نظائر میں ہونا ممتنع ہے. اور اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ کی صفات اسکی ذات سے زائد اور علیحدہ ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو صفات کی نفی کرنے والوں نے ثابت کیا اِس سے زاید اور علیحدہ ہے نہ یہ کہ نفس الامر میں ایک ذات مجرو عن الصفات ہے اور اسکی صفت اس سے علیحدہ اور زاید ہیں تو یہ بے شک باطل ہے اور جو مسلمانوں کی طرف سے یہ حکایت گھڑ لے کہ وہ اللہ کے ساتھ بہت سی ذوات قدیمہ ثابت کرتے ہیں. او یہ کہ وہ اِن ذوات کا محتاج ہے یہ یقیناً ان پر نرا افترا ہے علمائے شیعہ سے ہم کہتے ہیں آپ جو یہ ارشاد کرتے ہیں کہ امامیہ کا مذہب سب سے احق سب سے اصدق اور شوائب باطل سے سب سے زیادہ اخلص ہے کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ قدم وازلیت کے ساتھ اللہ ہی مخصوص ہے. اور اسکے سوا کل چیزیں حادث ہیں کیونکہ وہ ایک ہے. جسم نہیں ہے ہے. اور نہ وہ مکان میں ہے ورنہ

حادث ہوگا. حالانکہ یہ صاف معلوم ہو چکا ہے کہ اکثر متقدمین امامیہ بالکل اسکی ضد پر قائم تھے. مثلاً ہشام بن حکم، ہشام بن سالم، یونس بن عبدالرحمٰن القمی مولیٰ آل یقطین ، زرارۃ ابن اعین ابو مالک حضرمی اور علی بن میتم. ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ یہ قول قدماء امامیہ کا ہے. کیونکہ معتزلہ کے خیالات سے تو یہ بعد میں متاثر ہوئے ہیں یعنی بعد میں معتزلہ کا قول اِن میں رائج ہوا ہے اِس صورت میں بھی جیسا شیعی علماء نے فرمایا ہے اس پر کل امامیہ کا اتفاق نہیں ہے اور اگر شیعی علماء کا قول ہم حق پر سمجھ لیں تو ہمیں بالاضطرار یہ ماننا پڑے گا کہ متقدمین شیوخ امامیہ حق پر نہیں ہیں اِس سے بالبداہت یہ لازم آتا ہے کہ شیوخ امامیہ توحید میں راہ راست پر نہیں ہیں. خواہ وہ متقدمین ہوں یا متاخرین. اسکے علاوہ شیعی علماء نے امامیہ کا عقیدہ تو ذکر کر دیا ہے مگر اسکی کوئی دلیل نہیں دی نہ شرعی نہ عقلی اس میں شک نہیں کہ شیعی علماء کہاں کے کہاں نکلے چلے گئے ہیں نہ انہیں اپنے متقدمین کے عقیدے کا خیال ہے نہ متاخرین کے، مسلمانوں کے مقابلے میں انکا آنا بہت مشکل ہے ہاں اُن کے آپس میں بہت مناظرے ہوتے رہتے ہیں جیسا معدوم امام کے بارے میں انکا ہمیشہ مناظرہ رہتا ہے کہ آیا وہ کوئی چیز ہے یا کچھ بھی نہیں ہے. ہم شیعی علماء سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا انہوں نے اپنے شیوخ امامیہ کے اِس عقیدے پر کوئی حجت قائم کی ہے کہ اللہ مکان میں ہے یا نہیں ہے. وہ حرکت کرتا ہے یا نہیں کرتا حوادث اُسکے ساتھ قائم ہیں یا نہیں. اشعری تو یہ کہتے ہیں کہ شیعوں کا حاملین عرش کے بارے ہیں. اختلاف ہی کے آیا وہ عرش کو اٹھا رہے ہیں یا خود خدا کو اٹھا رہے ہیں. اس میں اِن کے دو فرقے ہیں ایک یونیسیہ نامی ہے یعنی یونس بن عبدالرحمٰن القمی موئلے آل یقطین کے پیرو انکا قول ہے کہ حاملین عرش خود اللہ ہی کو اٹھا رہے ہیں. اور وہ اسکے اٹھانے کی طاقت رکھتے ہیں اور دوسرے فرقے کا یہ قول ہے کہ حاملین عرش کو اٹھا رہے ہیں. اور اللہ کا اٹھایا جانا محال ہے. اشعری کہتے ہیں کہ اللہ کو عالم، حی، قادر، سمیع، بصیر، اور معبود کہنے میں بھی شیعوں میں اختلاف ہے اس میں اِن کے نو فرقے ہیں پہلا فرقہ زراریہ ہے جو زرارہ بن اعین شیعہ کا پیرو ہے ان کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے نہ سمیع ہے نہ علیم ہے نہ بصیر ہے ہاں ان اوصاف کو اس نے اپنے لیے پیدا کر لیا ہے اس قسم کے عقیدہ رکھنے والے فرقے کو تیمیہ کہتے ہیں اور

جیسا کہ ہم نے ابھی اوپر لکھا ہے انکا پیشوا، زرارہ بن اعین ہے۔ پھر ان میں دوسرا فرقہ سبائیہ ہے جو عبدالرحمٰن بن سابہ کا پیرو ہے اِس فرقے کے لوگ اِن امور میں توقف کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس میں ٹھیک جعفر کا قول ہے خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ تیسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ قادر، رب، سمیع، اور بصیر رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اِن جسموں کو پیدا کر دیا چونکہ یہ چیزیں جواب ہوگئی ہیں پہلے عدم میں تھیں اِس فرقے کا یہ بھی قول ہے کہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ اللہ کو قدیر اور علیم مانا جائے اور یہ بھی کہ وہ نیست و نابود کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ چوتھے فرقے کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے حی نہیں تھا مگر وہ بعد میں حی ہوگیا۔ پانچواں فرقہ جو شیطان الطاق کا پیرو ہے یہ کہتا ہے اللہ فی نفسہ عالم ہے جاہل نہیں ہے لیکن وہ اِن اشیاء کو اس وقت جانتا ہے کہ جب انکا ارادہ اور اندازہ کر لیتا ہے باقی ان اشیاء کا اندازہ اور ارادہ کرنے سے پہلے انہیں اسکا جاننا محال ہے۔ محال اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ عالم نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ایک شئے اس وقت شے ہوتی ہے کہ جب وہ اسکا ارادہ کرے۔ چھٹا فرقہ جو ہشام بن حکم کا پیرو ہے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ اِن اشیاء کا بہ نفسہ عالم ہونا محال ہے وہ اِن کا پہلے عالم نہیں تھا مگر بعد میں ہوگیا علم اسکی صفت ضرور ہے لیکن اسکی عین ذات ذات نہیں ہے نہ خبر ہے نہ اسکا جز ہے اِس بناء پر علم کو حادث یا قدیم کہنا جائز ہے اور اگر خدا کا ہمیشہ سے عالم ہونا تسلیم کر لیا جائے تو معلومات بھی ہمیشہ سے ماننے پڑیں گے کیونکہ عالم بغیر معلوم کے موجود ہوئے نہیں ہوسکتا اور اگر وہ بندوں کے افعال کا عالم ہو تو پھر اسکا امتحان لینا اور اپنے بندوں کی آزمائش کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اسکے بعد اللہ کی باقی صفات مثلاً قدرت اور حیات میں لوگوں نے اس سے اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ بعض یہ نقل کرتے ہیں کہ ہشام کہتا تھا اللہ تعالےٰ ہمیشہ سے حی و قادر ہے مگر بعض کا قول یہ ہے کہ اس نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ ساتواں فرقہ وہ ہے جو اسکا قائل نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ فی نفسہ عالم ہے جیسا کہ شیطان الطاف اسکا قائل ہے بلکہ وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ کسی شے کو نہیں جانتا جب تک ارادہ نہیں کرتا۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کو جان لیتا ہے۔ ارادہ کرنے کے معنی اِن کے خیال میں یہ ہیں کہ ایک حرکت ہے اور وہ حرکت ہی اسکا ارادہ ہے۔ جب حرکت کی اِس چیز کو جان لیا ورنہ بغیر اسکے

اسکی تعریف کرتا کہ وہ عالم ہے جائز نہیں ہے.

آٹھواں فرقہ وہ ہے جو کہتا ہے اللہ تعالی ہر چیز کو اسکے موجود ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے. سوائے بندوں کے اعمال کے کیونکہ انہیں صرف موجود ہونے کے وقت ہی جانتا ہے. نواں فرقہ وہ ہے جو کہتا ہے اللہ تعالی ہمیشہ سے حی، عالم اور قادر ہے. ان لوگوں کا زیادہ میلان تشبیہ کی طرف پایا جاتا ہے. ساتھ ہی یہ حدوث عالم کے بھی مقر نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ. یہاں اسکے بیان کرنے سے ہمارا یہ مقصود ہے کہ امامیوں اور رافضیوں کی مڈ بھیڑ اس معاملہ میں زیادہ قابل توجہ ہے نہ کہ مسلمانوں پر اعتراض کرنے کی طرف دوڑنا ہے. پہلے ان سے نبٹ لیا جائے پھر دوسری طرف رُخ کیا جائے. وہ لوگ اِس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ توحید میں ہمارا ہی قول حق ہے. اگر یہ لوگ جعفر صادق کے زمانہ میں تھے تو ضرور یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ائمہ کے اقوال کو سب سے زیادہ جاننے والے ہم ہیں خاصکر اِس صورت میں کہ امام جعفر صادق سے مروی ہے اِن سے کسی نے قرآن کی بابت دریافت کیا تھا کہ یہ خالق یا مخلوق ہے. آپ نے فرمایا کہ نہ یہ خالق ہے نہ مخلوق ہے. ہاں اللہ کا کلام ہے یہی قول سلف، تمام صحابہ، تابعین اور کل مسلمانوں کا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے. مخلوق نہیں ہے لیکن وہ نہیں کہتے جو ابن کلاب اور اسکی پیروی کرنے والوں نے کہا ہے کہ قرآن کریم قدیم ہے اللہ کی ذات کے لیے لازم ہے اور یہ کہ اللہ اپنی مشیت اور قدرت سے کلام نہیں کرتا. بلکہ یہ قول ابن کلاب اور اِس کی پیروی کرنے والوں کا ہی ایجاد کیا ہوا ہے. باقی سلف کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالی ہمیشہ سے متکلم ہے اور اپنی مشیت اور قدرت سے کلام کرتا ہے. لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ابن کلاب وغیرہ کا بھی یہی عقیدہ ہے. باقی شیعی علماء کا امامیہ کی طرف سے یہ نقل کرنا کہ امامیہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالی نے تمام مقدورات پر قادری ہے یہ بالکل غلط اور محض غلط ہے. یہاں صریح دھوکا دیا گیا ہے. اللہ تعالی کی نسبت امامیہ کا یہ ہرگز عقیدہ نہیں ہے امامیہ اور ان کے شیوخ قدریہ کا کھلا ہوا مذہب یہ ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر نہیں ہے بندے اس سے زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔ بندے اس چیز پر قادر ہیں جس پر وہ قادر نہیں ہے اس میں اتنی قدرت بھی نہیں کہ وہ کسی گمراہ کو ہدایت کردے. نہ وہ کسی ہدایت والے کو گمراہ کر سکتا ہے نہ وہ اپنے

اختیار سے کسی بیٹھے ہوئے شخص کو کھڑا کرسکتا ہے نہ کھڑے ہوئے کو اپنے اختیار سے بٹھا سکتا ہے نہ وہ کسی کو مسلمان اور نمازی بنا سکتا ہے. نہ روزے دار نہ حج کرنے والا نہ عمرہ ادا کرنے والا کرسکتا ہے نہ مومن کرسکتا ہے نہ کافر نہ نیک اور نہ بد۔ حالانکہ یہ سب امور ممکن ہیں. ان میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو لذاتہ ممتنع ہو. لیکن امامیہ کے عقیدے میں ان میں سے کسی پر بھی اللہ کو قدرت نہیں ہے شیعی علماء نے صداقت پر جو پردہ ڈالا تھا. وہ اُٹھ گیا ہے انہوں نے امامیہ کے اصلی عقیدے کو چھپا کے دوسرے رنگ میں ظاہر کیا تھا کہ خداوند تعالیٰ تمام مقدورات پر قادر ہے حالانکہ سوائے ابلہ فریبی کے اِس سے اور کچھ مقصود نہیں ہے امامیہ اور انکے کل شیوخ قدریہ اس عقیدے سے ہزاروں کوس دور ہیں یہ مذہب تو خاص مسلمانوں کا ہے جنہیں لوگ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ خداوند تعالے ہر چیز پر قادر ہے اور اس ہر چیز میں ہر ممکن داخل ہے ہاں جو چیز لذاتہ محال ہو مثلاً ایک ہی چیز کا موجود اور معدوم ہونا بیشک اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے نہ اسکا موجود ہونا خیال میں آسکتا ہے نہ اسے باالاتفاق جمیع عقلاء کے چیز کہہ سکتا ہیں اور اسکا خود اپنے کو پیدا کرنا اور اسی قسم کی اور باتیں اس میں داخل ہیں. باقی شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ اللہ عادل حکیم ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور نہ وہ قبیح فعل کرتا ہے ورنہ جہالت اور محتاجگی لازم آئے گی وغیرہ وغیرہ, ہم کہتے ہیں کہ بالاجمال تو اس پر سارے مسلمانوں کا اتفاق ہے سب یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبیح فعل نہیں کرتا اور نہ وہ ظلم کرتا ہے لیکن اس کی تفسیر میں بے شک نزاع ہے اور وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے تو اب اسے یہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں کہ اس نے ایسا فعل کیا ہے جو اسکی شان سے خلاف ہے وہ مسلمان جو قدرت کو ثابت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ وہ اس میں ظالم نہیں ہے ہاں اس فعل کا فاعل ضرور ہے قدریہ کہتے ہیں کہ اگر وہ بندوں کے افعال کا خالق ہے تو بے شک ظالم قبیح فعل کا فاعل ہے لیکن یہ بات بہت گہری ہے اور باریک ہے زیادہ غور اور توجہ کے بعد سمجھ میں آتی ہے اسے خوب توجہ سے سنئے! فاعل اور خالق میں فرق ہے فاعلہ کے فعل کا اثر خالق پر نہیں پڑسکتا کھانا خالق نے پیدا کیا ہے اس کھانے سے فعال یعنی کھانے والے کا پیٹ بھرتا ہے خالق کا نہیں بھرتا۔ فعل اپنے فاعل ہی کے ساتھ قائم ہوتا ہے خالق کے ساتھ فعل کا قیام نہیں ہے اس صورت میں فعل کے

ساتھ فاعل ہی متصف ہوگا نہ کہ خالق اس سے یہ نتیجہ آسانی سے نکل آیا کہ فعل کے صدور کا جو اثر مترتب ہوگا وہ فاعل کی ذات تک رہے گا۔ خالق کو اس فعل کے اثر سے کچھ تعلق نہیں لہذا اللہ تعالی کی ذات فعل کے قبیح اور غیر قبیح ہونے سے بالکل پاک اور صاف رہی۔ ہاں جس گروہ کا یہ قول ہے کہ فعل اور مفعول ایک ہی چیز ہے۔ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ بندوں کا فعل اللہ کا فعل ہے اگر وہ گروہ یہ کہنے لگے کہ وہی فعل بندوں کا بھی فعل ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ ایک ہی فعل دو فاعلوں کے لیے ہو جائے جیسا کہ ابواسحاق اسفرائینی کا قول بیان کیا جاتا ہے اور اگر وہ گروہ یہ بیان کرے کہ وہ فعل صرف بندوں ہی کا فعل ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بندوں کے افعال کا فعل بن جائیں اور بندوں کو اس سے کچھ تعلق نہ ہو۔ جیسا اشعری اور ائمہ اربعہ کے ہم خیال اصحاب کہتے ہیں کہ خلق ہی مخلوق ہے۔ اور بندوں کے افعال اللہ کا فعل خلق ہے پس وہ اللہ کا فعل بھی ہے اور مفول بھی ہے۔ مگر اس منقطی پیچید گی کو جمہور عقلاء نہیں مانتے وہ صاف لفظوں میں یہ شہادت دیتے ہیں کہ اس قسم کی ہیر پھیر کی باتیں کرنی اور اپنی ایجاد کرنے کے منطق سے اِن مطالب کو پیچیدہ بنانا کھلم کھلا جس کا مکابراہ اور شریعت و عقل کی مخالفت کرنا ہے اب رہے مسلمان وہ یہ کہتے ہیں کہ بندے کا فعل حقیقت میں فعل تو اسی کا یعنی بندے کا ہی ہے مگر اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ اصل میں اللہ ہی کا فعل ہے وہ خلق، مخلوق، فعل اور مفعول میں فرق کرتے ہیں جس طرح امامیہ کا صفات میں نزاع ہے ایسا ہی اِن کا قدر میں بھی نزاع ہے ابوالحسن اشعری نے مقالات میں کہا ہے کہ رافضیوں کا بندوں کے افعال میں اختلاف ہے کہ آیا یہ مخلوق ہیں یا نہیں۔ اِس میں ان کے تین فرقے ہیں پہلا فرقہ وہ ہے جس میں ہشام بن حکم شامل ہے وہ کہتا ہے کہ بندوں کے اعمال اللہ کی مخلوق ہیں جعفر بن حرب نے ہشام بن حکم سے حکایت کی ہے کہ انسان اپنے افعال کا ایک طرح سے مختار ہوتا ہے اور ایک طرح سے مجبور مختار تو اس اعتبار سے کہ وہ اسکا ارادہ کرتا اور اسکا کسب کرتا ہے اور مجبور اس حیثیت کہ وہ اس سے بغیر ایسے سبب کے پیدا ہوئے نہیں ہوتا کہ جو اسے اس فعل پر برانگیختہ کرنے والا ہو۔ دوسرا فرقہ یہ ہے جو کہتا ہے کہ جبر و تفویض یعنی مجبوری اور اختیار چیز نہیں جیسا کہ جہمی اور معتزلہ کہتے ہیں۔ اور یہ اس قول میں کچھ تکلف نہیں کرتے کہ

بندوں کے افعال مخلوق ہیں یا نہیں۔ تیسرا فرقہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ بندوں کے افعال کی مخلوق نہیں ہیں اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اعتزال اور امامیہ کے قائل ہیں پس اس وقت امامیہ تین قولوں پر ہیں یعنی بعض مشبہ کے موافق ہیں۔ بعض معتزلہ کے اور بعض توقف کرتے ہیں۔ باقی شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ اللہ مطیع کو جزا اور ثواب عطا کرتا ہے اور عاصی سے درگزر کرتا یا اُسے سزا دیتا ہے تو یہ مذہب بالخصوص مسلمانوں کا ہے یا اِن فرقوں کا ہے جو ان کی طرف منسوب ہیں مثلاً کلابیہ، کرامیہ، اشعریہ اور سالمیہ اور امت کہ تمام فرقے مرجیہ وغیرہ سوائے ان خوارج اور معتزلہ کے جو سا کے مخالف ہیں کیونکہ ان لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ جو آدمی زندگی میں کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اب رہے شیعہ ان میں سے زیدیہ تو اس بارے میں معتزلہ کے ہمزبان ہیں ہاں اس میں امامیہ کے دو قول ہیں۔ اشعری کہتے ہیں کہ زیدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ کل اہل کبائر کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کبھی اس میں سے نہیں نکل سکیں گے۔ پھر وعید میں رافضیوں کے دو فرقے ہیں پہلا فرقہ یہ کہتا ہے کہ انہیں ضرور عذاب ہوگا مگر جو شخص ان کے کہنے پر چلے اس کے لیے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ اور اس بارے میں وہ اپنے ائمہ کا قول پیش کرتے ہیں وہ یہ کہ شیعہ نے جس قدر اللہ کی نافرمانیاں کی ہیں ہم نے دعا کر کے وہ سب معاف کرا دیں اور شیعہ کی طرف سے جو ان کے ائمہ کو صدمہ یا رنج پہنچا اس سے انہوں نے چشم پوشی کر لی ہے اور جن شیعہ نے لوگوں پر ظلم کیے ہیں۔ ائمہ ان سے سفارش کر کے انہیں بھی معاف کرا دیں گے۔ دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ خواہ کسی نے ہمارے کہنے پر عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ ضرور عذاب کرے گا اور ایسے آدمیوں کو ضرور دوزخ میں رکھے گا۔ اسی عقیدہ پر امامیہ کے ائمہ نے بھی صاد کی ہے۔ باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اللہ مطیع کو ثواب عطا کرتا ہے۔ تا کہ وہ ظالم نہ ہو جائے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ ظلم کی تفسیر میں جس سے اللہ کا منزہ ہونا واجب ہے قدر ماننے والوں کے دو قول ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ جو ظلم ممتنع ہے وہ یقیناً محال ہے وہ ذات باری تعالیٰ میں ہرگز نہیں ہو سکتا پس اس قول پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ مطیع کو اس لیے ثواب عطا کرے گا تا کہ ظالم نہ ہو جائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ظلم ممکن ہے اور اللہ کی قدرت میں ہے لیکن وہ اس سے منزہ ہے وہ اپنے علم اور انصاف کیوجہ سے ہرگز نہیں کرتا پس وہ ایک کا گناہ دوسرے کے ذمہ کبھی نہیں کرے گا۔ اور نہ ایک شخص دوسرے کا بوجھ اٹھائے گا اِس عقیدے کے مطابق ایک آدمی کو دوسرے کے گناہ پر سزا ہونی ظلم میں داخل ہے اس سے اللہ بے شک منزہ ہے باقی مطیع کو ثواب عطا کرنا یہ اس کا فضل اور احسان ہے اگر چہ اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اللہ کے وعدہ کر لینے کے سبب سے اور اس وجہ سے کہ اس نے اپنے پر رحمت کو ضروری کر لیا ہے اور بمقتضا اُس کے اسماء وصفات کے اسکا ہونا قطعی واجب ہے لیکن اسکے خلاف ہونا اس مزدور پر ظلم ہونے کی قسم سے نہیں ہے جو نوکر رکھا گیا کام کر لینے کے بعد اُسے مزدوری نہیں دی گئی کیونکہ یہ دراصل معاوضہ ہے کہ مزدور محنت کرتا ہے اور مستاجر اسکے عوض میں اُسے مزدوری دیتا ہے اور جب مستاجر اپنا کام اس سے پورا کرا چکا اور پھر اسکی پوری مزدوری اُسے نہ دی تو کام کرانے والے کا مزدور پر ظلم ہے مگر اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے بندوں سے اس قسم کا نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنے امر و نہی کے ذریعہ سے اپنے بندوں پر احسان کرتا ہے انہیں اطاعت کرنے کی قدرت دیتا ہے اس پر ان کی اعانت کرتا ہے اسکی مثالیں ذیل کی قدسی حدیثوں میں آپ کو ملیں گی۔ مثلاً صحیح حدیث قدسی میں اللہ نے فرمایا ہے **یا عبادی کلکم ضال الامن هیدته فاستهدونی اهدکم**۔ یعنی اے میرے بندو تم سب گمراہ سوائے اِس کے جسے میں ہدایت کردوں۔ پس تم مجھے سے ہدایت چاہو میں تمہیں ہدایت کردونگا۔ پھر فرمایا۔ **یا عبادی کلکم جائع الامن التعمة فاستطعمونی اطعکم**۔ یعنی اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو مگر جسے میں رزق دوں۔ پس تم مجھ سے مانگو تمیں رزق دوں گا۔

پھر فرمایا۔ **یا عبادی کلکم عار الامن کسوته فاستکسونی اکسکم**۔ یعنی اے میرے بندو تم سب ننگے ہو مگر جسے میں کپڑا دوں پس تم مجھ سے مانگوں میں تمہیں کپڑا دوں گا۔

پھر فرمایا۔ **یا عبادی لوا ان اولکم واخرکم وانسفکم وجناکم کانوا علی اتقی قلب رجل منکم مازاد ذلک فی ملکی شیاء**۔ یعنی اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے

انسان اور جنات سب کے سب ایک اعلیٰ درجہ کے متقی آدمی جیسے ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ بھی نہیں بڑھتا۔ پھر فرمایا یاعباد لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم و کانوا علی افجر قلب رجل منکم مانقص ذلک فی ملکی شینا. یعنی اے میرے بندو اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان سب ایک بہت بڑے بدکار آدمی جیسے ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں ذرا نقص نہیں آ سکتا۔ پھر فرمایا یا عبادی انما هی اعمالکم احصیها لکم اوفیکم ایا ها فمن وجد خیرا فلجمل الله ومن وجد غیر ذلک ولا یکون الانفسه. یعنی اے میرے بندو یہ دراصل تمہارے اعمال ہی ہیں جن کو تمہاری وجہ سے میں نگاہ رکھتا ہوں اور پھر اس کا تمہیں پورا اجر دیتا ہوں بس جس کسی کو کچھ بھلائی حاصل ہو تو اسے اللہ کا شکر کرنا چاہیے اور جو اسکے خلاف دیکھے اسے اپنے ہی آپ کو ملامت کرنی چاہیے. اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ ثواب وغیرہ کے حاصل ہونے پر اللہ کا شکر کرنا چاہیے. کیونکہ وہ اس ثواب اور اُس کے اسباب کے مہیا کر دینے سے اُس کا محسن ہے۔ اب رہی عقوبت تو اس میں اللہ تعالیٰ عادل ہے اُس کے عدل کرنے پر بندہ کو اپنے ہی اوپر ملامت کرنی سزاوار ہے۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے کل نعة منه فضل وکل نقمة منه عدل. یعنی ہر نعمت اسکا فضل ہے اور ہر نعمت اُسکا انصاف ہے. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ بندے کو اسکے جرم پر عذاب کرے گا اور یہ عذاب کرنا اس کا ظلم نہیں سمجھا جائے گا. اسپر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے اور اس سے کوئی اختلاف نہیں رکھتا کہ گنہگاروں کو عذاب دینے کی وجہ سے اللہ ظالم نہیں ہوتا. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اللہ کے سب افعال محکم ہوتے ہیں اور کسی غرض یا مصلحت ہی کی وجہ سے واقع ہوتے ہے اگر ایسا نہ ہو تو وہ عابث ہوگا اور اس کا فعل عبث ہو جائیگا. اس پر ہم یہ کہتے ہیں کہ جو اہل سنت والجماعت امامیہ نہیں ہیں اللہ کے افعال اور احکام میں اِن کے دو قول ہیں اگر چہ اکثر علت اور حکمت ہے کے قائل ہیں مگر ہاں متکلمین میں ایک فرقہ ایسا ہے جو اس موقع پر غرض کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ مگر فقہا وغیرہ اس سے منع کرتے ہیں اس سبب سے کہ اس لفظِ غرض سے ظلم اور محتاجگی کا وہم ہوتا ہے. باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ پیغمبروں کو اللہ نے ہدایت کے لئے بھیجا ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کل مسلمان بھی یہی

کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضورِ انور رسول اللہ کو عالمین کی رحمت بنا کے بھیجا تھا اور وہ لوگ جو اللہ کے افعال اور احکام کی علت ہونے کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کو اللہ نے پیغمبر بنایا اور آپ کی پیغمبری کو خاص اس شخص کے حق میں رحمت کہا جو آپ ﷺ پر ایمان لے آیا۔

باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نہ آنکھوں سے نظر آتا ہے اور نہ حواس سے اس کا ادراک ہوسکتا ہے. کیونکہ اُس نے خود فرمایا ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارَ. یعنی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی جہت میں نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نہ صرف دوسرے فرقوں کا نزاع ہے بلکہ خود امامیہ کا بھی اس میں بہت نزاع ہے مثلاً جہمیہ، معتزلہ، خوارج، انہیں میں سے ایک فرقہ اس کا انکار بھی کرتا ہے امامیہ کے اس میں کو قول ہیں اِن کے جمہور متقدمین تو رویت کو ثابت کرتے ہیں اور جمہور متاخرین اس کی نفی کرتے ہیں یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اِن کے اکثر متقدمین اللہ کے جسم کے قائل ہیں. اشعری نے کہا ہے کہ سوائے چند آدمیوں کے سب اللہ کے جسم ہونے کے قائل ہیں۔. اور لطف یہ ہے. کہ وہ لوگ بھی رویت ثابت کرتے ہیں جو جسم کے قائل نہیں ہیں. میں یہ کہتا ہوں کہ کل تابعین اور وہ ائمہ اسلام جو دین میں امامت کے ساتھ مشہور ہیں۔ مثلاً امام مالک. امام ثوری.. اوزاعی. لیث بن سعد. امام شافعی. امام احمد. اسحاق. امام ابوحنیفہ. امام ابویوسف اور اُن کے امثال اور کل محدثین اور تمام وہ فرقے جو اہل السنۃ والجماعت کی طرف منسوب ہیں مثلاً کرامیہ کلابیہ، اشعریہ اور سالمیہ وغیرہ یہ سب کے اللہ کی رویت کے قائل ہیں اور محدثین نزدیک حضور انور ﷺ سے اس بارے میں بہت سی حدیثیں متواتر ہیں باقی رویت کی نفی کرنے کے لئے لَا تُدْرِكُهُ الْاَ بْصَارَ. سے حجت کرنا محض بے بنیاد اور لغو ہے۔ کیونکہ ادراک سے یہاں مطلق رویت مراد نہیں ہے بلکہ وہ رویت ہے جس میں احاطے کی قید ہو۔ اس لئے جو شخص کوئی چیز دیکھتا ہے اس کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے اس چیز کا ادراک بھی کر لیا اسی طرح یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس نے اس کا احاطہ بھی کر لیا ابن عباس سے اس آیت کی بابت کسی شخص نے پوچھا تھا اس کے جواب میں آپ ﷺ نے کہا کیا تو نے آسمان نہیں دیکھا وہ بولا کیوں نہیں آپ نے کہا کیا تو نے سارا آسمان دیکھا ہے بولا نہیں اس پر

آپ نے فرمایا کہ یہی معنی لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارَ. کے ہیں پھر ایک اور مثال لو ایک شخص نے کسی لشکر یا پہاڑ یا باغ یا شہر کو دیکھا تو اس کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے اِن سب چیزوں کا ادراک بھی کر لیا ہاں ادراک کا لفظ اس وقت بولا کرتے ہیں کہ جب وہ ان سب چیزوں کا احاطہ کر لے۔ یعنی اول سے لیکے اخیر تک دیکھ لے اور ان چیزوں کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا جز اس سے چھپا ہوا نہ رہے ہمیں اس مسئلے پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے. کیونکہ یہ تو مدعی کا کام ہے کہ وہ اس بات کو ثابت کرے کہ ادراک اور رویت ایک چیز ہے اسے بتانا چاہئے کہ لغت عرب میں ادراک رویت کا مرادف ہے اور دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور اسے یہ بھی ثابت کرنا چاہیے جو شخص کسی چیز کو دیکھے عرب میں اس کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اس چیز کا ادراک کیا ہے۔ اس آیت میں تو یہ معنی ٹھیک نہیں بنتے بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ جبکہ لفظ رویت اور لفظ ادراک میں عموم اور خصوص کی نسبت ہے۔ کیونکہ کہیں رویت بلا ادراک کے ہوتی ہے اور کہیں ادراک بلا رویت کے۔ یا ان دونوں میں اشتراک لفظی ہے اب رہا ادراک وہ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ایک ادراک علم میں اور دوسرے ادراک قدرت میں کیونکہ بعض چیز کا ادراک قدرت سے بھی ہوتا ہے. اگرچہ وہ آنکھوں سے نظر نہ آئے مثلاً کوئی اندھا کسی بھاگتے ہوئے آدمی کو پکڑ لے. تو یہ اس کا ادراک کر لیتا ہے اور اسے آنکھوں سے نہیں دیکھا، دیکھو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔

فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعَانِ قَالَ اَصْحَابُ مُوْسیٰ اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ قَالَ كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّی سَيَهْدِيْنَ. یعنی پھر جب دونوں گروہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تو موسیٰ کے اصحاب نے کہا بیشک اب پکڑے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں بیشک میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے جو عنقریب مجھے راہ نجات پر لے آئے گا سمجھنے کی بات ہے کہ باوجود مشاہدہ یعنی دیکھنا ثابت ہونے کے موسیٰ نے ادراک کی نفی کر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبھی دیکھنا بلا ادراک کے ہوتا ہے۔ اس کی پوری تشریح اس سے ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اپنی تعریف میں ذکر کی ہے۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ ایک چیز کا آنکھوں کا نظر نہ آنا تعریف کی کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ محض نفی میں کوئی تعریف نہیں ہوتی جب تک کہ وہ کسی

ثبوتی امر کو متضمن نہ ہو۔اس لئے کہ معدوم چیز بھی آنکھوں سے نظر نہیں آتی.اور نہ اس کی کوئی تعریف کی جاتی ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ صرف رویت کی نفی میں تعریف کی کوئی بات نہیں ہے مگر اُس وقت کہ مظور ادراک ہی ہو۔کیونکہ جس طرح علم میں اللہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اسی طرح رویت میں بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔لہٰذا علم ورویت کے احاطہ کی نفی کرنے سے مطلق رویت کی نفی ہونی لازم نہیں آتی بلکہ یہ اس امر کی پوری دلیل ہے کہ اس کی رویت ہو سکتی ہے اور رویت سے اس کا احاطہ نہیں ہو سکتا کیونکہ احاطہ کی تخصیص خود اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ رویت کی نفی نہیں ہے یہ سلف وغیرہ میں سے اکثر علماء نے یہی جواب دیا ہے اور اسی کہ ہم معنی ابن عباس وغیرہ سے بھی مروی ہے.لہٰذا اس آیت میں تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں رہی کہ ہم اللہ کو اس دنیا میں نہیں دیکھیں گے یا آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں یا بعض کر سکتی ہیں. باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ کل انبیاء اپنی شروع عمر سے آخر عمر تک خطا سہو گناہ ں صغیرہ اور کبیرہ سب سے معصوم ہوتے ہیں اگر ایسا نہ ہو تو انکی تبلیغ پر وثوق اور اعتبار نہیں ہو سکتا اور اس سے ان کی بعثت کا فائدہ نسیت ونابود ہو جاتا ہے اور اِن سے نفرت کرنی لازم آتی ہے اس کے چند جواب ملاحظہ ہوں۔

پہلا جواب: تعجب ہے کہ شیعی علماء نے آنکھیں بند کر کے ایسا کیوں فرمایا کیا تو خود اپنے عقیدے سے لاعلمی کی بنا پر ایسا کیا گیا ہے یا دیدہ ودانستہ ناواقفوں کو دھوکے میں ڈالا گیا ہے حالانکہ یہ اعتقاد جو اوپر بیان ہوا کل امامیہ کا نہیں ہے۔کیونکہ خود امامیہ اس میں باہم بہت اختلاف رکھتے ہیں۔اشعری ان مقالات میں کہا ہے کہ رافضیوں کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا پیغمبر نافرمانی کر سکتا ہے یا نہیں اس میں ان کے دو فرقے ہیں پہلے فرقے کے لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نافرمانی کر سکتا ہے۔نبی ﷺ نے غزوۂ بدر کے دن فدیہ لینے میں اللہ کی نافرمانی کی تھی.پھر اسی گروہ کا یہ خیال ہے کہ پیغمبر تو نافرمانی کرلے مگر ائمہ سے نافرمانی کا خیال ہونا بھی جائز نہیں ہے.کیونکہ پیغمبر کے نافرمانی کرنے پر اسکے پاس اللہ کی طرف سے وحی آجاتی ہے.مگر ائمہ کیطرف نہ وحی ہوتی ہے اور نہ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور وہ بلا شک وشبہ معصوم ہیں۔لہٰذا ان سے سہو اور غلطی ہونی ہرگز جائز نہیں ہے۔ اِن کے مقابلے میں

رسول ﷺ سے ہونی جائز ہے اس گروہ کا پیشوا ہشام بن حکم ہے دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ سے اللہ تعالی کی نافرمانی ہونی ہرگز جائز نہیں ہے۔ نہ ایسا ائمہ سے ہونا جائز ہے. کیونکہ یہ سب حجۃ اللہ ہیں یہ لغزش سے بھی معصوم ہیں اور اگر ان سے سہو اور معاصی کا ارتکاب ممکن ہو تو پھر یہ اس امکان میں اپنی پیروی کرنے والوں کے برابر ہو جائیں گے۔ لہذا یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا ان سے ایسی چیز میں غلطی کروائے۔ جس کی وہ تبلیغ کرتے ہوں۔

دوسرا جواب: اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ انبیاء اُن امور میں معصوم ہیں۔ جنکی وہ اللہ کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں اور بعثت کا مقصود اسی سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اسکے علاوہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی نسبت خیال کیا جائے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ اللہ کے آگے توبہ نہ کریں تو وہ توبہ جس سے اللہ کی محبت اور فرحت حاصل ہوتی ہے. اور مرتبہ بڑھ جاتا ہے. تو توبہ کے بعد آدمی پہلے سے بدرجہا بہتر ہو جاتا ہے. اس سے تو کھلم کھلا قرآن اور حدیث کی تکذیب ہونے کے علاوہ انبیاء کے منسوبوں کی بے توقیری ہوتی ہے۔ اور بے توقیری یہاں تک کہ جو مراتب اللہ نے اپنے فیض واحسان سے انہیں عطا کیئے ہیں وہ اِن سے زبردستی چھین لیے جائیں۔ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ جس نے کبھی کفر نہیں کیا اور نہ کبھی گناہ کیا وہ اس سے افضل ہے جو کافر ہونے کے بعد ایمان لایا ہو اور گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لی ہو تو ایسا عقیدے والا اسلام کا سخت مخالف ہے. اِس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا اور یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ وہ صحابہ جو اپنے کافر ہونے کے بعد حضور انور پر ایمان لائے تھے. گمراہ ہونے کے بعد اللہ نے انہیں ہدایت کر دی تھی اور گناہ کرنے کے بعد انہوں نے اپنے معبود برحق کے آگے سچی توبہ کر لی تھی وہ اپنی اس اولاد سے یقیناً افضل تھے جو اسلام پر پیدا ہوئی تھی کون ایسا شخص ہے جو انصار کی اولاد کو مرتبے میں انصار کے برابر اور مہاجرین کی اولاد کو مہاجرین کے برابر کر سکتا ہے۔ بے شک وہ شخص کہ جو جاہل مطلق اور مجنون ہو. اللہ تعالی فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ. وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا. يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا. اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیماً.

(الفرقان ۶۸ تا ۷۰) یعنی وہ لوگ جو اللہ کے ہمراہ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس جان کے مارنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اُسے نہیں مارتے مگر حق پر اور نہ وہ زنا کرتے ہیں. اور جو کوئی یہ کرے گا تو وہ عذاب پائے گا۔ قیامت کے دن اِسکے لیے دگنا عذاب کر دیا جائے گا۔ اور وہ ذلیل ہو کے اس میں ہمیشہ رہے گا۔ مگر جو شخص توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرے تو یہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا. صحیح المسلم میں ابوذر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ فرماتے ہیں میں اُس آدمی کو خوب پہچانتا ہوں جو جنت میں سب سے پیچھے جائے گا۔ اور اسکی بھی مجھے خوب شناخت ہے کہ جو دوزخ سے سب سے پیچھے نکلا جائے گا۔ قیامت میں ایک آدمی میدانِ حشر میں لایا جائے گا حکم ہوگا اسکے صغیرہ گناہ اسکے آگے پیش کر و مگر کبیرہ اسے نہ دکھاؤ۔ چنانچہ صغیرہ گناہ حکم ہوتے ہی اسکے آگے پیش کیے جائیں گے اور اُس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن یہ کام کیا تھا اور فلاں دن یہ کام وہ کہے گا کہ ہاں میں اس کا انکار نہیں کر سکتا مگر ساتھ ہی اس اقرار کرنے کے وہ اپنے کبیرہ گناہوں کے پیش ہونے سے سخت خائف ہوگا پھر اُس سے کہا جائے گا کہ تیرے ہر گناہ کے بدلے تیرے لیے ایک نیکی ہے اس وقت وہ عرض کرے گا اے رب العزت میں نے اور بہت سے گناہ کیے تھے مگر اب میں انہیں یہاں نہیں دیکھتا راوی کہتا ہے کہ اس پر حضور انور رسول اللہ ﷺ کو اتنی ہنسی آئی کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ پس جس کے گناہ نیکیوں سے بدلے جائیں اسے اس سے کیا نسبت ہے جسے یہ نیکیاں نصیب ہی نہ ہوں اس میں شک نہیں کہ گناہ کرنے کا کسی کو حکم نہیں ہے اور نہ بندے کو اس بنا پر گناہ کرنے کی اجازت ہے کہ وہ ان سے توبہ کرنے کا قصد رکھے اسکی مثال بعینہ ایسی ہے کہ کوئی شخص اپنے دشمن کو اشتعال دے محض اس امید پر کہ میں جہاد سے اس پر غالب آ جاؤں گا یا شیر کو اس خیال سے بھڑکائے کہ میں اسے مار ڈالوں گا کچھ تعجب نہیں کہ یہ خیال غلط نکلے دشمن اس پر غالب آ جائے اور شیر اُسے پھاڑ ڈالے اسکی مثال تو بالکل اس آدمی کی سی ہے جو اس ارادے سے زہر کھائے کہ پھر تریاق کھالوں گا یہ فعل اسکا صریح جہالت پر مبنی ہوگا۔ کوئی شخص یکا یک

دشمن کے نرغے میں پھنس کے دشمن پر غالب آ گیا تو یہ اُس سے افضل ہے جسے ایسا واقعہ پیش ہی نہیں آیا۔اسی طرح جس نے اتفاقاً زہر کھا کے تریاق پی لیا۔جس سے زہر بدن میں اس کے سرایت نہ کر سکا تو اسکا جسم اس شخص کے جسم سے یقیناً تندرست ہوگا۔جس نے نہ زہر کھایا نہ تریاق پیا ہے یاد رکھو گناہ، گناہ گاروں کو اُس وقت مضر ہوتے ہیں جب یہ ان سے توبہ نہ کریں۔

وہ جمہور جو انبیاء سے صغیرہ گناہ سرزد ہونے کو جائز رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انبیاء ان پر کار بند ہونے سے بے شک معصوم ہیں اور اس وقت یہ ان کا کوئی وصف بیان نہیں کر سکتے سوائے اسکے جس میں اِن کی تعریف اور کمال ہو کیونکہ اعمال کے اعتبار ہونے کا دارومدار خاتمے پر ہے۔باوجود یہ کہ قرآن، حدیث اور سلف کا اجماع بھی انہیں کے موافق ہے اور اسکے منکرین قرآن کی تعریف میں ایسا کہتے ہیں کہ انکا قول اہل تہبان کے قول کے مشابہ ہے وہ قرآن کے کلمات کو ان کے مواقع سے تحریف کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **يَغْفِرُ لَكَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ** میں **مَا تَـقَـدَّم** سے آدم کا گناہ اور ماتاخرہ سے اِن کی اُمت کا گناہ مراد لیتے ہیں۔لہٰذا یہ اور اسکی مثل تحریف میں داخل ہے اول تو اس لیے کہ آدم نے نوح اور ابراہیم اور حضور انور ﷺ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی توبہ کر لی تھی۔اور اللہ نے اُن کی خطا معاف کر دی تھی۔تو پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے یہ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں ایک ظاہر فتح دی ہے تا کہ ہم آدم کی خطا بخش دیں دوسرے اللہ خود فرما چکا ہے۔ **وَلَا تَـزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى** پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک گناہ دوسرے کی طرف نسبت کر دیا جائے۔تیسرے اس لیئے کہ شفاعت کی حدیث جو صحاب مین ہے اس میں یہ بیان ہے کہ پہلے لوگ آدم کے پاس آئیں گے اور یہ کہیں کہ تم آدم ابوالبشر ہو تمہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تم میں اپنی روح پھونکی تمہیں فرشتوں سے سجدہ کرایا۔لہٰذا تم اللہ کے حضور ہماری سفارش کر دو۔اس پر آدم اپنی خطا کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ میں اِس کام کو انجام نہیں دے سکتا۔پھر لوگ نوح، ابراہیم، عیسیٰ اور موسیٰ کے پاس آئیں گے وہ سب یہ کہیں گے کہ تم محمد کے پاس جاؤ ان سے اللہ نے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ کی

شفاعت قبول ہونے کا سبب آپ کی کمال عبودیت اور اللہ کی کمال مغفرت ہے اگر یہ منصب آدم کے لیے ہوتا تو وہ حشر کے میدان والوں کی شفاعت ضرور کر دیتے۔ چوتھی اس لیے جب آیت نازل ہوئی تو حضورؐ انور کے اصحاب نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو آپ کے لیے ہے ہمارے لیے کیا ہے اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ. (الفتح۔۴) اب اگر ان کے بھی اگلے پچھلے سب گناہ بخشے جاتے تو ان کے بارے میں بھی اللہ تعالی یہی فرماتا۔ پانچویں یہ کوئی عقلمند شخص کیسے کہہ سکتا ہے کہ اللہ نے حضور انور کی امت کے سب گناہ بخش دیئے حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ امت کے بعض افراد دوزخ میں بھی جائیں گے اور پھر شفاعت کے بعد اُس سے نکل آئیں گے۔ پس انبیاء کا اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرنا جو قرآن سے ثابت ہوتا ہے اس کے منکرین اور مانعین کی یہ بہترین تاویلیں ہیں پھر بھلا اُن تاویلوں کی کیا حالت ہوگی جن میں قرآن کی تحریف کی گئی ہے اور اللہ پر جھوٹی باتیں بنائی گئی ہیں .پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اگر انبیاء کی نسبت سہو وخطا وغیرہ کی کمزوری مان لیں تو ان پر وثوق کیونکر ہوسکتا ہے۔ جب وثوق نہ ہو تو قطعی اُن سے نفرت ہوئی یہ بات نہ ماقبلِ نبوت میں ٹھیک بنتی ہے نہ بعد از نبوت کوئی شخص سچے دل سے اپنے معبود حقیقی کے آگے اپنی خطا کا اقرار کرے اور سچے دل سے توبہ کرے تو اس پر اللہ تعالی کی رحمت نازل ہوتی ہے اور یہ رحمت اس کی عبودیت، صداقت اور تواضع کی پوری دلیل ہے برخلاف اس شخص کے جو یہ کہے کہ مجھ سے کبھی کوایسی بات سرزد نہیں ہوتی جس سے اللہ کی رحمت اور مغفرت کی خواہش ہو. یا اس کے آگے توبہ کرنے کا محتاج کرے اور وہ شخص اسی پر برابر مصر ہوتا چلا جائے کہ مجھ سے ایسا کوئی فعل سرزد نہیں ہوتا۔ جس سے رجوع کرنے کی حالت ہو ایسے مغرور اور بیوقوف شخص کو لوگ کبھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھنے کے۔ صحیح حدیث میں صاف طور پر آیا ہے حضور انور رسول اللہ نے فرمایا تھا۔ لن یدخل احد منکم الجنة بعمله کالوا و لا انت یا رسول الله قال و لا انا الا ان تیغمدنی الله برحمة منه و فضل. یعنی تم میں سے اپنے عمل کے سبب جنت میں کوئی نہ جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی نہیں جائیں

گے۔ جواب ارشاد ہوا کہ نہیں جب تک اللہ اپنی رحمت اور فضل کے پردے میں مجھے نہ چھپا لے فقط۔
سمجھنے والے اس بات کو سمجھتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کی یہ کیفیت قلب اعلیٰ درجے کے مناقب میں سے ہیں ایسے ہی آپ نے یہ فرمایا ہے تم میری ایسی تعریف نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کی ہے میں تو اس کا بندہ ہوں تم مجھے اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول کہا کرو اس سے حضور انور ﷺ کی عظمت اور بھی لوگوں کے دلوں میں بڑھ گئی۔ صحیحین میں ہے کہ حضور انور یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اللھم اغفرلی خطیئتی وجھلی واسرافی فی امری وما انت اعلمنو منی اللھم اغفرلی ھزلی وجدی وخطای وعمدی وکل ذلک عندی اللھم اغفرلی ماقدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلمبہ منی انت المقدم وانت المونعز وانت علی کل شئی قدیر۔ یعنی اے اللہ میری خطا میری جہالت اور میرے کام میں میرا اسراف اور میری جو خطا تجھے معلوم ہو معاف کردے۔ بارالٰہا میرے ہزل میرے جد اور میرے سہو اور قصداً خطا کرنے کو بخشدے اور یہ سب مجھ سے ہی ہوتا ہے۔ الٰہی جو کچھ میں کرچکا اور جو آئندہ کروں اور جو ظاہر کروں اور جو پوشیدہ کروں سب بخشدے تو پہلے سے ہے اور تو ہی بعد میں رہے گا۔ اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے اور اس سے کوئی بالغ نظر اور ہوش وحواس والا انکار نہیں کرنے کا کہ احتیاج سے بے پرواہ ہونا خصائص ربوبیت میں سے ہے باقی بندے کا کمال تو اسی میں ہے کہ وہ صرف اپنے پروردگار کا محتاج بنے اپنی کمزوریوں کا ہر وقت دل سے اس کی عالی بارگاہ میں اعتراف کرتا رہے۔ یادرکھو جس قدر اس کی عبودیت کامل ہوگی۔ اسی قدر اُس کی فضیلت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ یہ بھی سمجھ لو ان امور کے سرزد ہونے سے جن میں توبہ اور استغفار کی ضرورت ہو عبودیت اور تواضع میں ترقی ہوتی ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ انبیاء کے گناہ مثل اوروں کے گناہوں کے نہیں ہوتے۔ مگر ہاں ہر ایک کو علیٰ حسب مراتب خطاب کیا جاتا ہے حضور انور فرما چکے ہیں۔ **کل بنی آدم خطاء وخیر الخطا ئینالتوابون۔** یعنی کل اولادِ آدم خطاوار ہیں اور بہتر خطاوار توبہ کرنے والے ہیں۔ انبیاء کی خطاؤں یا سہو کی وجہ سے ان پر وثوق نہ ہونے اور ان سے نفرت ہوجانے کی

بابت جو علماء شیعہ نے ذکر کیا ہے تو یہ صورت تو اصرار کرنے پر ہو سکتی ہے نہ کہ اس خطا سے رجوع کرنے اور کمی کرنے پر یعنی فرض کرو کہ ایک نبی سے کوئی خطا ہوا سے معاً اس کی خطا پر اطلاع ہو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر پڑا۔ سچے دل سے توبہ کی اپنی خطا کا اعترف کیا اور رحمت کی التجا کی اللہ نے اس کی توبہ قبول کی رحمت کا دروازہ اس پر کھول دیا جب اللہ نے رحمت کا دروازہ کھول دیا اور اس پر اپنا فضل کیا تو کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ لوگ اس سے نفرت کریں گے اور اس کے قول پر ان کا وثوق نہیں رہنے کا یہ تو بالکل ایک ناممکن سی بات ہے جسے کچھ بھی سمجھ ہے وہ اُسے اچھی طرح جانتا ہے وہ چھوٹا گناہ جس کی وجہ سے انسان توبہ واستغفار کرتا ہے عقلاء کے خیال میں ایسے چھوٹے گناہ کا مرتکب زیادہ تعظیم کیے جانے کا مستحق ہے کیونکہ خدا کے حضور اس کی عالی بارگاہ میں جنھیں ساقی کرنے کا بندے کو پورا موقعہ ملتا ہے۔ یہ صفت یا یہ فضیلت اور مرتبہ اور روحانی معراج فاروق اعظم کو نصیب ہوئی آپ کی رعیت نے جیسی آپ کی تعظیم واطاعت کی ہے سب کو معلوم ہے باوجود یہ کہ آپ ہمیشہ اپنی خطا سے رجوع کرنے کا اعتراف کرتے رہتے تھے اور جب آپ علی الاعلان اپنی خطا کا اعترف کرتے تو لوگوں کی نظروں میں آپ کی او زیادہ وقت ومحبت اور تعظیم ہوتی تھی۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ توبہ سے لوگوں کو نفرت نہیں ہوتی بلکہ نفرت اس خطا سے ہوتی ہے۔ جس پر اصرار کیا جائے اور اسے خطا نہ سمجھا جائے۔ ایک فاضل شخص نے اثناء ذکر میں مجھ سے کسی شخص کے علم وفضل کی بہت تعریف کی جب میں نے پوچھا کہ اُن کا مبلغ علم آپ نے کیا دیکھا تو وہ لگے کہنے کہ اس سے زیادہ مبلغ علم اور کیا ہو گا کہ وہ اپنی غلطی کا فوراً اعتراف کر لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ دلیر اور نیک دل کوئی نہیں ہوسکتا۔ جو اپنی خطا کا علی الاعلان اقرار کر لے۔ یہ اقرار اسکی تعظیم کا بہت بڑا سبب ہے ایسے شخص بڑے بارعب اور صاحب وجاہت ہوتے ہیں ان پر ان کے جاننے والے پورا اعتبار کرتے ہیں یہ اصلی صداقت کی سب سے بڑی علامت ہے. تعجب ہے کہ ایسی ایسی اعلیٰ درجہ کی فضیلت کو مذموم قرار دینا اور یہ کہنا کہ جس میں یہ صفت ہو وہ قابلِ اعتبار نہیں ہے صداقت کی مقدس نازمین کو تعصب اور جہالت کی کند چھری سے ذبح کرنا ہے اور جو شخص ہمیشہ اس کوشش میں رہے کہ لوگ اسے بے گناہ سمجھیں اس کی

معصومیت کا یقین کرلیں تو وہ ہمیشہ اپنی برات کے دعوے کرتا رہے گا۔ اسکی یہ روش یقیناً لوگوں کو اس سے متنفر بنا دے گی اور اس کے وثوق کو زائل کر دے گی۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ائمہ اس بارے میں مثل انبیاء کے معصوم ہیں۔ یہ ان امامیہ رافضیوں کا عقیدہ ہے جن کا اس میں کوئی شریک نہیں ہے نہ شیعہ زیدیہ نہ مسلمانوں کے اور فرقے ہاں سوائے ایک فرقے کے جو ان سے بھی بدتر ہے یعنی اسمٰعیلیہ جو بنی عبید کی عصمت کے قائل ہیں اور محمد اسمٰعیل بن جعفر کی طرف منسوب ہیں۔ وہ کہتے ہیں جعفر کے بعد بجائے موسیٰ بن جعفر کے محمد بن اسمٰعیل میں عصمت منتقل ہوگئی۔ انہیں کو ملاحدہ منافقین کہتے ہیں بیشک امامیہ اثناء عشری اِنسے بدرجہا بہتر ہیں کیونکہ امامیہ جہالت اور گمراہی میں پڑنے کے باوجود باطن میں بہت سے مسلمان ہیں وہ زنادقہ اور منافق نہیں ہیں ہاں ان کے بڑے بڑے ائمہ جو اپنے دعوے کی حقیقت کو جانتے ہیں وہ زنادقہ اور منافقین سے جدا نہیں ہیں ہاں ان کے وہ عوام جو ان کی باطنی حالت سے واقف نہیں ہیں اِن میں بعض اوقات مسلمان بھی نکل آتے ہیں۔ اب رہے وہ مسائل جو پہلے بیان ہو چکے ہیں ان میں امامیہ کے سوا ان کے اور فرقے بھی شریک ہیں ہاں وہ انبیاء کی عصمت میں غلو نہیں کرتے بس اس میں تو وہ اِن سے علیحدہ ہیں۔ باقی سب میں شریک ہیں یعنی جہاں کہیں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی نہ بھولتا ہے۔ نہ خطا کرتا ہے۔ وہاں ان سے سب علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان سے کوئی موافق ہوتا ہاں اگر کوئی نساک اور غلاۃ میں ہو تو اس کی کہی نہیں جاتی. باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ امامیہ نے اپنے فروعی احکام ان ائمہ معصومین سے اخذ کئے ہیں جو اپنے نانا رسول اللہ ﷺ سے ناقل ہیں وغیرہ وغیرہ اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ احادیث انہیں علماء کے شاگرد ہیں جن سے سب مسلمانوں نے سیکھا تھا اور یہ متواتر ہے اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا. چنانچہ علی بن حسین اکثر ابان بن عثمان بن عفان سے اور یہ نبی ﷺ کے موئی اسامہ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ **لا یرث المسلم الکافر لا کافر المسلم** .یعنی نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا اِس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے ابو جعفر محمد بن علی جابر بن عبداللہ سے مناسک حج کی طویل حدیث روایت کرتے ہیں جو اس بارے میں اعلیٰ درجے کی حدیث ہے۔ اسی

طریق سے مسلم نے اپنی صحیح میں جعفر بن محمد سے اور انھوں نے جابر سے روایت کی ہے اس کے علاوہ یہ بات غور طلب ہے کہ ائمہ اثنا عشر میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے حضور انور رسول خدا ﷺ کا سارا زمانہ دیکھا ہو سوائے حضرت علی کے وہ بے شک ان میں ممتاز اور حضور انور ﷺ کی حدیثیں بیان کرنے میں صدوق یعنی بہت سچے اور ثقہ ہیں جیسے ان کی طرح اور صحابہ حضور انور ﷺ کی حدیثیں بیان کرنے میں ثقات اور صدوق ہیں۔ بلکہ ہم انہیں ہر جگہ حدیث کے بیان کرنے میں اصدق الناس کہتے ہیں ان میں ایسا کوئی معلوم نہیں ہوتا جس نے حضور انور پر کبھی قصداً جھوٹ بولا ہو باوجود یہ کہ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن سے بعض مقامات پر لغزشیں ہو جاتی تھیں گناہ سرزد ہو جاتے تھے کیونکہ وہ معصوم نہیں تھے۔ مگر تو بھی امتحان اور آزمائش کرنے والوں نے اُنکی حدیثوں کا تجربہ کر لیا اور انہیں خوب جانچ لیا ہے ان میں کسی کی بھی ایسی حدیث نہیں پائی گئی جس نے قصداً جھوٹ بولا ہو اسی وجہ سے اس وقت یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ اگر کوئی صبح کو رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے کا قصد کرتا تھا تو شام تک یہ بات مشہور ہو جاتی تھی کہ فلاں شخص نے ایسا کیا اور وہ کذاب ہے۔ مدینے، مکّے، شام اور بصرہ میں بہت سے تابعین تھے جن میں ایک بھی کذاب نہیں ہوا تو بھی چونکہ وہ معصوم نہیں تھے اس لئے غلطی کے ہونے سے پاک نہیں رہے جو روای ان میں ضعیف ہے اہلِ علم نے جب اس کی تحقیق کی تو انہیں یہ ثابت ہوا کہ محض حافظہ کے ضعیف ہونے سے یہ لغزش ہوگئی ہے۔ یہ کسی نے نہیں لکھا کہ قصداً جھوٹ بولنے کی وجہ سے اس نے ایسا کیا ہے۔ اب رہے حسن حسین تو ان کی صغیر سنی ہی میں حضور انور رسول خدا ﷺ کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ اس وقت سنِ تمیز کو بھی نہیں پہنچے تھے اس لیے انکی روایتیں حضور انور سے بہت ہی کم ہیں اِنکے علاوہ اور اثنا عشر نے حضور انور کو دیکھا تک نہیں پس شیعی علماء کا یہ کہنا کہ وہ اپنے نانا رسول اللہ سے ناقل ہیں۔ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ انکی طرف اس کی وحی کر دی گئی تھی جو ان کے نانا نے فرمایا تھا۔ تو یہ نبوت ہے جیسا کہ حضور انور کی طرف اور انبیاء کے اقوال کی وحی کی جاتی تھی۔ اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ انھوں نے اوروں سے سنا ہے تو یہ ممکن ہے کہ جیسا انھونے سنا اسی طرح انھوں نے اوروں سے بھی سنا پھر ان دونوں سننے والوں میں سمجھ میں نہیں آتا کہ امتیاز کس کو

ہے۔ان کے سننے میں کیا بات ہے جو اوروں کے سننے میں نہیں ہے۔اب رہی کامل توجہ اور کامل اہتمام یہ بیشک امتیاز پیدا کرتا ہے مگر اس میں کسی خاص ذات کی قید نہیں ہے جس میں کامل توجہ اور زیادہ اہتمام کیا وہی زیادہ جاننے والا ہوا۔چونکہ اس میں کسی شخص کی خصوصیت نہیں ہے کہ خاندانِ رسالت کے لوگ ہی زیادہ اہتمام اور توجہ کرتے ہوں۔یا زیادہ اہتمام اور توجہ بنی ہاشم ہی کے ساتھ مخصوص ہو اس لئے ہر زمانے میں غیر بنی ہاشم اکثر بنی ہاشم سے احادیث کے زیادہ جاننے والے پائے جاتے ہیں۔مثلاً اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ زہری ابو جعفر محمد بن علی کی نسبت حضور انور کی احادیث اور آپ کے احوال واقوال سے زیادہ واقف تھے اور دلطف یہ ہے کہ دونوں ہم عصر تھے اب رہے باقی ائمہ اثنا عشر یعنی موسیٰ بن جعفر علی بن موسیٰ اور محمد بن علی تو جسے جو کچھ بھی بھیجہ ہے اور اپنے علم کا کچھ حصہ بھی ملا ہے۔وہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کر سکتا۔مالک بن اُنس جماد بن زید حماد بن مسلمہ، لیس بن سعد اوزاعی، یحییٰ بن سعید، وکیع بن جراح، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ حضور انور کی احادیث کو ان سے زیادہ جاننے والے ہیں۔اور یہ ایسا مسلم امر ہے کہ تمام مشہور آثار اس کی شہادت دیتے ہیں۔جیسا کہ آثار اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ فاروق اعظم عمر بن خطاب، فتوحات جہاد اور کفار و منافقین کا قلع قمع کرنے میں عثمان اور علی سے بدر جہا زیادہ ہیں.اس کا پورا ثبوت اس سے ہوتا ہیں کہ حضور انور ﷺ تک مسند شدہ احکام جو اُن سے منقول ہیں وہ ان کے منقول شدہ سے کئی گنا زیادہ ہیں۔باقی شیعی علماء کا یہ دعوے کہ ان میں سے جو کوئی فتوے دیتا ہے وہ اس کے نزدیک نبی ﷺ سے منقول ہوتا ہے۔سو یہ ان ائمہ پر یقینی بہتان اور صریح جھوٹ ہے کیونکہ حضور انور ﷺ سے روایت کرنے اور اپنی طرف سے کہنے میں یہ لوگ خود پوری تمیز اور تفرق کر دیا کرتے تھے۔جیسا کہ علی کہا کرتے تھے کہ جب تم سے میں رسول اللہ کی حدیث بیان کرتا ہوں تو خدا کی قسم میری یہ حالت ہوتی ہے کہ مجھے اپنا آسمان سے زمین پر گر پڑنا اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ پر کوئی جھوٹ بولوں۔ہاں جب میں تم سے اپنے جھگڑوں کی باتیں کرتا ہوں تو یاد رکھو لڑائی مجسم فریب اور دھوکہ ہے اسی وجہ سے علی ایک بات کہتے اور پھر اس سے رجوع کر لیتے تھے.

لہٰذا اسی لئے مسائل میں انکا نزع ویسا ہی ہوتا تھا جیسا اوروں کا ہوتا تھا اور ان سے مختلف اقوال ویسے ہی نقل کئے جاتے ہیں جیسے اوروں سے ان کی مختلف روایتوں سے سنی شیعہ دونوں کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اس کو امامیہ خلفا عن سلفٍ یہاں تک روایت کرتے ہیں کہ وہ روایت ان معصومین میں سے کسی نہ کسی تک پہنچ ہی جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں اسکا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اگر اس استدلال کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو فقط ایک معصوم سے منقول ہونا دوسرے سے منقول ہونے کی ضرورت نہیں رکھتا۔ لہٰذا ہر زمانے میں معصوم کے ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کے علاوہ جب یہ نقل موجود ہے تو پھر اس منتظر امام کی کیا حاجت ہے جس سے کچھ بھی منقول نہیں ہے۔ اگر ان لوگوں سے یہ لوگوں سے یہ نقل کافی ہے تو پھر اس منتظر کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر کافی نہیں ہے تو ان کے اس منقول سے ان کا اقتدار کرنے والے کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے ہم کہتے ہیں کہ جب ان میں سے کسی سے نقل ثابت ہوگی تو وہ زیادہ سے زیادہ ایسی ہوسکتی ہے کہ جیسے اس سے کسی نے سنی ہو پھر اس پر اس کا حکم دینا کیا وقت رکھتا ہے اور ان پر پورا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کی نسبت شیعوں نے بہت ہی غلط بیانی کی ہے اور ان پر پورا طوفان اٹھایا ہے خاص کر جعفر بن محمد صادق پر جیسا ان پر جھوٹ بولا گیا ہے ایسا شاید کسی پر نہ بولا گیا ہو۔ یہاں تک کہ کتابیں خود تصنیف کیں اور ان کے سر چپیک دیں مثلاً کتاب الجفر، بطاقہ، ہفت، اختلاج، اعضاء، احکام الرعود والبروق، زبردستی ان کی طرف منسوب کردی گئی ہیں۔ بعض شیعوں کا تو یہاں تک خیال ہے کہ کتاب اور رسائل اخوان الصفا ان ہی کا کلام ہے ہر عاقل اسے سمجھتا اور اور ہر مسلمان اس بات کو جانتا ہے کہ یہ کتابیں دین اسلام کے صریح مناقض ہیں۔ اس کے علاوہ اخوان الصفا جعفر بن محمد کے انتقال سے قریب قریب ۲۵۲ برس کے بعد تصنیف ہوئی کیونکہ جعفر بن محمد کا انتقال ۱۴۸ھ ہجری میں ہوا تھا۔ اور یہ کتاب ۴۰۰ھ ہجری میں تصنیف ہوئی ہے وہ زمانہ وہ تھا کہ جب مصر میں سلطنت عبیدیہ کا ظہور ہو چکا تھا اور وہ قاہرہ کی بنیاد ڈال چکے تھے اس وقت ان اسماعیلیہ کے مذہب پر یہ کتاب تصنیف کی گئی۔ خود اس کتاب کے مضمون سے یہ بات صاف طور پر پائی جاتی ہے۔ اس کتاب میں ان مصائب کا صاف طور پر ذکر ہے جو سواحل

شام پر نصاریٰ کی بیخ کنی کرنے میں مسلمانوں کو پیش آئے تھے۔ غرض یہ کل واقعات تیسری صدی کے بعد کے ہیں۔ ان باتوں کے دیکھنے کے بعد شیعی علماء کے صدق تحقیق اور ایمانداری کا پورا پتہ لگتا ہے۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ ایسے سچے راست باز اور محقق علماء کی نقل پر کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے۔ اہل عراق اور اہل کوفہ ان کے آگے اس معاملے میں کوئی وقت نہیں رکھتے تھے۔ اِن کی دیانت داری اور صدق کی اتنی شہرت ہوگئی تھی کہ اہل مدینہ ان کی حدیثوں سے پناہ مانگتے تھے۔ امام مالک کہا کرتے تھے کہ اہل عراق کی حدیثیں بمنزلہ اہلکتاب کی حدیثوں کے ہوگئی ہیں۔ لہٰذا نہ تم انہیں سچ کہو نہ جھوٹ باوجویکہ کوفے میں بہت سے اکابرِ ثقات موجود تھے لیکن جھوٹ کی کثرت نے سب کو بالکل مشتبہ کردیا کم بختی تو اس شخص کی ہے جو بیچارہ دو حدیثوں میں تمیز نہیں کرسکتا۔ اسے بمنزلہ اُس مسافر کے سمجھنا چاہئے جس کا ایسے شہر میں گزر ہو جہاں کے باشندے بالکل دروغ گو اور خائن ہوں جب تک اس بیچارے کو سچے معتبر آدمی نہ ملیں گے وہ تو کل شہر کو مشتبہ نظروں سے دیکھےگا۔ وہ حدیثیں بمنزلہ ان روپوں کے ہیں جن میں زیادہ کھوٹے ملے ہوئے ہوں۔ جو آدمی کھرا کھوٹا نہ پرکھ سکتا ہو وہ تو ان روپوں کے لینے سے جھجکے گا اور وہ کبھی ان سے معاملہ نہیں کرنے کا اسی وجہ سے جس شخص کی وسیع نظر نہ ہو اور وہ دو حدیثوں میں تمیز نہ کرسکتا ہو اسے ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنا جایز نہیں ہیں. جس میں کثرت سے جھوٹ اور گمراہی ہے جیسے البدعت کی کتابیں ہین اس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ دوسرے فرقوں کے مقابلے میں ہمارے شیعی علماء کیسے راست باز ہیں پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ان ائمہ نے رائے اور اجتہاد کی طرف التفات نہیں کیا یہاں تک کہ قیاس اور استحسان سے اخذ کرنے کو حرام مطلق قرار دیدیا ہے اس پر کئی طرح سے بحث ہوسکتی ہے اول یہ کہ اس میں شیعوں کی کچھ خصوصیت نہیں ہے خود مسلمانوں میں بھی جن کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں اسی طرح نزاع ہے جیسے شیعوں میں ہے کیونکہ زیدیہ اسی کے قائل ہیں وہ اس بارے میں اپنے ائمہ سے رواتییں نقل کرتے ہیں دوسرے یہ کہ اکثر اہل سنت و الجماعت قیاس کے قائل نہیں ہیں. لہذا یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ جو شخص خلفاء ثلاثہ کی امامت کا قائل ہو وہ قیاس کا بھی ضرور قائل ہے خود بغدادی معتزلہ بھی قیاس کے قائل نہیں ہیں پس اس صورت میں اگر

قیاس باطل ہے تو قیاس کو ترک کرنا اور سنت میں داخل ہونا ممکن ہے۔ تیسرے یہ کہ رائے اجتہاد قیاس اور استحسان سے کہنا ایسے شخص کی نقل سے اخذ کرنے سے یقیناً بہتر ہے جو کثرت کذب میں مشہور ہو اور وہ ایسے شخص سے نقل کرتا ہو کہ اس میں صحیح اور غلط دونوں کا احتمال ہو ایسی حالت میں وہ کسی صورت سے بھی قابل اعتبار نہیں ہو سکتا اس میں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ مالک بن انس. ابن ابی وہب. ابن ماجشون، نیث بن سعد، اوزاعی، ثوری ابن ابی لیلی، شریک، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، محمد بن حسن، امام زفر، حسن بن زیاد، امام شافعی، بویطی، مزنی، امام احمد بن حنبل، ابوداؤد بجستانی، اثرم، ابرہیم حربی، امام بخاری، عثمان بن سعید دارمی، ابوبکرؓ، ابن خزیمہ، محمد بن جریر طبری اور محمد بن نصر المز وری وغیرہ کا اپنے اجتہاد اور قیاس کی طرف رجوع کرنا صرف حضور انور رسول اللہ کی سنت ثابتہ کے اوپر ہے یعنی جو کچھ ان ائمہ نے حضور انور کی سنت ثابتہ سے معلوم کیا اسی پر اپنے قیاس اور اجتہاد کی بنا رکھی ہے اور اسی سے مناطِ احکام کی تحقیق وتنقیح اور تحریج میں اجتہاد کیا یہ اجتہا ان کے حق میں ان شیعوں کی نقل پر عمل کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ جو اللہ اور اُس کے رسول کے دن کو ان سے بہت ہی کم جانتے تھے۔ شیعی علماء خواہ عسکرین میں ہوں یا نہ ہوں مگر ان عسکرین وغیرہ کی نسبت مذکورہ ائمہ اللہ اور اسکے رسول کے احکام کو بیشک زیادہ جانتے تھے. عسکرین اگر کسی طرح کا فتوے دیں تو وہ ائمہ مذکورہ کے قیاس اور اجتہاد سے بہت ہی کم مرتبے کا سمجھنا چاہئے جب یہ کیفیت ہے تو وہ ان کے اقوال اور فتووں پر کیونکر عمل کرسکتے ہیں. یہ ہم جانتے ہیں کہ علی بن حسین، ابوجعفر، اور جعفر بن محمد بے شک عالِم تھے مگر انھوں نے یہ علم کس سے سیکھا. اپنے زمانے کے علماء سے جن علماء کو ہمارے شیعی بھائی بغیر سب وشتم کے یاد نہیں کرتے ان تینوں کے بعد جنکا ابھی اوپر ذکر ہوا جتنے ائمہ گزرے علم سے بے بہرہ تھے اور انہیں عالم کہنا علم کی شان مٹانا ہے. چوتھے یہ بلا شک وشبہ جو احکام امام ابوحنیفہ امام شافعی. امام احمد اور امام مالک وغیرہ ائمہ سے نقل کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ صحیح ہیں جو شیعہ عسکرین اور محمد بن علی الجواد وغیرہ سے نقل کرتے ہیں یقیناً اور بلا شک یہ ائمہ یعنی ابوحنیفہ وغیرہ حضور انور کے دین کو ان سے زیادہ جاننے والے تھے پس جو شخص ان اصدق واعلم کی نقل سے روگردانی کرکے اکذب واجہل کی نقل کی طرف رجوع

کرے تو نہ صرف اس کے دین میں بلکہ اس کی عقل میں بھی فتور ہے۔ اس سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوگئی کہ شیعی علماء نے جو کچھ امامیہ کی طرف سے حکایت کی ہے اور جس کی وجہ سے انہیں فضیلت دی ہے۔ ان میں ان کے خصائص میں سے کوئی بات نہیں ہے ہاں یہ ہم تسلم کرتے ہے کہ بے شک ائمہ کی عصمت کے قائل ہونے کی ایک خصوصیت ان میں ضرور ہے مگر اس خصوصیت میں وہ لوگ بھی ان کے شریک ہیں جنکا مرتبہ ان سے بھی بہت کم ہے اس خصوصیت کے سوا جو کچھ حق ہے یا باطل اس کے اہل سنت بھی قائل ہیں جو خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو ثابت کرتے ہیں اب رہا امامیہ کا ائمہ کی عصمت میں خصوصیت رکھنا کچھ زیادہ تعریف کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا عقیدہ عقل اور دین کی رو سے بہت ہی بعید اور غلط ہے۔

خداوند تعالی کی ذات کے ساتھ دوسری چیزوں کا قدیم ہونا:۔ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سوا ہمارے باقی مسلمانوں نے اپنے علیحدہ علیحدہ مذہب بنا لئے ہیں ان میں ایک اشاعرہ کی جماعت ہے۔ جس کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے ساتھ بہت سی قدیم چیزیں بھی ہیں۔ یعنی جیسے اللہ قدیم اور ہمیشہ سے ہے اسی طرح وہ چیزیں بھی اس کے ساتھ قدیم اور ہمیشہ سے ہیں۔ ان چیزوں کو وہ خارج میں ثابت کرتے اور موجود مانتے ہیں مثلاً علم اور قدرت وغیر غرض انھوں نے (بقول شیعی علماء) اللہ کو اس کے عالم ہونے میں اس معنی کے ثبوت کا محتاج بنا دیا ہے جس کا نام علم ہے۔ اسی طرح اس کے قادر ہونے میں قدرت کا محتاج کر دیا ہے۔ **علی ھذا القیاس** سُنیوں نے اللہ کو نہ قادر لذاتہ رکھا نہ عالم لذاتہ اور نہ حی لذاتہ بلکہ چند قدیم معانی کے ذریعہ سے کہ ان صفات میں وہ ان کا محتاج رہتا ہے۔ انھوں نے اللہ کو فی ذاتہ محتاج ناقص اور کامل لغیرہ بنا دیا ہے۔ یہ اس کے قائل نہیں ہیں کہ یہ صفات ذاتیہ ہیں خود شیخ فخر الدین رازی نے جو سینوں کا بڑا شیخ ہے انہیں پر اعترض کیا ہے کہ نصاریٰ تو محض اس وجہ سے کافر ہوگئے کہ انہوں نے تین قدیم مانے ہیں۔ مگر اشاعرہ تو نو قدیم مانتے ہیں۔ اور پھر مسلمان کے مسلمان ہیں فقط۔

پہلا جواب: افسوس ہے کہ اشعریہ پر کس بے دردی اور بے باکی سے جھوٹ بولا گیا ہے ان میں

کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ اللہ کامل بغیرہ ہے نہ امام رازی نے ان پر کوئی اعترض کیا ہے یہ بچارے رازی پر بڑا بہتان ہے یہ اعترض امام رازی نے ان لوگوں کی طرف سے ذکر کیا ہے جو یہ نکتہ چینی کرتے ہیں۔ رازی نے تو خود اس اعتراض کی برائی کی ہے۔ صفات کی نفی کرنے والوں کے اعتراضات میں سے یہ ایک پرانا اعترض ہے۔ یہاں تک کہ جب امام احمد نے جہمیہ کا رد کیا ہے تو اس کا بھی ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں یعنی امام احمد کا قول ہے کہ جب ہم نے اللہ کو ان صفات سے موصوف کیا تو جہمیہ نے ہم سے کہا اگر اس سے تمہارا یہ مطلب ہے کہ اللہ ہے اور اس کا نور ہے۔ اللہ ہے اور اس کی قدرت ہے اللہ ہے اور اس کی عظمت ہے تو تم میں اور نصارے میں کچھ فرق نہیں رہا کیونکہ تم نے تو یہ گمان کرلیا کہ اللہ اس کا نور اس کی قدرت اور عظمت ہمیشہ سے ہے۔ میں نے اس کا یہ جواب دیا ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ اور اُس کا نور اللہ اور اسکی قدرت ہمیشہ سے ہیں بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ مع اپنی قدرت اور نور کے ہمیشہ سے ہے۔ ہاں یہ ہم نہیں بتا سکتے کہ وہ کب سے قادر ہوا اور کس طرح قادر ہوا۔ اس کا جہمیہ نے یہ جواب دیا کہ اب بھی تم ہرگز موحد نہیں ہو سکتے۔ جب تک یہ نہ کہو کہ اللہ تھا اور کوئی چیز نہ تھی ہم نے کہا ہم تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ تھا اور کوئی چیز نہ تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ ہمیشہ سے مع اپنی کل صفات کے ہے کیا ہم اللہ واحد کو اس کی جمیع صفات سے موصوف نہیں کر سکتے ہیں دیکھو اس بارے میں ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں تم ہمیں یہ بتاؤ کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ کیا اس میں تنا، شاخیں، چھال، اور پھول پھل نہیں ہیں حالانکہ یہ سب کچھ ہے مگر ایک ہی نام سے فقط پکارتے ہو یعنی درخت کہتے ہو اور ان جمیع صفات کے ساتھ اس کا نام تم نے کھجور کا درخت رکھا ہے۔ اسی طرح اللہ بھی ہے وہ اپنی جمیع صفات کے ساتھ الہ واحد ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ کوئی نہ کوئی وقت ایسا گزرا ہے کہ وہ قدرت نہیں رکھتا تھا۔ پھر اُس نے قدرت پیدا کی تو وہ قادر ہو گیا۔ نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی نہ کسی وقت وہ بے علم تھا یہاں تک کہ اس نے اپنے لئے علم پیدا کر لیا۔ تو وہ عالم ہو گیا نہ ہم یہ کہتے ہیں جس میں قدرت نہ ہو وہ عاجز ہے یا جس میں علم نہ ہو وہ جاہل ہے لیکن ہاں یہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ ہمیشہ سے عالم، قادر اور مالک ہے اللہ نے ایک کافر کا ذکر کیا ہے جسکا نام ولید بن مغیرہ مخزومی تھا۔ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ ذَرْنِیْ

وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا۔ یعنی تم مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے۔ حالانکہ جسے اللہ نے اکیلا فرمایا ہے اسکی دو آنکھیں تھیں دو کان تھے۔ ایک زبان تھی دو ہونٹ تھے دو ہاتھ تھے دو پیر تھے اور بہت سے جوارح تھے۔ لیکن باوجود ان جمیع صفات کے اللہ نے اُسے وحید فرمایا۔ یعنی اکیلا بس اسی طرح اللہ بھی ہے وہ اپنی جمی صفات کے ساتھ الہ واحد ہے۔ دوسرے یہ مذکور قول اشعری کا نہیں ہے۔ نہ اُن کے جمہور موافقین کا ہے بلکہ یہ قول ان میں سے حال ثابت کرنے والوں کا ہے۔ یعنی جو یہ کہتے ہیں کہ عالم ہونے کی علت علم ہے۔ یہ لوگ علم کو ایسی چیز قرار دیتے ہیں جسکو دوسرا حال ثابت کرتا ہے وہ حال علم نہیں ہے بلکہ وہ عالم ہوتا ہے یہی قول قاضی ابوبکر بن طیب اور قاضی ابویعلی کا اور پہلا قول ابوالمعالی کا ہے۔ باقی صفات ثابت کرنے والوں میں جمہور کا قول یہ ہے کہ عالم علم ہونے ہی کو کہتے ہیں۔ یا علیم عالم ہوتا ہی ہے۔ ان کا قول ہے کہ عالم بغیر علم کے نہیں ہوتا نہ قادر بغیر قدرت کے ہوتا ہے یعنی جسے علم نہ ہو وہ عالم نہیں ہوسکتا اور جس میں قدرت نہ وہ قادر نہیں ہوسکتا اسی طرح جس میں حیات نہ ہو وہ حی نہیں ہوسکتا اس میں شک نہیں کہ یہ بات بداہتہً سب کو معلوم ہے کہ اسم فعال کا وجود بغیر مصدر کے ہونا ممتنع ہے۔ اسکی بعینہ یہ صورت ہے جیسے کوئی کہے کہ بغیر نماز کے نمازی ہے یا بغیر روزہ رکھے روزہ دار ہے یا بغیر نطق کے ناطق ہے یہ سن کے اگر کوئی یہ کہے کہ ہاں یہ درست ہے کہ ناطق بغیر نطق کے اور نمازی بغیر نماز کے نہیں ہوسکتا۔ تو اسکی یہ مراد نہیں ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں. ایک نماز دوسری وہ حالت جسکی نماز علت ہے بلکہ اسکی مراد یہ ہے کہ نمازی کے لیے نماز کا ہونا ضروری ہے. ان لوگوں نے صفات کی نفی کرنے والوں کے قول کا انکار کر دیا ہے جو کہتے ہیں اللہ بغیر حیات کے حی ہے. بغیر علم کے عالم ہے اور بغیر قدرت کے قادر ہے اب جس نے اللہ کو بذاتہ حی، علیم اور قادر کہا اس کا مطلب اس کہنے سے یہ ہے کہ اسکی ذات، اسکی حیات، اسکے علم اور اس کی قدرت کو مستلزم ہے وہ ان چیزوں میں کسی غیر کا محتاج نہیں ہے۔ یہی قول صفات کے ماننے والوں کا ہے جو صفات کی نفی کرنے والوں کے قول سے انکاری ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس قول کی اصل اور بنا مثبتین صفات کا قول ہے اور اس میں اشعریہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ سوائے فرقہ جہمیہ کے مسلمانوں کے کل فرقوں کا یہ

قول ہے حتی کہ معتزلہ اوران کے موافقین شیعہ کا بھی اس پر صادر ہے اسکے علاوہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ یہی قول قدماء امامیہ کا ہے۔اب اگر یہ غلط ہے تو امامیہ کے قدیم ائمہ اس غلطی کے مرتکب ہوئے اور اگر صحیح ہے تو اِن کے متاخرین غلطی پر ہیں. چوتھے شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ انہوں نے بہت سے قدیم ثابت کردیئے ایک مجمل سی بات ہے۔جس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ سنیوں یعنی مسلمانوں نے قدیم ہونے میں بہت سے معبود مان لیے ہیں اور وہ اللہ کے ساتھ بہت سے متفصلہ قدیمہ ثابت کرتے ہیں۔حالانکہ انہوں نے اللہ کے لیے ایسی کامل صفات ثابت کی ہیں جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔مثلاً حیات، علم اور قدرت، اب اگر تم یہ کہو کہ انہوں نے اللہ کے سوا بہت سے معبود ثابت کر دیئے ہیں یا ایسے موجودات قدیمہ ثابت کئے ہیں جو اللہ سے منفصل ہیں تو یہ ان پر بہت بڑا بہتان ہے۔ممکن ہے کہ ان طعن وتشنیع کرنے والوں کا یہ مقصود نہ ہو لیکن ان کے لفظوں سے یہ وہم ضرور پیدا ہوتا ہے۔ہاں اگر تم یہ کہو کہ مسلمانوں نے اللہ کے لیے ایسی صفات ثابت کی ہیں جو اسکے ساتھ قائم اور اسکی قدامت کے سبب قدیم ہیں اور وہی صفات کمال ہیں. مثلاً حیات، علم، قدرت تو یہ بے شک حق ہے.اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا. ہاں مجنون اور لایعقل کا کچھ کہنا نہیں. غرض جو شخص ان صفات کا انکار کرے اور یہ کہے کہ اللہ بغیر حیات کے حی ہے بغیر علم کے عالم ہے.اور بغیر قدرت کے قادر ہے تو اس کا قول ظاہر البطلان ہے.اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ کا علم ہی قدرت ہے۔اور اسکی قدرہی اسکا علم ہے یا یہ کہے کہ اللہ ہی علم اور قدرت ہے تو اس نے موصوف کو صفت ٹھہرادیا۔حالانکہ صفت دوسری چیز ہے۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ صفات کی نفی کرنے والوں کے اقوال میں خواہ وہ فلاسفہ ہوں یا معتزلہ اس قسم کی جتنی باتیں پائی جاتی ہیں اِن کا فقط تصور ہی کرنا ان کی خرابی کو ظاہر کرتا ہے۔ہم اِن کے خیالات کی وسعت کو اچھی طرح جانتے ہیں بیشک انہوں نے اپنے علم کے زور سے بہت کچھ فلسفہ کی نیک صورت پیدا کی۔ منطق کو جلادی یہ سب کچھ کیا فلسفہ اور منقط کے مالک بن گئے مگر کیا بغیر معرفت اور خدا پرستی کے وہ باری تعالیٰ کے راز سمجھ سکتے ہیں۔استغفر اللہ۔یہ کبھی نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت منطق کی خاص ایجاد کردہ اصطلاحیں اور فلسفہ کے مفروضہ اصول نہیں بیان کرسکتے. سچ ہے ”قدر ایں بادہ

ندانی بخدا تانہ چشی'' ہم نے اپنے شیعی علماء کو ان ہی ہتھیاروں سے جواب دیا ہے جن ہتھیاروں کو ہم پر وہ کام میں لائے تھے ورنہ ہمارا مسلک ہمیں فلسفہ اور منطق کی تاریک بھول بھلیوں میں نہیں ڈالتا بلکہ علوم متعارفہ سے اس نے ہمیں کام لینا سکھایا ہے اور ہم اسی سے الحمد اللہ کام لیتے ہیں مگر یہاں چونکہ منطق اور فلسفہ کی بحث ہے اور یاران نامہربان نے اسی سے نکتہ چینیوں کی بنیاد قائم کی ہے۔لہٰذا ہم نے بھی ان ہی اصول سے جواب دیا ہے آئندہ بھی یہی اصول ہمارے جوابات کی بنیاد ہوں گے انشاء اللہ۔

پانچویں شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے اللہ کے ساتھ بہت سے قدیم ٹھہرا دیئے ہیں ٹھیک نہیں ہے کیونکہ صفات ثابت کرنے والوں کے نزدیک اسم اللہ کے مسمی سے یہ معانی خارج نہیں ہیں. بلکہ وہ کبھی کہتے ہیں یہ صفات زاد سے علیحدہ ہیں۔اس ذات سے جو صفات مجرد ہے نہ کہ اس ذات سے جو صفات کے ساتھ متصف ہے۔اور اسم اللہ اس ذات متصفہ بالصفات میں ملا ہوا ہے۔وہ فقط ذات مجرد کا اسم نہیں ہے۔تا کہ وہ یہ کہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ بہت سے قدیم ثابت کرتے ہیں۔وہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔حالانکہ اس کہنے کو بھی جائز نہیں رکھتے کہ صفت موصوف کا غیر ہے پھر وہ کیونکر کہہ سکتے ہیں. کہ صفات اللہ کے ساتھ ہیں بلکہ مثبتین صفات میں سے ایک فرقہ مثلاً ابن کلاب فقط صفات میں یہ نہیں کہتا کہ وہ قدیم ہیں بلکہ وہ کہتا ہے کہ اللہ مع اپنی صفات کے قدیم ہے. چھٹے پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے اللہ کو اسکے عالم ہونے کی صفت کے ثبوت کا محتاج کر دیا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض تو مثبتین حال کے قول پر ہو سکتا ہے نہ کہ جمہور اہل سنت پر کیونکہ جمہور کے نزدیک اللہ کا عالم ہونا ہی علم ہے اور اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جائے کہ اللہ اپنے عالم ہونے میں اِس علم کا محتاج ہے جو اسکی ذات کے لیے لازم ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں کیا جاتا کہ وہ اپنے غیر ذات کا محتاج ہے کیونکہ اسکی ذات ہی میں علم ہے اور اس علم سے وہ عالم بن سکتا ہے۔جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ان دونوں چیزوں کی اصل باعث اسکی ذات ہے اور جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ ذات نے دو چیزوں کو ثابت کر دیا ہے۔تو یہ ان میں سے ایک کو ثابت کرنے سے بڑھ چڑھ کے ہے۔اس صورت میں کہ جب ان میں سے ایک ناقص نہ ہو. یہ ہر شخص جانتا ہے کہ علم بھی کمال ہے اور اللہ کا عالم ہونا بھی کمال ہے پس

جب ذات نے اِسے اور اُسے دونوں کو ثابت کر دیا تو یہ بعینہ ایسا ہوا کہ وہ حیات اور قدرت کو ثابت کر دے. ساتویں شیعی علماء کا یہ قول کہ سنیوں نے اللہ کو اسکے عالم ہونے میں ایک صفت کے ثابت ہونے کی طرف مفتقر کر دیا. جس کا نام علم ہے اسکا جواب ملاحظہ ہو یہ بالکل مختل عبارت ہے کیونکہ لفظ افتقار سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یا اللہ تعالیٰ ایسی شے کا محتاج ہے جو اسے عالم کر دے یا جو اسے علم کا فائدہ حاصل کرا دے۔ مگر یہ محض غلط ہے کیونکہ علم کا ثبوت تو بطریق لزوم لذاتہ ہے یعنی اسکے علم کا موجب اور باعث اسکی ذات ہی ہے اور کوئی چیز نہیں ہے علی ھذا القیاس اس کے عالم ہونے کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اور جو شخص ان دونوں صفتوں کو ثابت کرتا ہے اُس کا قول یہ ہے کہ جب تک اللہ کو علم نہ ہو وہ عالم نہیں ہوتا حالانکہ وہ عالم قطعاً ہے۔ اور یقیناً ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسے علم بھی ضرور ہے غرض کہ وہ اُس سے استدلال کی قسم ٹھہراتا ہے۔ اور اللہ کے عالم ہونے سے اسکے علم پر استدلال لاتا اور کہتا ہے کہ اسے اسکی ذات ہی نے ثابت کیا ہے نہ یہ کہ یہاں ذات کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ جو اللہ کو عالم بناتی اور اُس کے لیے علم ثابت کرتی ہے۔ اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ذات نے علم کو کسی واسطہ سے ثابت کیا ہے تو بھی کوئی ہرج نہیں ہے کیونکہ موجب کا موجب، موجب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ذات نے اس کے حی ہونے کو ثابت کیا ہے حیات علم کی شرط ہے لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ اپنے عالم ہونے میں کسی غیر کا محتاج ہے۔ کیونکہ یہ امور جو آپس میں ایک دوسرے کی شرط ہیں سب اسکی ذات کے لوازم میں داخل ہیں۔ اِن کے ثبوت میں کسی غیر کی احتیاج نہیں ہوتی۔ آٹھویں شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے اللہ کو قادر لذاتہ نہیں رکھا بلکہ چند معانی قدیمہ کی وجہ سے قادر ٹھہرایا ہے۔ وغیرہ وغیرہ اگر شیعی علماء اس سے یہ مراد ہے کہ سنی اللہ کی ذات کو علم اور قدرت نہیں ٹھہراتے یا باوجود اُسے علم اور قدرت نہ ہونے کے ذات کو عالمہ اور قادرہ نہیں کہتے سو یہ بیشک صحیح ہے اور یہی عین حق ہے. اگوا گر انکا مطلب یہ ہے کہ سنی اللہ کی ذات کو عالم و قادر ہونے کا موجب نہیں ٹھہراتے تو یہ ان پر کھلا ہوا اتہام ہے. سنیوں کے نزدیک تو اللہ کی ذات ہی اس کا موجب ہے اسی طرح وہ اس کے حی ہونے کو اسکے ہونے اور عالم ہونے کا موجب سمجھتے ہیں۔. کیونکہ جب تک وہ حی نہ ہو عالم نہیں ہو سکتا

اسی طرح جب تک اُسے علم نہ ہو وہ عالم نہیں ہوسکتا۔نویں شیعی علماء کا پھر یہ فرمانا کہ سنیوں نے اللہ کو عالم لذاتہ اور قادر لذاتہ نہیں رکھا.وغیرہ.اگر اس سے شیعی علماء کی یہ مراد ہے کہ سنیوں نے اللہ کو اس ذات کی وجہ سے جو علم اور قدرت سے مجرد ہے عالم اور قادر نہیں ٹھہرایا جیسا صفات کی نفی کرنے والے کہتے ہیں کہ اللہ ایک ذات مجرد عن الصفات ہے سو یہ درست ہے کیونکہ جو ذات علم اور قدرت سے مجرد ہے خارج میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے نہ وہ ذات اللہ ہے نہ وہ عبادت کی مستحق ہے۔اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ سنیوں نے اللہ کو اسکی ذات کی وجہ سے عالم وقادر نہیں ٹھہرایا جو علم اور قدرت کو مستلزم ہے تو یہ بالکل غلط اور صریح جھوٹ ہے۔کیونکہ سنیوں کے نزدیک اسکی اصل ذات ہی علم وقدرت کا موجب ہے.انہوں نے اس کے عالم وقادر ہونے کو اور اس کے علم وقدرت کو ثابت کیا ہے کیونکہ یہ سب امور متلازم ہیں اور اللہ کی ذات ان صفات کے ساتھ متصف ہے وہی اِن سب کا موجب ہے چنانچہ اس میں وہ کسی غیر چیز کا محتاج نہیں ہوتا.دسویں شیعی علماء کا پھر یہ کہنا کہ سنیوں نے اللہ کو محتاج،ناقص فی ذاتہ کامل بغیرہ کر دیا ہے بالکل غلط ہے کیونکہ اللہ وہی ذات ہے جو ان صفات سے موصوف ہے یہاں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے ان صفات کی طرف احتیاج ہونی ممکن ہو۔اور پھر اُسے احتیاج یا غنا سے موصوف کر سکیں.اللہ کی ذات ان صفات کو مستلزم ہے اور یہ صفات جو اس موصوف ذات کے لیے ملزوم ہیں ان کا تحقیق بغیر ذات کے کبھی نہیں ہوسکتا۔تاکہ یہ کہا جاسکے کہ اللہ محتاج ناقص ہے بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ وہ ذاتِ مجرد بیشک ان صفاتِ کمال سے علیحدہ ہے لیکن وہ ذات نہ اللہ ہے نہ خارج میں اس کی کوئی حقیقت ہے.اس کے علاوہ وہ ان صفات پر متکلمین غیر کا لفظ اطلاق نہیں کرتے.

گیارہویں پھر شیعی علماء کی یہ گوہر افشانی کہ نصاریٰ صرف اتنے کہنے سے کافر ہوگئے کہ قدیم یعنی ہمیشہ رہنے والے تین ہیں مگر ان کے مقابلہ میں اشاعرہ نے نو قدیم ثابت کر دیئے ہیں اس پر وہ مسلمان کے مسلمان بنے رہے اور کافر نہیں ہوئے یہ محض غلط اور مطلق باطل ہے یہ کون کہتا ہے کہ نصاریٰ تین قدیم ماننے پر کافر قرار پائے ہیں۔(لاحول ولاقوۃ)اللہ تعالیٰ تو ان کے کافر ہونے کی یہ وجہ بتاتا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّآ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَإِنْ لَّمْ

یَنْتَهُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ لَیَمَسَّنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ. اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. مَاالْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ. (المائدہ:۷۳تا۷۵) یعنی بیشک جن لوگوں نے کہا اللہ تین میں تیسرا ہے وہ کافر ہو گئے اور بے شک ایک معبود کے سوا اور کوئی معبود نہیں اگر یہ لوگ جو کہتے ہیں اس سے باز نہ آئیں گے تو بیشک جو لوگ ان میں سے کافر ہیں انہیں درد دینے والا عذاب پہنچے گا۔ یہ لوگ اللہ کی طرف کیوں نہیں رجوع کرتے اور اس سے بخشش نہیں چاہتے. اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے مریم کے بیٹے مسیح کچھ نہ تھے مگر رسول بیشک اِن سے بھی پہلے رسول ہو چکے ہیں۔ اور ان کی ماں ایک صدیقہ تھیں۔ دونوں (ماں بیٹے) کھانا کھاتے تھے (پھر یہ خدا کیسے ہوسکتے ہیں) اِس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ نصاریٰ اِس کہنے کی وجہ سے کافر ہوئے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا کہ ایک معبود کے سوا کوئی معبود نہیں یہ نہیں فرمایا کہ ایک قدیم کے سوا اور کوئی قدیم نہیں پھر اسکے بعد مسیح اور ان کی والدہ کا ذکر کیا گیا کیونکہ یہی وہ دونوں ہیں۔ جنہیں نصاریٰ نے اللہ کے سوا معبود ٹھہرایا تھا۔ اسی مضمون کو دوسری آیت میں اللہ نے اپنے قول سے یوں بیان کیا ہے۔ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ. یہ آیت پہلی آیت کی سیاق کے بالکل موافق ہے اور اس میں یہ بیان ہے کہ جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے ان کا یہ مطلب تھا کہ اللہ تین معبودوں میں کا تیسرا معبود ہے یعنی اللہ، مسیح، والدہ مسیح. قرآن مجید میں نہ قدماء ثلثہ کا کہیں ذکر ہے نہ صفات ثلثہ کا بلکہ قرآن کے اندر اسماء الٰہی میں لفظ قدیم کا بھی ذکر نہیں ہے یہ معنی اگرچہ صحیح ہیں لیکن ہمارا مقصود فقط یہ بیان کرنا ہے کہ جب شیعی علماء کا خیال ہے اِس بناء پر نصاریٰ کو اللہ تعالیٰ نے کافر نہیں کہا. بارھویں اب بحث کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمایئے. ہم مان لیتے ہیں کہ نصاریٰ اس کہنے کی وجہ سے کافر ہوئے تھے کہ اللہ تین قدیموں میں کا ایک قدیم ہے۔ لیکن قائلین صفات تو یہ بھی نہیں کہتے کہ اللہ نو قدیموں میں کا ایک قدیم ہے بلکہ ان کے نزدیک فقط اللہ کے اسم میں کل صفات آ گئیں اسکی صفات اسکے مسمی اسم سے خارج نہیں ہیں دیکھو

جب کسی نے یہ کہا کہ میں اللہ پر ایمان لایا یا میں نے اللہ کو پکارا تو اسم اللہ کے مسمی میں اسکی کل صفات داخل ہیں. وہ ان پر یہ بھی اطلاق نہیں کرتے کہ یہ صفات اللہ سے غیر ہیں پھر وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نویں کا نواں یا تین میں کا تیسرا ہے. تیرھویں شیعی علماء نے صفات باری عزاسمہ کا حصر صرف آٹھ میں کر دیا ہے۔ اگر چہ اشعریہ وغیرہ میں سے بعض متکلمین صفات بھی اسکے قائل ہیں. لیکن جماہیر متکلمین اور ائمہ اشعریہ کے نزدیک ٹھیک بات یہ ہے کہ صفات آٹھ میں منحصر نہیں ہیں بلکہ انکا یہ عقیدہ ہے کہ بندے صفات کا انحصار کسی عدد میں کر رہی نہیں سکتے. ایسی صورت میں شیعی علماء کا ان کی طرف سے یہ نقل کرنا کہ اللہ نویں کا نواں ہے. صاف باطل ہے۔

حشویہ مشبہ اور شیعی علماء: شیعی علماء فرماتے ہیں. جماعت حشویہ مشبہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی ایک ایسا ہے جسم میں طول عرض، اور عمق تینوں چیزیں ہیں. اس سے مصافحہ ہو سکتا ہے. ساتھ ہی وہ یہ کہتے ہیں کہ نیک آدمی دنیا ہی میں اس سے معانقہ کرتے ہیں. (پھر بقول شیعی علماء) کعبی نے بعض حشویہ سے حکایت کی ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کے دیکھنے کو جائز کہتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ ان کی زیارت کرتا ہے اور وہ اللہ کی زیارت کرتے ہیں. داؤد ظاہری سے مروی ہے (بقول شیعی علماء) میرا معبود ایک جسم ہے. اس میں گوشت خون سب جوارح اعضاء، جگر، پیر، زبان، آنکھیں اور کان وغیرہ سب کچھ نہیں اس کے گھنگھریلے بال بھی ہیں ان کا یہ بھی قول ہے کہ خدا کی دونوں آنکھیں دکھنے آ گئیں تھیں فرشتے اسکی عیادت کے لیے آئے تھے. طوفانِ نوح پر وہ اس قدر رویا تھا کہ اسکی دونوں آنکھیں آشوب کر آئی تھیں عرش ہر طرف سے چار اُنگل اس سے بچا رہتا ہے فقط (شیعی علماء کا طعن ختم ہوا)

جواب: اور یہی عقاید یا خیالات کہ اللہ تعالی جسم ہے اور اس میں طول، عرض، عمق تینوں ہیں اسلام میں سب سے پہلے شیوخ امامیہ اسکے قائل ہوئے ہیں. مثلاً ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم وغیرہ کا بھی یہی مذہب تھا. الملل والنحل میں کل فرقوں کے ناقلین کا اس پر اتفاق مذکورہ ہے. ابوعیسی وراق، زرقان ابن النوبختی ابوالحسن، ابن حزم اور ابن الشہر ستانی وغیرہ سب یہی کہتے ہیں ان کے اقوال معتزلہ، شیعہ

،کرامیہ، اشعریہ، اوراہل حدیث وغیرہ کی کتابوں میں موجود ہیں. وہ کہتے ہیں سب سے پہلے اللہ کو مجسم ہشام بن حکم نے کہا ہے یہ باتیں بلکہ ان سے بھی زیاد قبیح شیعی علماء سے بہت سے لوگوں نے نقل کی ہیں. خود شیعوں نے مقالات کی کتابوں میں اشعری وغیرہ کی ذکر کردہ باتیں ابن سمعان سے نقل کی ہیں جسکی طرف غالیہ شیعوں میں سے بیانہ فرقہ منسوب ہے. اسکا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالی انسان کی صورت ہے اسکی شکل ہی شکل تو سلامت رہے گی. باقی اسکے دوسرے اعضاء ہلاک ہو جائیں گے. بیان نے یہ دعوی کیا تھا کہ جب میں زہرا ستارے کو پکارتا ہوں تو وہ میری آواز سنتا اور مجھے جواب دیتا ہے یہ بات میں ایک اسم اعظم کے ذریعہ سے کرتا ہوں. اس شخص کو اسکی نامزخرافات کی بناء پر خالد عبداللہ قسری نے قتل کر دیا تھا. اکثر شیعہ اس بیان بن سمعان کی نبوت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں. ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنیفہ نے اسکی نبوت پر نص کردی تھی. اور اسے امام بھی مقرر کر دیا تھا. شیعہ کہتے ہیں کہ مغیریہ یعنی مغیرہ بن سعید کا یہ قول ہے کہ بیان بن سمعان اپنے کو نبی کہتا تھا اور اس کا دعوی تھا کہ میں اللہ کا اسم اعظم جانتا ہوں میرا معبود ایک نورانی آدمی ہے. اس کے سر پر تاج ہے اس کے کل اعضاء آدمی کے سے ہیں. اس کے پیٹ اور دل ہے. جس سے حکمت جاری رہتی ہے. میں اسم اعظم سے مردہ کو زندہ کر دیتا ہوں وغیرہ وغیرہ. شیعوں کا قول ہے کہ اس نے لوگوں کو بہت سے عجائبات اور خوارق عادات دکھائے تھے. اور ان سے اللہ کے آغاز کی کیفیت بیان کرتا اور کہتا تھا کہ پہلے اکیلا تھا. اس کے ساتھ کوئی نہ تھا جب اس نے ان چیزوں کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اپنا اسم اعظم پڑھا. اس سے یہ مخلوق پیدا ہوگئی اسی وقت سے اسکے سر پر تاج رکھا گیا. اللہ کے قول سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى کے یہی معنی ہیں. اس کے علاوہ شیعہ علماء نے بیان کی اور بھی بہت سی باتیں ذکر کی ہیں جن کا مفصل لکھنا یہاں غیر ضروری ہے اب سنئے علماء نے فرقہ خطابیہ یعنی ابوالخطاب بن ابی ذئب کے معتقدوں سے یہ نقل کیا ہے کہ کل ائمہ انبیاء اور اللہ کے رسول خلقت پر اسکی حجت ہیں ان میں سے دو رسول ہمیشہ رہتے ہیں. ایک ناطق یعنی گویا. دوسرا صامت یعنی خاموش. ناطق محمد ہیں. اور صامت علی ہیں. ان سب کی طاعت اب بھی ساری مخلوق پر فرض ہے جو کچھ ہو چکا ہے اور ہونے والا ہے وہ سب کو جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ائمہ ہی خدا ہیں.

بلکہ اپنے لیے بھی ایسا ہی خیال رکھتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ ابوالخطاب کی طاعت فرض کر دی ہے. یہ بھی کہتے ہیں کہ حسین کی اولاد اللہ کے بیٹے اور اُس کے دوست ہیں. اور پھر اپنے لئے بھی یہی دعوے کرتے ہیں. اور ملاحظہ فرمایئے بزھیہ رافضی کہتے ہیں کہ جعفر بن محمد ہی ہے. وہ ایسا نہیں ہے جو آنکھوں سے نظر آئے اس لیے اس نے جعفر میں حلول کیا ہے اور اپنی ظاہری صورت میں وہ آدمیوں کا مشابہ ہے اِن کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کل محدثین کے دلوں میں وحی ہوتی ہے اور ہر مومن کی طرف وحی کی جاتی ہے. اشعری لکھتا ہے کہ رافضی سلمان فارسی کے خدا ہونے کے بھی قائل ہیں. اور نشاک میں بعض صوفیہ حلول کا عقیدہ رکھتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کہ اللہ تعالیٰ آدمیوں میں حلول کرتا ہے. یہ لوگ جو حلول کے قائل ہیں جب کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اُس سے خوش ہوتے ہیں. اسکی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں کیا معلوم شاید اللہ اس میں حلول کر رہا ہو. شرائع کی انہیں زیادہ پروا نہیں ہے. ان کا قول ہے کہ انسان پر کوئی چیز فرض نہیں ہے. نہ اس پر اس وقت عبادت لازم ہے. جب اللہ اس میں حلول کر چکا. جب وہ خود خدا بن گیا تو پھر عبادت کس کی کرے گا. بعض غالیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ وہ روح القدس ہے جو محمد میں تھی. اِن کے بعد اس روح القدس نے علی میں حلول کیا. حسن، حسین، علی بن حسین، محمد بن علی جعفر بن محمد، موسیٰ بن جعفر، علی بن موسےٰ جعفر، محمد بن علی موسے، حسن بن محمد بن علی، محمد بن حسن بن علی بن محمد میں حول کیا ان سب کو یہ لوگ خدا سمجھتے ہیں. اِن میں سے ہر ایک بقاعدہ تناسخ ایک خدا ہے اِس خدا کے رکھنے والے امامیہ اثنی عشریہ میں سے ہیں اور سنئے غالیہ میں ایک فرقہ ہے جسکا یہ عقیدہ ہے کہ علی ہی اللہ ہے اس فرقہ والے حضور انور رسول اللہ ﷺ کو جھٹلاتے اور برا بھلا کہتے ہیں. وہ برملا کہتے ہیں کہ اصل میں نبی علی تھے. لیکن محمد نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کر لیا. اور علی بیچارے نبوت سے مرحوم کر دیئے گئے وجہ یہ ہوئی کہ علی نے محمد کو اپنی نبوت کی اشاعت کے لیے مقرر کیا تھا وہ خود نبی بن بیٹھے (عیاذاً باللہ) غالیہ کے ایک اور فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ نے کل امور محمد کو سونپ دیئے ہیں اُس نے انہیں دنیا کے پیدا کرنے پر قادر کر دیا تھا. چنانچہ دنیا کو محمد ہی نے پیدا کیا اور انہوں نے ہی اسکا انتظام بھی کیا تھا اللہ نے دنیا کی کوئی چیز پیدا نہیں کی. اِن میں سے اکثر لوگ یہی باتیں

حضرت علی کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں انکا عقیدہ ہے کہ ائمہ شرائع کو منسوخ کر سکتے ہیں ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں ان سے بڑے بڑے معجزے صادر ہوتے ہیں ان کی طرف وحی کی جاتی ہے اِن میں سے بعض ابر کو جب آسمان پر دیکھتے ہیں تو سلام کرتے ہیں ۔ اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس ابر میں علی ہوتے ہیں. اشعری نے اِن کی بابت جو کچھ نقل کیا ہے یہ اسکا عشر عشیر سمجھنا چاہیے اب سنئے نصیریہ شیعوں کا حال یہ غلاۃ میں سے ہیں اسماعیلیہ ان کی ایک شاخ ہے جسے تمام علماء نے متفق اللفظ ملحد اور کافر کہا ہے نصریہ، جو کچھ کلمہ پڑھتے ہیں وہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں ہے بلکہ انکا کلمہ یہ ہے۔

"اشھدان لا الہ الا حیدرۃ الا نزع البطین" "اشھدان لا الہ الا سلمان ذوالقوۃ المتین"

ان کا عقیدہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں تیس دن جو شمار کیے جاتے ہیں. یہ اصل میں تیس آدمیوں کا نام ہے روزے کوئی چیز نہیں ہیں غرض یہ ہے کہ اس قسم کی بہت سی لغو اور مہمل باتیں ان میں رائج ہیں. جن کا بیان کرنا غیر ضروری سمجھتے ہیں. جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے ان کے عقائد اور اسلام کے سمجھنے کے لیے یہی کافی ہے. دوسرا جواب یہ ہے کہ شیعی عقاید کی جو باتیں اشعری نے نقل کی ہیں یہ ان ہی کی ذات کیساتھ خصوصیت رکھتی ہیں. سنیوں میں کوئی فرقہ ایسا نہیں ہوا جس کے ایسے خیالات ہوں نہ امام ابوحنیفہ، نہ امام مالک، نہ امام شافعی، نہ امام احمد حنبل کے اصحاب میں نہ اہل حدیث میں نہ اہل الرائے میں. ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالی ایک طویل، عریض اور عمیق جسم ہے اس سے مصافحہ کرنا جائز ہے یا صالحین مسلمان اس سے معانقہ کرتے ہیں. اب اگر شیعی علماء کا مقصود جماعت حشویہ اور مشبہ سے یہ ہے کہ اس گروہ کے لوگوں نے خدا میں مذکور صفتوں کو قبول کر لیا ہے. تو یہ ان پر نرا جھوٹ ہے اِن فرقوں کی کتابیں موجود ہیں لیکن کسی کتاب میں بھی ایسے عقیدے نہیں لکھے گئے. بلکہ ان کے ائمہ جو علم میں مشہور ہیں اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ دنیا میں اللہ تعالی آنکھوں سے نظر نہیں آ سکتا بلکہ آخرت میں نظر آئے گا. جیسا کہ صحیح حدیث میں حضور انور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا. "واعلمو ان احد منکم لن یریٰ ربہ حتی یموت"

یعنی یاد رکھو تم میں سے کوئی مرنے سے پہلے اپنے اللہ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا ان میں سے

سب سے زیادہ شائع وذائع مذہب اہل سنت والجماعت ہی کا ہے کہ اللہ تعالی آخرت میں آنکھوں سے ضرور نظر آئے گا۔ جو اس انکار کرے وہ ان کے نزدیک بدعتی ہے جو لوگ ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ان میں سے بعض کا قول یہ ہے جنکے قول پر فتوے نہیں دیا جاتا ہاں ان کے ائمہ کا جنکے قول پر فتوے دیا جاتا ہے۔ یہ خیال نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ جب کسی جماعت کے عقیدہ پر نکتہ چینی کی جائے تو اسکے ان علماء کا قول نقل کرنا چاہیے جو مشہور ہیں۔ اپنی جماعت کے امام ہیں اور انہیں بطور اتھارٹی (مختار وذمہ دار) مانا جاتا ہے باقی یوں اوائی توائی کہہ دینا کہ فلاں گروہ کا یہ عقیدہ ہے اور فلاں جماعت کا یہ مذہب ہے علم وخبرت سے بعید ہے۔ جو اقوال مسلمانوں کے سر چپکے گئے ہیں یہ اصل میں سب سلف ائمہ کے اقوال ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ہر گروہ کا نام یا تو اسکے آدمیوں کے لحاظ سے ہوتا ہے یا اسکے افعال واحوال کے لحاظ سے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے۔ جیسے نجدات، ازارقہ، تجاریہ اور ضراریہ کہلاتے ہیں۔ اسی طرح رافضہ، شیعہ، قدریہ، مرجیہ اور خوارج وغیرہ کہا جاتا ہے۔ لیکن حشویہ کے لفظ میں نہ کسی معین شخص پر کوئی دلالت ہے اور نہ کسی خاص قول پر اس سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ حشویہ کون لوگ ہیں بعض علماو کا قول ہے کہ سب سے پہلے یہ لفظ عمرو بن عبید کی زبان سے نکلا تھا۔ اُس نے اثنائے گفتگو میں کہا تھا کہ عبداللہ بن عمر حشوی ہے جو لوگ یہ لفظ بولتے ہیں ان کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ عوام ہوتے ہیں جن میں باہمی ارتباط ہو۔ جیسے شیعہ مسلمانوں یعنی اہل سنت والجماعت کو مذہب الجمہور کہتے ہیں۔ پس اگر حشویہ سے شیعی علماء کی مراد ائمہ اربعہ کے اصحاب کا گروہ ہے تو ہم بلا تامل یہ شہادت دیتے ہیں۔ کہ ابو حنفیہ، شافعی، مالک، اور حنبل کے اصحاب میں یہ باتیں ہرگز نہیں پائی جاتیں بلکہ ان باتوں کا جو قائل ہو اسے وہ کافر کہتے ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں سے بعض میں کچھ باتیں پائی جاتی ہیں تو پھر یہ ان کے خصائص میں سے نہ ہونگی اس قسم کی باتیں تو اور بھی فرقوں میں موجود ہیں۔ اور اگر حشویہ سے شیعی علماء کی مراد علی الطلاق اہل حدیث ہیں خواہ وہ کوئی ہوں۔ تو اہل حدیث کا اعتقاد محض سنت ہی ہے کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ سے وہی اعتقاد ثابت ہوا ہے یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اہل حدیث میں سے کسی کے اعتقاد میں بھی مذکور باتوں میں سے کوئی بات نہیں

پائی جاتی. معتبر کتابیں اسکی شاہد ہیں. اور اگر شیعی علماء کی مراد حشویہ سے مطلقاً علی العموم اہل سنت والجماعت ہیں تو ان میں یہ اقوال کہیں معروف نہیں ہیں. جمہور الناس کا کسی پر یہ گمان نہیں ہے. کہ اسنے ایسا کہا ہو اور اگر عوام جہال میں سے کسی شخص کا ایسا یا اس سے بھی زیادہ عقیدہ ہو تو یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ ایک تنہا جاہل کیوجہ سے اسے اہل سنت والجماعت کا اعتقاد ٹھیرا کے ان پر عیب لگایا جائے. اور اُن کی دل آزاری کی جائے. گرفت کی تو یہ بات ہوتی ہے کہ ایک گروہ یا اسکے علماء اپنا کوئی اعتقاد ظاہر کیا ہو پھر اس پر نکتہ چینی کرنے کی اجازت ہے. جس طرح ہم نے شیعوں کے ائمہ کے اعتقادات اور ان کے اقوال نقل کیے ہیں اگر اسی طرح سنیوں کے علماء کے اقوال اور اعتقادات نام بنام نقل کیے جاتے تو اس وقت بات بن سکتی تھی۔ اور اب تو محض فضول کوشش کی گئی ہے۔ اور جو بہتان عظیم علماء اسلام پر اُٹھایا گیا ہے وہ الحمد اللہ ہمارے روشن دلائل سے بالکل نسیت و نابود ہو گیا. اب رہا مشبہ کا لفظ ہم یہ ہم علی الاعلان کہتے ہیں مشبہ اور اس کا اقرار کرتے ہیں کہ مالک، شافعی، ابوحنیفہ اور احمد کے وغیرہ کے اصحاب میں سے کل اہل سنت والجماعت اور اہل حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالی مخلوق کی مماثل سے بے شک منزہ ہے وہ ان مشبہ کی مذمت کرتے ہیں. جو صفاتِ خالق کو مخلوق کی صفات کے برابر قرار دیتے ہیں۔ ان سب کا اسپر اتفاق ہے کہ اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ نہ اسکی ذات میں نہ صفات میں اور نہ افعال میں سلفِ امت اور اسکے ائمہ کا طریقہ یہی ہے کہ وہ اللہ کو ان اوصاف ت سے موصوف کرتے ہیں. جن سے اللہ نے اپنے کو خود موصوف کیا ہے اور جن سے اسکے رسول نے اسے موصوف کیا ہے بغیر تحریف اور تعطیل کے بلا تکلیف اور تمثیل کے انکا یہ عقیدہ ہے کہ خداوند تعالی فرماتا ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ پس یہ مسئلہ پر بہت بڑا رو ہے۔ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ سے معطلہ کا رد ہے پس صفات میں میں ان کا قول واصولوں پر مبنی ہوا. ایک یہ کہ صفاتِ نقص سے اللہ تعالی مطلقاً منزہ ہے مثلاً اونگھ نیند، عجز اور جہالت وغیرہ دوسرے یہ کہ وہ علی وجہ الا ختصاص اُن صفاتِ کمال سے متصف ہے. جس میں کسی طرح کا کوئی نقص نہیں ہے لیکن صفات کی نفی کرنے والے ہر ایسے شخص کو مشبہ کہنے لتے ہیں. جو کسی صفت کو ثابت کرتا ہو یہاں تک کہ معطلہ مخصہ اور

باطنیہ جو اسماء آلہی کے نفی کرنے والے ہیں انہوں نے ایسے اشخاص کا نام جو اللہ کو اسماء حسنے سے پکارتے ہوں مشتبہ رکھ دیا ہے وہ کہتے ہیں جب ہم نے اللہ کو حی اور علیم کہا تو ہم نے احیاع العالمین کے برابر کر دیا اسی طرح جب ہم نے اُسے سمع اور بصیر کہا تو ہم نے اسکا درجہ سمیع وبصیر انسان کے برابر قرار دے دیا اور جب ہم نے رؤف ورحیم کہا تو اللہ تعالیٰ کو رؤف الرحیم کے مشابہ کر دیا۔ اِن لوگوں کا یہ بھی قول ہے کہ جب ہم نے یہ کہا کہ اللہ موجود ہے تو اس کہنے سے ہم نے اسے باقی موجودات کے برابر قرار دے دیا کیونکہ مسمیٰ وجود میں یہ دونوں مشترک اور برابر ہیں. جب کسی نے اِن لوگوں سے یہ کہا تم یہ کیوں نہیں کہتے اللہ نہ موجود ہے نہ حی ہے بھلا اس کہنے میں تامل کیوں کرتے ہو انہوں نے جواب دیا. کہ اگر ہم یہ کہیں گے تو اللہ کو معدوم کے مشابہ کر دیں گے مطلب یہ ہے کہ نہ یہ کہیں گے نہ وہ کہیں گے یعنی نہ اُسے حی کہیں گے اور نہ اُسے موجود سمجھیں گے. اِن میں سے بعض کا یہ قول یہ ہے کہ نہ اللہ موجود ہے نہ معدوم ہے نہ حی نہ میت اس پر ان سے یہ کہا جائے کہ تم نے اللہ کو ممتنع کے مشابہ کر دیا بلکہ خود اسی کو ممتنع ٹھیرا دیا کیونکہ جیسے دو نقیضوں کا جمع ہونا ممتنع ہے ایسا ہی دو نقیضوں کو مرتفع ہونا بھی ممتنع ہے. مثلاً جو شخص یہ کہے کہ اللہ موجود ہے اور معدوم ہے تو اِس نے دو نقیضوں کو جمع کر دیا. اور یہ کہے کہ نہ وہ موجود ہے نہ معدوم تو اسے دو نقیضوں کو رفع کر دیا یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں. پھر بھلا خیال تو فرمایئے کہ واجب الوجود ممتنع کیونکر ہوسکتا ہے. جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ نہ ہم یہ کہتے ہیں نہ وہ کہتے تو ان سے سوال ہوسکتا ہے کہ تمہاری یہ لاعلمی اور تمہارا یہ کہنا حقائق فِیْ اَنْفُسِهَا کو باطل نہیں کر سکتا بلکہ یہ ایک قسم کا سَفْسَطَهٗ یعنی دھوکا ہے سفط کی تین قسمیں ہیں ایک قسم تو یہ ہے کہ حقائق کو جان بوجھ کرانکا انکار کر دینا اس سے بھی بڑھ کر اس کا قول ہے جو موجود واجب قدیم خالق کی بابت یہ کہتا ہے نہ وہ موجود ہے نہ معدوم ہے ان لوگوں کا خود اپنے ہی اقوال میں تناقض ہے کیونکہ یہ عدم یقین پر یقین رکھتے ہیں سفسط کی دوسری قسم یہ ہے کہ جسے متجاہلہ لا اور یہ واقفہ کہتے ہیں. یعنی جان بوجھ کر ناواقف اور نادان بنا ایسے سفطہ کرنے والوں کا یہ قول ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ یہاں حقیقت اور علم ہے یا نہیں اس سے بھی زیادہ شخص کا قول ہے کہ جو کہتا ہے کہ میں جانتوں ہوں نہ کہتا ہو کہ اللہ موجود ہی یا

معدوم ہے یا زندہ ہے یا مردہ ہے۔ تیسری قسم اس شخص کا قول ہے جو حقائق کو عقائد کے تابع ٹھیراتا ہے اس لحاظ سے پہلا شخص حقائق کی بالکل نفی کرتا ہے دوسرا شخص توقف کرتا ہے اور تیسرا لوگوں کے گمانوں کے تابع ٹھیراتا ہے. چوتھی قسم کا اور بھی تذکرہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص کہے کہ عالم سیلان میں ہے اس کی کوئی حقیت ثابت نہیں ہوتی. اس قول کا ماحصل دل، زبان اور جوار کو اللہ کی معرفت اسکے ذکر اور اِسکی عبادت سے روکتا ہے پس یہ بطریق توقف اور امساک کے تعطیل اور کفر ہے اور بطریق نفی اور انکار کے کفر نہیں ہے. اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ محض ایک مغالطہ سے گمراہ ہوئے ہیں اور وہ مغالطہ انہیں تشبیہ کے لفظ میں پیدا ہوا ہے تشبیہ ایک ایسا لفظ ہے کہ اس میں ایک طرح کا اجمال پایا جاتا ہے کیونکہ ہر دو چیزوں میں ایک قدرے مشترک ہوتی ہے. جس قدرے مشترک میں یہ دونوں چیزیں متفق ہوتی ہیں لیکن یہ قدرے مشترک ہے جو متفق علیہ ہے خارج میں نہیں ہوتی بلکہ ذہن میں ہوتی ہے اور اس میں دونوں چیزیں کا مماثل ہونا ضرور نہیں ہوتا بلکہ اکثر اشیاء اس قدرے مشترک میں ایک دوسرے سے کم وبیش ہوتی ہیں. مثلاً مخلوقات میں سے جب تم نے دو چیزوں کی حی یا علیم، یا قدیر کہا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اِن میں سے ایک کی حیات ایک کا علم یا ایک کی قدرت بعینہ دوسرے کی حیات یا اسکا علم یا اس کی قدرت ہو اور نہ یہ لازم ہے کہ یہ دونوں ایسی چیز میں مشترک ہوں جو خارج عن الذہن ہو بس اسی سے ان لوگوں کی گمراہی کی ابتداء ہوتی ہے یا یا لفظ دیگر ہمیں سے یہ لوگ گمراہ ہوئے ہیں. اور اس سے وہ تشبیہ سمجھتے ہیں جس کی اللہ سے نفی کرنی ضروری ہے اسے نادانی سے ان لوگوں نے تعطیل محض کا ذریعہ ٹھیرالیا ہے. حالانکہ تعطیل تجسیم سے بھی بدرجہا بدتر ہے یعنی اللہ تعالی کو معطل و بیکار رکھنا اسکے جسم کہنے سے زیادہ برا ہے یہ مجسمہ اور مشبہ محض ایک بت کی پرستش کرتے ہیں اور اللہ کو معطل کہنے والے عدم کی پرستش کرتے ہیں. گویا یہ سمجھنا چاہیے کہ تمثیل کہنے والا اندھا ہے. اسی وجہ سے ان لوگوں کا امام جہم اور اسکے یار غار یہ کہتے تھے کہ اللہ کوئی چیز نہیں ہے. اس سے مروری ہے وہ کہتا تھا کہ اللہ کا ایسا نام ہرگز نہیں رکھا جا سکتا جو مخلوق کا رکھا جاتا ہو اسی لیے وہ سوائے خالق اور قادر کے اللہ کا کوئی نام نہ لیتا تھا. کیونکہ وہ جبریہ عقیدہ رکھتا تھا اسکا خیال یہ تھا کہ بندے میں کسی طرح کی

قدرت نہیں ہے. مسلمانوں کے عقائد کے بموجب اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالی کی مثل کوئی چیز نہیں ہے لیکن اِن کا مقصود سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ تشبیہ کی حقیقت اللہ سے منفی ہے یہ اَللّٰهُ لَيسَ كَمِثْلِهٖ شَيْئٌ. هَلْ تَعْلَمُوْنَ لَهٗ سَمِيًّا، وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ . فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ تشبیہ کے لفظ میں جیسا کہ اوپر لکھا گیا ایک قسم کا اجمال ضرور ہے. جس کی بحث بوقت ضرورت کسی اور موقع پر ہوسکتی ہے. فی الحال ہمیں یہ بتانا ہے کہ جسم، جوہر، تجہیز، اور جہت وغیرہ الفاظ اللہ کے حق میں نہ نفیاً ثابت ہیں اور نہ اثباتاً اسی طرح ان کی نفی یا ثبوت میں صحابہ اور تابعین سب کے سب خاموش ہیں. اسی طرح باقی ائمہ خواہ وہ اہل بیت سے ہوں یا نہ ہوں اِس معاملہ بالکل ساکت ہیں. یہ ان کی روشن ضمیری اور عقلمندی تھی. یہ بحثیں بالکل فضول ہیں اور سوائے وقت ضائع ہونے کے ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا. اس قسم کی بحثیں یہودی کیا کرتے تھے. اور اپنے قیاسات کی بنا پر انہوں نے ہزاروں باتیں تراش لی تھیں. خدا جسم رکھتا ہے یا نہیں. خدا سمیع وبصیر ہے یا نہیں یہ بحث ہی سرے سے فضول ہے. خدا کی معرفت منطق کے اصطلاحی الفاظ اور فسلفہ کے چند اصول موضوع کس طرح دریافت کر سکتے ہیں. جب کہ اسکے لیے ایک روشن اور باخبر کی ضرورت ہے جسے سالہا سال متوجہ ہونے کے بعد کچھ کچھ کھٹکا ہونے لگتا ہے. تم بالکل خدا کے ہو کے رہے جاؤ اسکی کل قوتوں کا تمہیں خود امتحان ہو جائے گا کہیں بحث ومباحثہ سے آج تک خدا کا پتہ لگا ہے. اللہ تعالی کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی حقیقت پر تو پردہ پڑا ہوا ہے اور اللہ کی حقیقت دریافت کرنے چلے ہیں. سب سے پہلے اِس مسئلہ میں نفیاً اور اثباتاً اہل کلام کی طرف سے بحث ہوئی ہے. نفاۃ میں جہمیہ اور معتزلہ نے اور مثبتین میں سے مجسمہ نے خواہ وہ رافضی ہوں یا غیر رافضی. اب سنیے! نفاۃ نے ان ساماء کی نفی کر کے اس نفی میں ان صفات کو بھی داخل کر لیا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے ثابت ہیں. مثلاً علم، قدرت، مشیت، محبت، رضا، غضب، اور علاوہ کہتے ہیں نہ اللہ دیکھتا ہے. نہ قرآن وغیرہ سے تکلم کرتا ہے اسکے متکلم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کسی جسم وغیرہ میں اُس نے کلام پیدا کر دیا ہے. مثبتین نے اس اثبات میں وہ امور بھی داخل کر دیئے ہیں جن کی اللہ اور اللہ کے رسول نے نفی کی ہے وہ یہاں

تک کہتے ہیں اللہ آنکھوں سے دیکھتا ہے. مصافحہ اور معانقہ کرتا ہے وہ زمین پر اترتا ہے عرفہ کی شام کو اونٹ پر سوار ہو کے نازل ہوتا ہے. وہ پیدل چلنے والوں سے گلے ملتا ہے اور سواروں سے مصافحہ کرتا ہے. بعض کہتے ہیں کہ وہ نادم ہوتا رنجیدہ ہوتا اور روتا ہے جیسے توریت میں لکھا ہے. کہ وہ دنیا پیدا کر کے پچھتایا بعض کہتے ہیں اللہ گوشت اور خون ہے وغیرہ ذلک یہ سب اس قسم کی باتیں ہیں جن سے خداوند تعالے میں انسانی خصائص تسلیم کی گئی ہیں. جن سے وہ ذات وحدہ، لاشریک یقیناً منزہ ہے وہ ہر نقص سے پاک اور غایاتِ کمال کا مستحق ہے. صفات کمال میں کوئی بھی اسکی مثل نہیں ہے وہ نقص سے اور کمال کے ہم مثل ہونے سے مطلقاً منزہ و مبرا ہے چنانچہ فرماتا ہے. "قُلْ ھُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ" اس سے یہ بیان کر دیا کہ اللہ احد اور صمد ہے. اس کے احد نام میں مثل کی نفی موجود ہے. اور صمد میں جمیع صفات کا احاطہ کر لیا گیا ہے. جل جلالہ و عم نوالہ.

اللہ ایک خوبرو لڑکے صورت میں:۔ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ بعض سنیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر جمعہ کی شب کو اللہ تعالی نوعمر لڑکے کی صورت میں گدھے پر سوار ہو کے زمین پر اترتا یہاں تک کہ بغداد میں ایک سنی نے اپنے کھوٹے پر کچھ چارا رکھ دیا کہ اللہ کا گدھا کھانے میں مشغول ہو جائے اور میں یہ ندا کرنے لگوں. هَلْ مِنْ تَائِبٍ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ.

(بقول شیعی علماء) اللہ کے حق میں ایسے رویہ عقائد جن سے اس کی ذات برتر ہے سُنیوں کے ہوتے ہیں شیوخ حشویہ میں سے ایک تارک دنیا کی حکایت ہے کہ ایک دن ایک شریر شخص اسکے پاس آیا. اس کے ساتھ ایک خوبصورت بے ریش و بروت گھونگر والے بالوں والا ایک لڑکا تھا یعنی اُس لڑکے میں وہ کل صفات تھیں جو یہ لوگ اللہ کی بیان کرتے تھے. شیخ نے اس لڑکے کو بڑے شوق و ذوق سے دیکھا. بہت خوش ہوئے اور اسکی بڑی تعریف کی. ہمراہی نے جب شیخ یہ کیفیت دیکھی تو اسے کچھ شبہ ہو گیا. وہ شب کو شیخ کے پاس اُس لڑکے کے کو لایا اور یہ کہا اے شیخ میں نے دیکھا کہ تم اس لڑکے کو بڑے شوق و ذوق سے اور بار بار دیکھتے تھے اور تمہاری رال ٹپکی پڑتی تھی اب میں تمہارے پاس اِس لرکے کو اسی لیے لیا ہوں. کہ اگر اس پر تمہاری طبیعت آ گئی ہے تو تم اسے رکھ لو.

تمہیں ہر قسم کا اس لڑکے پر اختیار ہے. یہ سن کے شیخ بہت برہم ہوا. مارے غصہ کے کانپنے لگا اور اُس شخص کو بہت جھڑکیاں دیں اور کہا کہ میں اس لڑکے کو اس ذوق وشوق سے اس لئے دیکھتا تھا کہ میرا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس لڑکے کی صورت میں نازل ہوتا ہے. پس مجھے یہ شبہ ہوا کہ کہیں خدا یہی نہ ہو اس پر اس بدمعاش نے کہا کہ میری یہ بدمعاشی تمہارے اِس زہد سے یقیناً اچھی ہے. شیعی علماء کا حملہ ختم ہوا۔

جواب: خیال تو فرمایئے کہ ان بادہوائی کہانیوں سے غضب خدا کا شیعی علماء مسلمانوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں. یہ علم ہے. یہ انصاف ہے اور یہ تحقیق ہے اِس قسم کی کہانیاں اگر صحیح بھی ہوں تو کیا چند جاہل اور عامی آدمیوں کے بیہودہ افعال سے کسی عظیم الشان مذہب کے روشن اصول پر نکتہ چینی ہوسکتی ہ؟ عقل باور نہیں کرتی کہ اِس قسم کا استدلال قابل توجہ ہو. ہاں جیسے کہ کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں ایسے ائمہ یا شیوخ کے عقاید یا اقوال جنکا مذہب قابل اعتبار ہو معرض بحث ہیں آسکتے ہیں جسطرح ہم شیعی جگاوی ائمہ کے اقوال اور مذہب سے برابر بحت کرر ہے ہیں. اسکے علاوہ جو حکایت اور پر نقل کی گئی ہے اسکے دو پہلو ہیں کیا تو یہ جھوٹ اور نرا افترا ہے جنھوں نے اہل بغداد اور بعض شیوخ پر نکتہ چینی کی ہے. انھوں نے اس قسم کی حکایتیں بنا کے ان کے سر منڈھ دی ہے اور اِن افترائی الزامات سے اپنے دلوں کے بخار نکالے ہیں اور اگر یہی صحیح ہے تو ایسے شخص سے جسکا قول و مذہب قابل نہ ہو کیونکر حجت قایم ہوسکتی ہے. لہٰذا ان دونوں تقدیر پر اہلسنت والجماعت میں کوئی بھی نقصان پیدا نہیں ہوسکتا. کیونکہ یہ بات ہر شخص پر ظاہر ہے کہ علماء معروفین بالسنہ میں کوئی عالم ایسا نہیں عالم ایسا جو ان خرافات کا قایل ہو. سوائے مجانین کے ایسی باتیں سمجھدار صغیر سن بچے بھی لغو اور بیہودہ سمجھیں گے. مگر سب سے زیادہ آپ تعجب کرینگے جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ بہت سی عجائب وغریب باتیں جو شیوخ امامیہ سے ثابت ہیں یقیناً ان کہانیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کے ہیں واللہ اس وقت انگشت بدنداں رہجائیں گے جب شیوخ امام کے منور چہرہ تحقیق سے نقاب اُٹھادی جائے گی. باقی رہی یہ حکایت جس کا سر نہ پیر. نہ شیخ کا نام نہ ان لوگوں کا نام جو لڑکے کی صورت میں کے نازل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں. کہیں بھی نہیں بیان کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکایت خود شیعی علماء کی ایجاد ہے. جسے واقعیت سے کچھ بحث

نہیں محض دل آزادی کے لیے ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں. یہ سب جانتے ہیں کہ بغداد میں ہر قسم کے علم کی کس قدر ترقی تھی جس کی داستانیں آج تک یورپ کی علمی مجلسوں میں بیان کی جاتی ہیں علم کے ایسے مرکز میں ایسے بیہودہ عقائید کا کوئی فرقہ یا جماعت ہونی عقل باور نہیں کرتی وہ لوگ ایسے فہیم، ذہین اور طباع تھے کہ ان میں ایسی باتیں ہرگز رائج نہیں ہوسکتی تھیں. اس کے علاوہ اِس قصے کے جھوٹ ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ صحیح اسناد سے اس ناپاک قصے کو کسی نے ذکر نہیں کیا. نہ محدثین میں سے کسی نے اسکا بیان کیا ہے کہ اللہ تعالی جمعہ کی شب کو نازل ہوتا ہے. نہ یہ کہ وہ امرد کی صورت میں نازل ہوتا ہے آثارِ صحابہ میں بھی ایسی خرافات کا کہیں پتہ نہیں لگتا نہ صحیح احادیث میں اِس قسم کی بیہودہ باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اسکے متعلق یعنی اللہ تعالیٰ کے زمین پر نازل ہونے کے بیان میں جتنی روایتیں آئی ہیں سب موضوع اور جھوٹی ہیں مثلاً یہ حدیث کہ عرفہ کی شام کو اللہ تعالی زمین پر اترتا ہے. پیدل چلنے والوں سے معانقہ اور سواروں سے مصافحہ کرتا ہے اسی طرح دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اللہ کو طواف کرتے ہوئے دیکھا پھر ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اللہ کو بطاء مکہ میں دیکھا اِس قسم کی کل حدیثیں بالکل جھوٹی اور موضوع ہیں. اور اس پر سب محدثوں کا اتفاق ہے. جن لوگوں نے اِن حدیثوں کو وضع کیا ہے وہ درحقیقت اسلام کے دشمن تھے اور انہوں نے محدثین کو بدنام کرنے کے لیے ایسی حدیثیں گھڑلیں تا کہ دیکھنے والا یہ سمجھ لے کہ محدثین ایسی حدیثیں ذکر کیا کرتے ہیں شیعی علماء نے جو کچھ بیان کیا ہے اُسے دیکھنے کے بعد اِن جھوٹی اور موضوع حدیثوں کی بھی کوئی وقعت نہیں رہتی اس کا حال تو بس کچھ نہ پوچھو تمام مسلمانوں یا بالفاظ دیگر اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالی کو دنیا میں آنکھ سے کسی نے نہیں دیکھا نہ کسی نبی نے نہ غیر نے نہ اس میں علماء کا اختلاف ہے ایک ضعیف اور موضوع اسناد کے ساتھ ابوعبیدہ کے طریق سے روایت موجود ہے. جو حلال اور قاضی ابویعلی نے کتاب ابطال التاویل میں ذکر کی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے. اس پر کل علماء کا اتفاق ہے کہ وہ حدیث موضوع ہے. صحیح مسلم میں ابوذر سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے دریافت کیا تھا یا رسول اللہ آپ نے پروردگار

دیکھا ہے فرمایا وہ نورانی ہے میں نے دیکھا ہے سوائے اس ایک حدیث کے اور کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا
کہ صحابہ میں سے کسی نے حضور انور رسول اللہ سے اللہ کے دیدار کی نسبت دریافت کیا ہو بعض عوام جو
یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق نے حضور انور ﷺ سے دریافت کیا تھا اس پر آپ نے یہ
جواب دیا تھا کہ ہاں میں نے اللہ کو دیکھا ہے۔ پھر عائشہ صدیقہ نے پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے
نہیں دیکھا اس پر کل اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ سراسر جھوٹ ہے اسے نہ کسی نے صحیح اسناد سے روایت
کیا نہ ضعیف اسناد سے اسی واسطے امام احمد نے روایت کے بارے میں ابوذر کے قول پر اعتماد کیا ہے
اسی طرح عثمان بن سعید دارمی نے بھی اس پر اعتبار کرلیا ہے مگر اس ایک روایت کی کوئی وقعت ہماری
نظر میں نہیں اس کے علاوہ اس کے الفاظ ایسے مجمل ہیں کہ کسی شئے کا تشخص اس سے متعلق نہیں پایا
جاتا صرف آپ نے نورانی لفظ فرمایا جس سے شکل و شباہت نہیں معلوم ہوتی۔ باقی ہر شب کو آسمان
دنیا پر اللہ کے نازل ہونے کی حدیث بیشک احادیث معروضہ میں سے ہی۔ جو محدثین کے نزدیک ثابت
ہے کہ اسی طرح عرفہ کی شام اس کے قریب ہونے کی حدیث جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی
ہے اور نصف شعبان کی شب کو نازل ہونے کی حدیث کی اسناد میں اختلاف کیا گیا ہے۔ جمہور
مسلمانوں کا قول ہے کہ وہ نازل ہوتا ہے۔ عرش اس سے خالی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسحاق بن راہویہ اور
حماد بن زید وغیرہ سے یہی نقل کیا گیا ہے امام احمد بن خلیل سے بھی یہی منقول ہے یہ سب اس پر متفق
ہیں۔ کہ اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اس کے نازل ہونے کی کیفیت کوئی نہیں جانتا نہ اسکی صفات مخلوق
کی صفات کی مماثل ہیں۔ اس نزول میں انکا اختلاف ہے کہ آیا یہ ایسا فعل ہے جو اللہ سے منفصل اور
مخلوق میں داخل ہو یا ایسا فعل ہے جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اہل حدیث اور اہل تصوف
میں سے امام مالک، شافعی، اور امام ابوحنیفہ وغیرہ کے اصحاب کے دو قول ہیں اسی طرح استوے علی
العرش میں بھی نزاع ہے کہ یہ اس کی ذات سے علیحدہ فعل ہے یا ذات کے ساتھ قائم ہے۔ یہ موقعہ ان
مسائل میں بسط سے بحث کرنے کا نہیں ہے بلکہ یہاں فقط یہ بات جتا دینی مقصود ہے کہ جو کچھ شیعی
علماء نے ذکر کیا ہے اس کی بابت تمام عقلا یہ جانتے ہیں کہ علماء اہل سنت والجماعت میں سے ایسا کسی

نے نہیں کہا بلکہ اسکا کہنے والا کوئی معلوم ہی نہیں ہوتا نہ عالم نہ جاہل لہذا یہ سراسر جھوٹ اور مسلمانوں پر نرا بہتان ہے.

اللہ تعالیٰ جہت فوق میں ہے: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ سنیوں میں کرامیہ فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالی جہت فوق میں ہے (یعنی اوپر ہے) مگر وہ نہیں جانتے کہ جو چیز کسی جہت میں ہوتی ہے وہ حادث ہوتی ہے اور اس جہت کی محتاج ہوتی ہے تو کرامیہ کے عقیدے کے بموجب خدا حادث بھی ہوا اور محتاج بھی.

جواب: اس حملے کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ قول نہ کرامیہ کا ہے نہ کسی اور کا کہ اللہ تعالے موجود جہت میں ہے اور جہت اس کا احاطہ کوے ہوئے ہے اور وہ اس کا محتاج ہے بلکہ کرامیہ وغیرہ اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالی اپنے کل ماسوائے سے مستغنی ہے خواہ مسوائے کا نام جہت رکھا جائے یا نہ رکھا جائے ہاں بعض اوقات وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ جہت میں ہے. جس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ اوپر ہے مگر تماشہ دیکھئے کہ شیعی علماء کرامیہ کے عقاید پر تو اعتراض کرنے کے لیے تیار ہو گئے مگر اپنے ائمہ کی خبر نہ لی کہ انکا یہی مذہب ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے. جمہور خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ عالم کے اوپر ہے ہے اگر چہ ان میں سے ایک بھی جہت کا لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالتا لیکن دلوں میں سب یہ عقیدہ رکھتے اور زبانوں سے کہتے ہیں کہ ہمارا رب اوپر ہے اور کہتے ہیں کہ یہ امر تو فطری اور جبلی ہے ابو جعفر ہمدانی کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں استوے علی العرش کا انکار کرتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالی نے عرش پر استواے کیا تو اسکے ساتھ حوادث قائم ہو جائیں گے. ابو جعفر نے اس پر کہا کہ استوے علی العرش کے جو معنی تو سمجھا ہے یہ معنی نہیں ہیں کہ استواے کانوں سے سنائی دیتا یا آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے ہمیں اس ضرورت کا علاج بتا جو ہم اپنے دلوں میں پاتے ہیں وہ یہ کہ جب کوئی عارف باللہ کہتا ہے تو اسے منہ سے نکالنے سے پہلے اس کے دل میں ضرور ایک ایسے معنی پیدا ہو جاتے ہیں جو علو کو چاہتے ہیں. دائیں یا بائیں ان کا التفات نہیں ہوتا. پس کیا ہمارے دلوں سے اس ضرورت کے رفع کرنے کا تیرے پاس کچھ علاج ہے یہ سن کے وہ شخص ششدر و حیران

رہ گیا اور سخت خفیف ہوا اور کہا کہ مجھے اس ہمدانی نے حیران کر دیا۔ ہمدانی کا اصل میں مطلب یہ تھا کہ استوی کی نفی پر تیری دلیل نظری ہے اور ہم اپنے نزدیک اسکے ثبوت کا علم رکھتے ہیں لہٰذا ہم اس علم اور اس قصد کی طرف مضطر ہیں پس اِن دونوں کے رفع کرنے کا تیرے پاس کوئی ذریعہ یا حیلہ ہے اس کے بعد اسکی نقیض کی تقریر کی وہ یہ کہ ضروریات کو نظریات سے دفع کرنا غیر ممکن ہے۔ کیونکہ نظریات کی غایت یہ ہے کہ ان میں مقدمات ضروریہ سے حجت پیش کی جائے اس لئے کہ ضروریات نظریات کی اصل ہیں اگر اب نظریات سے ضروریات میں قدح کی جائے تو یہ قدح نظریات کی اصل میں ہوگی جس سے ضروریات اور نظریات سب بالکل باطل ہو جائیں گے کیونکہ ایک فرع کی اصل میں قدح کرنی اس فرح ہی کے فساد کو مقتضی ہوتی ہے اور جب یہ فرع باطل ہوگئی تو اس میں قدح کرنی بھی باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ اسکی صحت اور اسکی اصل کی صحت دونوں لازم وملزوم ہیں۔ جس وقت یہ صحیح ہوگی تو اسکی اصل بھی صحیح ہوگی اور اسکا فساد اس کے اصل کے فساد کے ساتھ لازم وملزوم نہیں ہے کہ کیونکہ شاید فساد فرع ہی میں ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرع کی قدح کسی صورت میں قبول نہیں کی جاسکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان لوگوں نے اِس بارے میں ادلہ عقلیہ پیش کی ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ دو موجود چیزیں کیا تو آپس میں متبائن ہوگی یا متداخل مگر اس کا علم ہونا ضروری اور بدیہی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک ایسے موجود کو ثابت کرنا جس کی طرف اشارہ بھی نہ کیا جاسکے۔ حس اور عقل دونوں سے مکابرہ ہے اس کے علاوہ یہ سب جانتے ہیں کہ قرآن علو کا لفظ بہت سی جگہ آیا ہے بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ ۳۰۰ جگہ آیا ہے اس کے ثبوت میں حضور انور ﷺ رسول اللہ ﷺ سے احادیث بھی متواتر ہیں سلف کلام جو تواتر کے ساتھ ان سے مروی ہے۔ وہ اس پر باہم اتفاق کرتے ہیں۔ اِن میں سے اس کا کوئی منکر نہیں۔ جو شخص ان لوگوں پر طعن تشنیع کرنا اور ان ادلہ سیر عشر اور عقلیہ کو دفع کرنا چاہے اسے اس سے بھی زیادہ قوی دلیل دینی چاہیے شیعی علماء نے کوئی دلیل اپنے دعوے کی نہیں دی صرف اتنا کہہ دیا ہے یہ باتیں نہیں جانتے کہ جو چیز کسی جہت میں ہوگی وہ حادث اور اس جہت کی محتاج ہوگی اب اگر شیعی علماء سے یہ سوال کیا جائے کہ وہ تو بیشک اسے نہیں جانتے لیکن آپ نے بھی کوئی ایسی بات

بیان نہیں کی جس سے وہ اسے جان جائیں کیونکہ آپ کا یہ کہنا بھی اس جہت کا محتاج ہے یہ اسی وقت ٹھیک ہوسکتا ہے کہ جب جہت امر وجودی ہو اور اللہ کے لیے لازم ہو وہ اس سے مستغنی نہ ہو اس میں شک نہیں جس نے یہ کہا کہ خدا تعالے بغیر محل کے قائم نہیں ہوتا وہ اس محل میں حلول کرتا ہے اس سے مستغنی نہیں ہے اور محل اس سے مستغنی ہے ایسے شخص نے اللہ کو غیر کا محتاج کر دیا۔ مگر الحمد اللہ اس کا کوئی اپنی قائل نہیں ہے اس کے علاوہ ہمیں ایسا کوئی شخص معلوم نہیں ہوتا۔ جس نے یہ کہا ہو کہ اللہ تعالی اپنی مخلوقات میں سے کسی چیز کا محتاج ہے چہ جائے کہ اس کا غیر مخلوقات کی طرف محتاج ہونا ثابت ہو نہ کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالی عرش کا محتاج ہے باوجود یہ کہ وہ عرش کا خالق ہے مخلوق ہمیشہ خالق کی محتاج ہوا کرتی ہے۔ خالق مخلوق کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔ وہ اپنی قدرت سے عرش اور کل مخلوق پر قائم ہے سب سے بے پرواہ ہے۔ اور یہ سب اس کے محتاج ہیں۔ جو شخص کرامیہ وغیرہ فرقوں کا یہ عقیدہ سمجھا ہے کہ اللہ تعالی عرش کا محتاج ہے یقیناً بیچارے کرامیہ وغیرہ پر بہت بڑا بہتان ہے ان کا یہ قول کیسے ہوسکتا ہے۔ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ عرش سے پہلے موجود تھا۔ جب وہ عرش سے پہلے موجود قائم بنفسہ تھا اسکا عرش سے مستغنی ہونا صاف ظاہر ہو گیا اس کے عرش کے اوپر ہونے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ عرش کا محتاج ہے عالم کو اس نے اوپر نیچے پیدا کیا ہے مگر اوپر کے حصے کو نیچے کے حصے کا محتاج نہیں بنایا مثلاً ہوا زمین پر ہے مگر زمین کی محتاج نہیں ہے۔ اسی طرح بادل ہوا پر ہیں اور اسکے محتاج نہیں ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس آسمان پر نظر کرو ستاروں اور سیاروں اور کل کائنات کو دیکھو ایک دوسرے کا محتاج نہیں ہے۔ پھر علی الاعلی ہر چیز کا پیدا کرنے والا محض اس وجہ سے اپنی مخلوق کا محتاج کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے اوپر ہے یہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے عرش اور حاملین عرش میں جو کچھ قوت ہے اسکا بھی خالق وہی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ حاملین عرش فرشتوں کے افعال کا خالق وہی ہے بس جب ان سب کا خالق وہی ہے تو اس کو غیر محتاج ہونا یقیناً ممتنع ہے اگر چہ شیعی علماء کے سلف میں سے علی بن یونس قمی وغیرہ نے اس حجت کی ہ جو کہتے ہیں کہ عرش کو خدا ہی خود اٹھا رہا ہے مگر یہ توں سنیوں پر حجت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا قول ہے کہ خداوند عالم غیر کا محتاج ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ وہ

عرش وغیرہ ہر چیز سے ہمیشہ بے پرواہ اور بے نیاز ہے ہم کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر ہمیشہ سے قادر ہے۔
جب ہم نے اس کو سب پر قادر مان لیا تو پھر اس کمال اقتدار کے ساتھ ناواجب ہے کہ اغیار کی طرف محتاج ہونے کے ساتھ اسے متصف کیا جائے۔ ابھی ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ جہت کے لفظ سے کبھی امر موجود مراد ہوتا ہے اور کبھی امر معدوم پس جس نے یہ کہا کہ اللہ کل عالم کے اوپر ہے تو اُس نے یہ نہیں کہا کہ اللہ کسی موجود جہت میں ہے ہاں اگر جہت سے عرش مراد لیا جائے اور جہت میں ہونے سے عرش پر ہونا مقصود بیان کیا جائے تو یہ ہوسکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کے قول اسفی اسمعاء کی تفسیر میں علی السماء کہا گیا ہے پس جب وہ کل موجودات کے اوپر اور ان سے بے پرواہ ہے تو اسکے نزدیک یہ جہت کوئی وجود نہیں رکھتا جس پر یہ کہا جاسکے کہ وہ اِس جہت میں ہے چہ جائے کہ وہ جہت کا محتاج ہو۔
اگر جہت سے مراد ما فوق العالم ہے تو یہ کوئی چیز نہیں ہے نہ یہ امر وجودی ہے جس کی بابت یہ کہہ سکیں کہ وہ اسکا محتاج ہے یا محتاج نہیں ہے۔ اِن لوگوں نے جہت کے لفظ کو مشترک سمجھا ہے جس سے انہیں یہ وہم ہو گیا ہے کہ جب وہ جہت میں ہے تو ضرور کسی دوسری ہی چیز میں ہے جیسا کہ انسان اپنے گھر میں ہوتا ہے اسی بناء پر انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ غیر کا محتاج ہے حالانکہ اللہ تعالی اپنے کل مسوائے سے بے پرواہ ہے اور یہ مقدمے باطل ہیں۔ اسی طرح شیعی علماء کا یہ کہنا جو چیز جہت میں ہو وہ حادث ہوتی ہے۔ اس پر انہوں نے کوئی دلیل نہیں دی ان کے مذکورہ بیان سے زیادہ سے زیادہ یہ نکلتا ہے کہ اگر اللہ جہت میں ہے تو جسم ہے اور ہر جسم حادث ہوتا ہے۔ کیونکہ جسم حوادث سے خالی نہیں ہوتا پس اللہ حادث ہوا اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ان سب مقدمات میں نزاع ہے۔ بعض کہتے ہیں کبھی جہت میں ایسی چیز بھی ہوتی ہے جو جسم نہیں ہوتی۔ جب ان پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ کہنا خلاف عقل ہے تو وہ جواب دیتے ہیں مانا خلاف ہی سہی مگر ان لوگوں کے قول سے پھر بھی اقرب الی العقل ہے جو کہتے ہیں کہ وہ نہ عالم میں داخل ہے اور نہ عالم سے خارج ہے اگر عقل اسکو تسلیم کرے گی تو پھر اسے بدرجہ اولی تسلیم کرے گی اور اگر وہ خلاف عقل ہوگا تو یہ بدرجہ اولے خلاف عقل ہوگا۔ بعض لوگ اسے بھی تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ جسم حوادث سے خالی نہیں ہوتا بلکہ ان کے نزدیک جسم کا ہر حادث اور حرکت

سے خالی ہونا جائز ہے اکثر متکلمین اور فلاسفہ کا اس کہنے میں نزاع ہے کہ جو چیز حوادث سے خالی نہیں وہ حادث ہے اِن مقامات میں سے ہر مقام ایسا ہے جس میں شیوخ رافضہ اور معتزلہ اپنے متقدین بھائیوں کے مقابلے میں اپنے قول کو ثابت کرنے سے عاجز ہیں چہ جائے کہ یہ اور فرقوں کے مقابلے میں اسے ثابت کرسکیں بعض لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالی بندے کے مقدور پر قدرت نہیں رکھتا. شیعوں نے اِس خیال سے سہارلے کے مسلمانوں پر طعن کیا ہے اس کے جواب میں ہم اپنے دوست شیعی علماء سے کہتے ہیں کہ ہیں کہہ یہ بہت ہی باریک مسئلہ ہے اہل سنت والجماعت کے ساتھ اسے کچھ خصوصیت نہیں وہ اُدھر خلفا ثلثہ کے خلافت کے قائلین کا بھی اس پر اتفاق نہیں ہے ہاں بعض قدریہ ایسا کہتے ہیں. باقی اہل سنت والجماعت جو قدر کو مانتے ہیں ان میں اس کا کوئی قائل نہیں ہاں شیوخ قدریہ میں سے جو توحید وعدل کے مسائل میں متاخرین امامیہ کے شیوخ ہیں وہ بیشک اس کے قائل ہیں. مثلاً ابن النعمان موسوی الملقب بہ مرتضی اور ابوجعفری طوسی وغیرہ یہ بیشک اسکے قائل ہیں. قرآن مجید کی تفسیر میں صفات اور قدر وغیرہ کی آیتوں میں جو کچھ ذکر کرتے ہیں وہ سب معتزلہ کی تفاسیر سے منقول ہوتا ہے اس کے ناقلین حیاتی عبدالجبار بن احمد ہمدانی رمانی اور ابو مسلم اصبہانی وغیرہ ہیں. قدمائے امامیہ سے ایک حرف بھی منقول نہیں کیا جاتا نہ اصول میں عقلیہ نہ قرآن کی تفسیر میں اب اگر یہ مسئلہ اسی صورت سے حق ہے تو یقیناً ان کے سارے متقدین گمراہ تھے اور اگر یہ غلط اور گمراہی ہے تو ان کے متاخرین گمراہیں.

اللہ افعال قبیحہ کرتا ہے۔

شیعی علماء کا ایک اور زبردست حملہ:۔ شیعی علماء فرماتے ہیں ہیں کہ اس اکثر سنیوں کا یہ مذہب ہے کہ اللہ افعال قبیحہ کرتا ہے تمام اقسام کے معاصی کفر ہر قسم کا فساد اُسی کی قضاوقدر سے ظہور میں آتا ہے بندے کی اس میں کوئی خطا نہیں ہوتی. نہ بندے کے افعال میں اللہ کوئی غرض ہے نہ وہ بندوں کی مصلحت کے لیے کوئی فعل کرتا ہے. وہ کافر سے معاصی کرانے کا ارادہ کرتا ہے اِس سے طاعت کرانے کا ارادہ نہیں کرتا اسی سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں فقط. (شیعی علماء کا قول ختم ہوا)

جواب: اس کے دو جواب ہیں پہلے یہ کئی مرتبہ بیان ہو چکا ہے کہ قدر تعدیل اور تجویز کے مسائل کو امامت کے مسائل سے کچھ تعلق نہیں ہے نہ یہ باہم لازم وملزوم ہیں. کیونکہ اکثر آدمی خلفاء ثلاثہ کی امامت کا اقرار کرتے ہیں اور قضاوقدر میں ان کا قول وہ ہے. جو ان شیعی علماء کا ہے. اکثر آدمی اس کے بالعکس ہیں خلفاء ثلاثہ کی امامت کا اقرار نہ کرنے پر بھی ان کے قول کے مخالف ہیں. سچ بات یہ ہے کہ ان میں ایک دوسرے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے. امامیہ کی بابت یہ بیان پہلے ہو چکا ہے کہ بندوں کے افعال اللہ کی مخلوق ہیں یا نہیں اس میں ان کے دو قول ہیں اسی طرح زیدیہ کے بھی دو قول ہیں. اشعری نے لکھا ہے کہ افعال کے مخلوق ہونے میں زیدیہ کے دو فرقے ہیں پہلے فرقے کا قول یہ کہ بندوں کے افعال اللہ کی مخلوق ہیں اسی نے ان کو پیدا کیا. اسی نے ان کو نہ ہونے کے بعد ابداع واختراع کیا دوسرے فرقہ والے یہ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال اللہ کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہیں نہ وہ اسکی ایجاد کردہ ہیں. بلکہ وہ بندوں کا کسب ہے بندوں ہی نے ان افعال کو ایجاد کیا ہے. دوسرا جواب یہ ہے کہ اکثر سنیوں کی طرف سے شیعی علماء کا یہ نقل کرنا کفر ومعاصی میں بندے کی کوئی تاثیر نہیں ہے بالکل غلط ہے بلکہ کل مسلمان یا بالفاظ دیگر جمہور اہل سنت والجماعت جو قضاء قدر کو مانتے ہیں وہ سب یہی کہتے ہیں کہ بندہ حقیقۃً فاعل ہے اُس کی قدرت اور استطاعت حقیقی ہے وہ اسباب طبعیہ کی تاثیر کا انکار نہیں کرتے بلکہ جس پر عقل ولالت کرتی ہے اُس کا اقرار کرتے ہیں یعنی یہ کہ اللہ ہوا سے ابر کو پیدا کرتا ہے اور ابر سے بارش ہوتی ہے اس بارش سے گھاس وغیرہ نباتات اُگتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ قوی طبیعہ جو مخلوقات ہیں موجود ہیں۔ ان میں کچھ تاثیر نہیں ہے۔ بلکہ ان کی تاثیر کا وہ لفظاً اور معنیً ہر طرح اقرار کرتے ہیں. یہاں تک کہ اثر کا لفظ کلام اللہ میں بھی آیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے. نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ. اگرچہ وہاں تاثری اس سے عام ہے جو اس آیت میں ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہی وہ تاثری ہے جو اس بات کی مسببات میں ہوتی ہے. سبب ومسبب دونوں کا خالق اللہ تعالی ہی ہے باوجود اس کے کہ وہ سبب کا خالق ہے مگر اُس کے لیے دوسرا سبب ہونا ضروری ہے. ہاں یہ قول جو شیعی علماء نے حکایت کیا ہے مثبتین قدر میں سے بعض کا ضرور ہے. مثلاً اشعری امام مالک،

شافعی، امام احمد کے اصحاب میں سے ان فقہاء کا جو اشعری کے موافق ہیں یہی قول ہے وہ مخلوقات میں قوی طبائع ثابت نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ ان قوی کے وقت خداوند خود فعل کرتا ہے نہ کہ ان کے ذریعے سے یہ بھی ان کا قول ہے کہ فعل میں بندے کی قدرت کی ذرا تاثیر نہیں ہوتی. اشعری اس سے بھی آگے بڑھ گیا ہے وہ کہتا ہے کہ بندے کے فعل کا فاعل اللہ تعالے ہی ہے اور یہ کہ بندے کا عمل بندے کا فعل نہیں ہے بلکہ وہ اس کا کسب ہے اور وہ فعل فقط اللہ ہی کا ہے. مگر اہل سنت والجماعت کے جمہور اس کے خلاف ہیں انہوں نے اسب بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ بندہ اپنے فعل کا حقیقتاً فاعل ہے. باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اللہ تعالی بندوں کی مصلحت کے لیے کوئی فعل نہیں کرتا جیسا کہ سنیوں کا عقیدہ ہے اس کی بابت ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ قول سُنیوں میں کے بہت تھوڑے آدمیوں کا ہے مثلاً اشعری کا اور اس گروہ کا جو ایک جگہ مخالفت کرتا ہے اور ایک جگہ موافقت باقی جمہور اہل سنت و الجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالی کے افعال میں حکمت ہے ان کا قول ہے کہ خداوند تعالے بندوں کے نفع اور ان کی مصلحت کے لیے ہر فعل کرتا ہے مگر ہاں یہ نہیں کہتے جسے معتزلہ اور ان کے موافقین کا خیال ہے کہ جو چیز مخلوق کے حق میں اچھی ہے وہی اللہ کے لئے بھی اچھی ہے اور جو مخلوق کے حق میں بُری ہے وہ اللہ کے حق میں بھی بُری ہے۔

پھر غرض کا لفظ ہے جسے معتزلہ اور بعض مثبتین الی السنۃ اطلاق کرتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کسی نہ کسی غرض کے لیے فعل کرتا ہے اس غرض کے لفظ سے ان کی مراد حکمت ہے. اہل سنت والجماعت ہمیشہ غرض کی جگہ حکمت کا لفظ لاتے ہیں. غرض کا لفظ وہ کبھی نہیں بولتے. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ کافر سے سنیوں کے عقیدے کے بموجب اللہ تعالے معاصی کرانے کا ارادہ کرتا ہے اور اس سے طاعت بجالانے کا ارادہ نہیں کرتا یہ قول بے شک ان میں سے ایک گروہ کا ضرور ہے اور وہ گروہ وہ ہے جو قدریہ کا موافق ہے یہ چھوٹی سی جماعت مشیت، ارادے، محبت اور رضا کو ایک ہی چیز جانتے ہیں ان کے خیال میں محبت، رضا اور غضب کے معنی ارادے کے ہیں. اشعری کا بھی یہ مشہور قول ہے پھر اس کے اصحاب اور امام مالک، شافعی اور احمد کے اصحاب میں سے ان کے موافقین فقہاو بھی

یہی کہتے ہیں لیکن جمہور اہل سنت اور اصحابِ اشعری میں سے اکثر ارادے، محبت، اور رضا میں فرق کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ گو اللہ تعالے معاصی کرانا کا ارادہ کرتا ہے لیکن ان سے محبت رکھتا ہے نہ ان سے خوش ہوتا ہے بلکہ انہیں مبغوض رکھتا اور ناراض ہوتا ہے اسی طرح یہ لوگ اللہ کی مشیت اور محبت میں بڑا فرق سمجھتے ہیں یہی قول کل سلف صالحین کا ہے۔ ابوالمعالی جوئی نے ذکر کیا ہے کہ قدمائے اہل سنت کا یہی قول ہے اگرچہ اشعری نے ان کی مخالفت کرکے ارادے، اور محبت کو ایک کردیا ہے مگر اہل سنت یہ کہتے ہیں جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور جو اُس نے نہ چاہا نہیں ہوا اور جو اُس نے چاہا وہی پیدا کردیا ہے۔ ان میں سے محققین کا یہ قول ہے کہ قرآن مجید میں ارادے کی دو قسمیں ہیں ایک ارادہ قدریہ کونیہ دوسرا ارادہ دینیہ امریہ شرعیہ اسی ارادہ شرعیہ دینیہ میں محبت اور رضا شامل ہے اور ارادہ کونیہ میں مشیت جس میں جمیع حوادث آگئے پھر شیعی علماء کا یہ فرمانا کہ اس عقیدے سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ اللہ سب ظالموں سے بڑھ کے ظالم ہوا کیونکہ وہ کافر سے خود ہی کفر کراتا ہے اور کفر کی خود ہی سزا دیتا ہے اس میں ایمان لانے کی قدرت نہیں پیدا کرتا اسی طرح اگر وہ اس کے رنگ یا طویل قد ہونے یا کو تاہ قد ہونے پر اس پر عذاب کرے تو یہ صریح ظلم ہے کیونکہ جس پر وہ ظلم کرتا ہے اس میں قدرت نہیں دی کہ وہ اس سے بچ جاتا پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ اس صورت میں بھی ظالم ہوگا۔ جب اسے ایسی معصیت میں عذاب کرے جو اُس نے خود اس میں پیدا کی ہے ہم کہتے ہیں ظلم کی بابت پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ جو جمہور قضا و قدر کو مانتے ہیں۔ ان کے دو قول ہیں۔ اوّل یہ کہ ظلم ممتنع لذاتہ غیر مقدور ہے جیسا اشعری، قاضی ابوبکر، ابوالمعالی، قاضی ابویعلی، اور ابن الزاغونی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے وہ کہتے ہیں کہ کذب اور ظلم وغیرہ قبیح افعال سے اللہ کو موصوف ٹھیرانا یقیناً ممتنع ہے اور ان میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی اس کو متصف کہنا ہرگز درست نہیں ہے اللہ سے تو ان چیزوں کا وقوع ہی محال ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ظلم کرنے والے کی بُرائی اللہ نے ضروری قرار دی ہے ظلم اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب وہ کسی ایسی چیز میں تصرف کرے جس کا مالک اور اس میں تصرف کرنے کا حقدار اس سے زیادہ دوسرا شخص ہو اور یہ اللہ کے حق میں ہونا محال

ہے کیونکہ اس کا کوئی فعل ایسی چیز میں نہیں ہوتا جس میں تصرف کرنے کا اللہ سے زیادہ کوئی اختیار رکھتا یا حقدار ہوتا ہو لہذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ کے حق میں ظلم تصور کرنا ہی محال ہے۔ حقیقت الامر یہ ہے وہ صاف طور پر اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ برائی اُس شخص کی جا سکتی ہے جو دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرے کیونکہ ظلم کے معنی ہی دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنے کے ہیں یا جو ایسے امر کا خلاف کرے جو اس پر پورا کرنا لازم ہو اللہ کے لیے کسی غیر کی ملکیت میں تصرف کرنا یقیناً ممتنع ہے کیونکہ ہر چیز کا وہی مالک و مختار ہے اس کے علاوہ یہ بات دیکھنے کی ہے کہ شیعی علماء نے اس قول کے بطلان کی کوئی دلیل نہیں دی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ظلم مقدور ہے اور اس سے اللہ منزہ ہے قضا و قدر ماننے اور نہ ماننے والوں میں سے جمہور کا یہی قول ہے کرامیہ وغیرہ میں سے بھی اکثر کا یہی قول ہے۔ امام حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد وغیرہ کے اصحاب میں سے بھی اکثر یہی کہتے ہیں اور یہی قول قاضی ابوحازم ابن قاضی ابویعلی وغیرہ کا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک انسان کو دوسرے کے گنہ کی بابت عذاب دیا جاوے یعنی گناہ کوئی کرے اور سزا کسی کو دی جائے یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی قدرت میں سے ہے اگر وہ چاہے تو ایسا کر سکتا ہے مگر اس سے منزہ و مبرا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّلِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا یعنی جو کوئی نیک کام کرے اور وہ ایماندار ہو تو (قیامت کے دن) نہ وہ ظلم کا خوف کرے گا نہ نقصان کا ان لوگوں کا یہ بھی قول ہے کہ انسان اپنے اختیاری اور غیر اختیاری افعال میں فطری طور پر فرق کرنے کا عادی ہے وہ کہتے ہیں کہ گناہوں کی کرنے پر قدر سے حجت لانے کا بطلان بداہتہ عقل سے صاف معلوم ہوتا ہے مثلاً دوسرے پر ظلم کرنے کا اگر قدر سے حجت کرے تو اس پر بھی ظلم کرنے والا قدر سے حجت کرے گا اسی طرح سے دونوں کی حجت کا دارومدار قدر پر ہوا اور اگر ایک کی حجت قدر پر نہیں ہے تو دوسرے کی بھی نہیں ہونے کے پہلے قول والے بھی اس سے حجت کرنے کو منع کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے حجت کرنا باتفاق کل اہل مذاہب و ذوی العقول کے باطل ہے ہاں قبائح اور مظالم پر اس سے ایسا شخص حجت کر سکتا ہے جو اپنی نفسانی خواہش کا پیرو ہو۔ اور اس کے افعال خود متناقض ہوں اگر فواحش و مظالم

کرنے والے کے لیے قدر حجت ہوتو پھر ایک کا دوسرے کو ملامت کرنا یا ایک کا دوسرے کو سزا دین ٹھیک نہیں ہوسکتا ہر شخص دوسرے کی عزت آبرو اور جان و مال میں جو مظالم وقبائح چاہے کر کے یہ حجت کرسکتا ہے کہ تیری تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک شخص علانیہ شرارت کرے اور پھر اتنی سی بات کہہ کے بچ جائے کہ تقدیر یہی لکھا ہوا تھا۔ تقدیر کسی حالت میں بھی حجت نہیں ہوسکتی اگر تقدیر حجت ہوا کرتی تو ابلیس، فرعون اور تمام کفار کے لیے حجت ہوتی یہ بات فیصلہ ہو چکی ہے کہ افعال اختیاریہ جنہیں خود انسان کسب کرتا ہے صفاتِ محمود اور صفات مذمومہ ہیں اب رہا رنگ یا لمبا اور کوتاہ قد یہ انسان کا کسی فعل نہیں ہے پس علم نافع، عمل صالح، صدقِ مقال اور اخلاص عمل وغیرہ امور دل میں صفاتِ محمود پیدا کرتے ہیں. چنانچہ ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے تھے کہ نیکی کرنے سے دل میں نور چہرے پر رونق رزق میں وسعت بدن میں قوت اور مخلوق کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن گنہ کرنے سے دل میں ظلمت، چہرے پر سیاہی، بدن میں سستی، رزق میں کمی اور مخلوق کے دلوں میں کدورت پیدا ہوجاتی ہے پس نیکی کرنے سے نفس اور خارج دونوں میں آثار محمودہ نمایاں ہوتے ہیں یہی حال گناہ کرنے سے آثار مذمومہ کا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے زہر کھانے کو بیماری اور موت کا سبب ٹھہرایا ہے. اسی طرح نیکیوں کے کرنے کو اثارِ محمودہ کا سبب اور گناہوں کے کرنے کو آثارِ مذمومہ کا سبب قرار دے دیا ہے۔ یاد رکھو کہ توبہ اور اعمال صالحہ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں اور دنیا میں مصائب وتکالیف کا پیش آنا گناہوں کا بدلہ ہوجاتا ہے جیسا کہ زہر کا اثر بعض اوقات کسی دوا سے رفع ہوجاتا ہے اور بعض اوقات اس سے کوئی معمولی تکلیف بیماری کی ہو کے صحت کلی حاصل ہوجاتی ہے. اگر کوئی یہ کہے کہ ایک فعل کو اور اس پر عقوبت حاصل ہونے کو پیدا کرنا ظلم ہے تو یہ بمنزلہ اس کہنے کے ہے کہ زہر پیدا کرنا اور پھر اس سے موت کا ہونا ظلم ہے حالانکہ ظلم ایک چیز کو غیر موقعہ رکھ دینے کا نام ہے اس فاعل کا اپنے اس فعل کے اثر کا مستحق ہونا جو اللہ کی معصیت ہے مثل اس اثر کے استحقاق کے ہے کہ جب یہ بندگانِ خدا پر برابر ظلم کرتا رہے اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایک فعل کو پیدا کرنا ہرگز ظلم نہیں ہے خواہ یہ کہا جائے کہ ظلم اللہ کی طرف سے ممتنع لذاتہ اور غیر مقدور ہے

یعنی اس کی قدرت ہی میں نہیں ہے یا یہ کہا جائے کہ ممکن لذاتہ اور مقدور ہے یعنی اللہ کی قدرت میں ہے کیونکہ وہ ظلم جو درحقیقت ظلم ہے یہ ہے کہ انسان کو دوسرے کے فعل اور عمل پر تکلیف دی جائے باقی اسے اس کی اختیاری فعل پر تکلیف دینا یا ظالموں سے مظلوموں کا انصاف کردینا تو اللہ کے کمال عدل و انصاف میں ہے. پھر شیعی علماء کا یہ اعتراض کرنا کہ سنیوں کے عقیدے میں اللہ نے بندے کے اندر ایمان لانے کی قدرت ہی نہیں پیدا کی یہ اعتراض ان لوگوں پر ہوسکتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فعل کرنے کی قدرت فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے. اس بنیاد پر جس نے کوئی فعل نہ کیا ہو وہ اس پر قادر ہی نہیں بلکہ اُس سے عاجز ہے ان کا قول ہے کہ جس فعل سے بندہ عاجز ہو اللہ اس کے کرنے کی اسے تکلیف نہیں دیتا بلکہ اس کی تکلیف دیتا ہے. جس پر بندہ قادر ہو ان کے قول کا ماحصل یہ ہے کہ جو شخص کوئی واجب ترک کردے وہ اس پر قادر ہی نہیں ہوتا اور ان جمہور اہل سنت کا یہ قول نہیں ہے جو بندے کے لیے قدرت ثابت کرتے ہیں جو امر و نہی کی علت ہے جو کبھی فعل سے پہلے بھی ہوجاتی ہے کیونکہ اس کا فعل کے ساتھ ہونا ضروری نہیں ہے قدرت اور ارادے کے معدوم ہونے پر فعل کا وجود کسی طرح نہیں ہوسکتا جیسا کہ فاعل کے معدوم ہونے پر نہیں ہوسکتا. قدریہ کا قول یہ کہ قدرت فعل سے پہلے ہی ہوتی ہے ان کے مقابلہ میں مثبتین کہتے ہین کہ وہ فعل کے ساتھ ہی ہوتی ائمہ اور جمہور کا قول بین ہے کہ قدرت کا فعل کے ساتھ ہونا تو ضروری ہے باوجود اس کے کبھی فعل سے بھی پہلے حجت ہوتی ہے جیسے مامور عاصی کی قدرت ہے کیونکہ یہ فعل سے پہلے مقدم ہوتی ہے اس لیے یہ ایسے شخص کے واسطے ہوتی ہے جو اطاعت نہ کرے مثلاً اللہ تعالی فرماتا ہے. وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً. (آل عمران:۹۷)

یعنی اللہ کے لیے ایسے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج کرنا فرض ہے جن میں وہاں تک پہنچنے کی طاقت ہو اللہ نے طاقت رکھنے والے پر حج فرض کیا ہے. جب حج کا مدار طاقت پر ٹھہرایا تو جس میں طاقت نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہ ہوگا اس بناء پر حج نہ کرنے کے باعث کسی کو عذاب نہ ہونا چاہیے اور یہ اس کے بالکل خلاف ہے جو دین اسلام سے بالاضطرار معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے فرمایا.

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی جہاں تک تم سے ہو سکے تم اللہ سے ڈرو پس اللہ نے حسب طاقت ڈرنا واجب کر دیا ہے اب اگر یہ ہو کہ جو شخص نہ ڈرے وہ ڈرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا پس ڈرنا اُسی پر واجب ہوگا جو ڈرتا ہو۔ اور ایسے کو عذاب نہ ہوگا۔ جو نہ ڈرتا ہو۔ کیونکہ یہ اُس پر واجب ہی نہیں ہے۔ غرض ایسا خیال یا عقیدہ دین اسلام کے بالکل خلاف ہے یہ ان لوگوں نے اس لیے کہا ہے کہ قدریہ معتزلہ اور شیعہ وغیرہ کا قول ہے کہ قدرت فعل سے پہلے نہیں ہوتی تا کہ وہ کرنے پر یا نہ کرنے دونوں کے لیے صالح ہو۔ اب رہے اہل سنت والجماعت ان کا قول یہ ہے کہ فعل کے وقت فاعل کے لیے قادر ہونا ضروری ہے۔ ان کے ائمہ کہتے ہیں کہ فاعل فعل سے پہلے قادر ہوتا ہے ان ہی میں سے ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ فاعل فعل کے وقت ہی قادر ہوتا ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں قدرت ضدین کے لئے یعنی کرنے اور نہ کرنے دونوں کے لیے صالح نہیں ہوتی کیونکہ جو قدرت فعل کے مقارن ہو وہ اس فعل ہی کے لئے صالح بھی ہوتی ہے اور اسی کے لئے مستلزم بھی ہوتی ہے وہ فعل بغیر اس کے نہیں ہو سکتا وجہ یہ ہے کہ اگر یہ قدرت بدلے کے طور پر ضدین کے لیے صالح ہو تو پھر ضدین میں سے ایک کے نہ ہونے پر بھی اس قدرت کا وجود ممکن ہوگا۔ حالانکہ جو قدرت کسی چیز کو مقارن اور مستلزم ہوتی ہے وہ اس چیز کے معدوم ہونے پر کبھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ملزوم کا وجود بغیر لازم کے ممتنع ہے۔ قدریہ نے جو کچھ کہا ہے اس میں انہیں غلط فہمی ہوئی ہے اور جو قاعدہ انہوں نے اس کا بنایا ہے. وہ بھی غلط ہے یعنی ان کا غلط قاعدہ یہ ہے کہ اللہ کا مومن اور کافر نیک اور فاجر کو قادر کرنا یکساں ہے. یعنی چاروں کو اس نے یکساں قدرت دی ہے وہ یہ نہیں کہتے کہ اللہ نے مومن مطیع کو ایک اعانت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے جس کے وسیلہ سے ایمان حاصل ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے مطیع اور عاصی کی اعانت یکساں ہے لیکن مطیع نے بذات خود طاعت کو ترجیح دے لی ہے اور عاصی نے بذات خود معصیت کو ترجیح دے لی ہے مثلاً ایک باپ نے اپنے دو بیٹوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک تلوار دی ایک بیٹے نے تو اس تلوار سے مظلوموں اور بیکسوں کی جان بچائی اور ہمیشہ ظالموں سے ان کی مدافعت کی۔ دوسرے نے اس تلوار سے رہزنی کا کام لیا یہ قول بہ اتفاق تمام اہل سنت والجماعت کے غلط اور جھوٹ ہے.

کیونکہ وہ سب اس پر متفق ہیں کہ مومن مطیع بندے پر اللہ کا بہت بڑا دینی احسان ہے جو اللہ نے خاص اسی پر کیا ہے کافر پر نہیں کیا اور وہ طاعت پر اس کی ایسی اعانت کرتا ہے کہ کافر کو وہ اعانت نصیب نہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ. (الحجرات:۷) یعنی لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنادیا ہے اور اسے تمھارے دلوں میں زینت دیدی ہے کفر کو، بدکاریوں کو اور نا فرمانی کو تمہارے آگے بُرا کردیا ہے یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں پس اللہ نے یہ بیان کردیا کہ ہم نے ایمان کو ان کا محبوب بنادیا اور ان کے دلوں میں اسے زینت دیدی اس پر قدریہ کہتے ہیں کہ یہ محبوب بنانا اور زینت دینا ساری مخلوق کے لئے تھا۔ یا یہ دلائل حق کو ظاہر کرنے کے معنی میں ہیں۔ مگر آیت یہ چاہتی ہے کہ یہ حکم مؤمنین کے ساتھ خاص ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے یہ فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کے علاوہ کوئی ہدایت یافتہ نہیں ہے اللہ نے اپنے بندوں کو اس طرح دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. یہ سب جانتے ہیں کہ دعا غیر حاصل اور آیندہ ہی چیز کے لیے ہوتی ہے بلکہ وہ اللہ کے کرنے سے ہوتی ہے اور یہ مطلوبہ ہدایت اس ہدایت سے علیحدہ ہے یہ ایسی مثالیں قرآن وحدیث میں بہت سی ہیں۔ جیسے ہدایت ایمان اور نیک عمل کے ساتھ اللہ کی مسلمان بندوں کے ساتھ خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔ قدریہ کے قول کی اصل یہ ہے کہ اعانت اور اقدار میں طاعات ادا کرنے اور نہ کرنے والا دونوں برابر ہیں تو ان کے قاعدے پر یہ نہیں ہوسکتا کہ فعل کے ساتھ ایک مخصوص قدرت ہو کیونکہ جو قدرت فعل کے ساتھ مخصوص ہوگی وہ ترکِ فعل کے لئے نہیں ہوسکتی حالانکہ قدرت اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جب اُنہوں نے دیکھا کہ قدرت کا فعل سے پہلے ہونا ضروری ہے تو اس وقت کہنے لگے کہ قدرت فعل کے ساتھ نہیں ہوتی کیونکہ دراصل فعل ترک قدرت ہی سے ہوتا ہے۔ مگر وجود فعل کے وقت ترک فعل کا ہونا ممتنع ہے اسی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ قدرت فعل سے پہلے ہوتی ہے مگر ان کا یہ کہنا یقیناً باطل ہے کیونکہ اثر کا وجود معہ اس کی بعض وجودی شرطوں کے معدوم ہونے کے ممتنع ہے بلکہ فعل

کے ساتھ ہی قدرت کا ہونا ضروری ہے اس میں اہل اثبات کے دو فرقے ہیں ایک فرقے کا سول یہ ہے کہ قدرت فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے ان کا یہ گمان ہے کہ قدرت ایک ہی چیز ہے اس مین دو ضدوں کے سبب بننے کی صلاحیت نہیں ہے ایک یہ کہتا ہے کہ قدرت غرض ہے وہ دو ز مانون میں موجود نہیں رہ سکتی لہٰذا فعل سے پہلے اس کا وجود ممتنع ہے مگر حق بات جس پر ائمہ فقہ اور اہل سنت والجماعت ہیں یہ ہے کہ قدرت دو قسم کی ہے ایک مصحح للفعل جس کے ہوتے فعل اور ترک دونوں ممکن ہیں. اور یہی وہ قدرت ہے جس سے امر ونہی کو تعلق ہوتا ہے یہ مطیع اور عاصی دونوں میں ہوسکتی ہے. فعل کے موجود ہونے سے پہلے ہوتی ہے اور فعل کے ظہور میں آنے تک برابر رہتی ہے. جو لوگ اعراض کے قائل ہیں انکے نزدیک تو قدرت ہی خود ایک قوت ہے اور جو اس کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں تجدد امثل کے ذریعہ سے قدرت پیدا ہوتی ہے اور اس میں دونوں ضدوں کی صلاحیت موجود ہے اللہ اسی قدرت سے اپنے بندوں کو حکم کرتا ہے۔ یعنی پہلے اس میں قدرت عطا کرتا اور پھر حکم کرتا ہے اور اگر کسی بندے میں وہ قدرت نہیں ہے تو اللہ اُسے مکلف نہیں کرتا. اس کی ضد عجز ہے اور یہی اللہ کے اس قول میں مذکور ہے. لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً اِنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصِنَاتِ الْمُوْمِنَاتِ. اسی طرح کفار کے بارے میں یہ آیت موجود ہے. فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنَ. یہاں ایسے شخص کی قدرت کی نفی ہے جو نہ کرسکے۔ یہ قدرت فعل کے ساتھ نہیں ہوتی۔ اسی طرح عمران بن حسین سے حضور انور رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے۔ صل قائما فانلم تستطع فقا عدا فانلم تستطع فعلیٰ جنب. یہاں حضور انور نے استطاعت کی نفی کے مقابلہ میں فعل کی نفی کے مقابلہ میں فعل کی نفی کی ہے۔ اس کے علاوہ وہ استطاعت جو شرع میں مکلف ہونے کی شرط ہے وہ اس استطاعت سے خاص ہے جس کے عدم کے وقت فعل ممتنع ہوجاتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات استطاعت شرعیہ کے نہ ہونے پر بھی فعل متصور ہوجاتا ہے۔ مثلاً مریض میں بعض اوقات باوجود زیادتی مرض اور صحت میں تاخیر ہونے کے کھڑے ہونے کی استطاعت ہوتی ہے لیکن شرع میں اس تکلیف کے حاصل ہونے کی بابت غیر مستطیع ہے۔ اگر چہ لوگ اسے مستطیع کہیں لیکن شارع استطاعت شرعیہ

فقط امکان فعل کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نظر اس کے لوازم کی طرف ہوتی ہے پس اگر باوجود کسی تکلیف کے فعل ممکن ہو تو یہ استطاعت شرعیہ نہیں ہے۔ جیسے کوئی شخص بدنی یا مالی تکلیف کے بغیر حج کر سکتا ہو یا باوجود زیادتی مرض کے کھڑے ہو کے نماز پڑھ سکتا ہو۔ پس جب شارع نے فعل کے ادا ہونے میں غالبًا تکلیف نہ ہونے کا اعتبار کیا ہے تو وہ باوجود عاجز نہ ہونے مکلف کیسے کر سکتا ہے۔ مگر ہاں یہ قوت اور استطاعت باوجود فعل کے وقت تک باقی رہنے کے فعل کے موجود ہونے میں کافی نہیں ہو سکتی اور اگر یہ کافی ہو تو پھر کرنے والے کے ہوگا بلکہ اس میں ایک دوسری اعانت ہونی ضرور ہے مثلاً یہ کہ اس قدرت کیساتھ اس فاعل کا ارادہ بھی کر دیا جائے کیونکہ فعل بغیر قدرت اور ارادہ کے پورا نہیں ہوتا اور جو استطاعت فعل کے مقارن ہوتی ہے اس میں پختہ ارادہ داخل ہوتا ہے۔ بخلاف اس استطاعت کے جو مکلف ہونے میں شرط ہے کیونکہ اس میں ارادہ شرط نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالی ایسے شخص کو فعل کا حکم کر سکتا ہے جو اس فعل کا ارادہ نہ رکھتا ہو ہاں ایسے شخص کو حکم نہیں کرتا جو اس کا ارادہ کرنے پر اس سے عاجز ہو۔ اس بارے میں یہ فرق ہی فصلِ خطاب ہے۔

بعض شیعی عقاید: اللہ تعالی کی ذات وصفات کی بحث میں جو کچھ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس سے آپ کو یہ ضرور ثابت ہو گیا ہوگا کہ شیعی علماء کیا اعترض کرتے ہیں اور خود ان اعترضوں کے ان کے پاس کیا جواب ہیں خود ان میں کتنے فرقے ہیں اور ہر فرقہ کے اعتقادات کیا ہیں۔ آیا جو نکتہ چینیاں انہوں نے سینوں پر کی ہیں وہ خود الٹا انہی پر ہو سکتی ہیں یا نہیں کیونکہ اپنے ہاں کے بہت سے مسلمہ امور انہوں نے الفاظ بدل کے سُنیوں کے سر چپیک دئے ہیں۔ ناواقف دھوکا کھاتے ہیں اور پڑھے لکھے دانت پیستے ہیں۔ کسی کے عقائد کی گہرائی میں پہنچنا اصل میں اس کے مافی الضمیر کا پتہ لگانا ہے۔ اور یہ اس قدر محال معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اس میں ہاتھ ڈالتا ہو جھجکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعی اصحاب کے معتقدات کی آجتک کوئی کتاب ترتیب نہ دے سکا۔ عقائد دو قسم کے ہوتے ہیں ایک کتابی اور ایک عملی۔ عملی عقائد اکثر چھپ کے کئے جاتے ہیں۔ جن کی خبر سوائے کرنے والوں کے دوسرے کو مشکل سے ہوتی ہے کتابی عقاید بھی عام نظروں سے چھپے رہتے ہیں۔ کیونکہ کوئی کتاب تو ایسی ہے نہیں کہ اس

میں الف سے لے کر یے تک کل عقائد بالتفصیل درج ہیں۔ چند کسی کتاب میں ملیں گے۔ چند کسی کتاب میں اسی طرح سمجھ لیجیے۔ پھر کتابوں کا ملنا۔ دیکھنا اور عقائد کی علیحدہ فہرست بنانا ممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ آپ مجھے دیکھیں کہ شیعی کتب کے مطالعہ میں مجھے سالہا سال ہوئے ہیں اس پر بھی میں شیعی عملی اور کتابی عقائید کی کوئی فہرست نہ بنا سکا علاوہ کتابوں کے مطالعہ کے میرا نصف کنبہ یعنی ددیال شیعی مذہب رکھتا ہے میں ایک عرصہ تک ان میں رہا انکی ہر ہر بات پر کو دیکھا پھر بھی بعض رازدارانہ عقائد ایسے پائے جنکا کھوج مجھے اب تک نہ لگ سکا۔ بایں ہمہ جس قدر مجھے معلوم ہے وہ عام آگاہی کیلئے بہت کافی ہے۔ جس کا ذکر اختصار کے طور پر میں یہاں کروں گا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شیعی عقائد پر ابتدا سے باطنیہ کا اتنا بڑا اثر پڑا ہے کہ کل عقائد قریب قریب ان لوگوں کے وہی ہو گئے ہیں۔ ہمیشہ باطنیہ نے ہمارے شیعی علماء کی مدد کی ہے۔ باطنیہ گروہ وہ ہے جس کے عقائد کو اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ باطنیہ کا دارومدار صابیہ فلاسفہ پر ہے۔ جو پیغمبروں کی متابعت سے بالکل خارج ہیں۔ یہ لوگ دین اسلام کی پیروی تو ضروری نہیں خیال کرتے اور ساتھ ہی ادیانِ باطلہ کی پیروی کو حرام قرار نہیں دیتے۔ بلکہ وہ کل مذہب کو بمنزلہ ان سیاسیات کے ٹھہراتے ہیں۔ جنکا اتباع جائز ہے اور کہتے ہیں کہ نبوت سیاست عادلہ کی ایک قسم ہے جو دنیا میں مصلحت عامہ کی غرض سے مقرر کی گئی ہے۔ یہ لوگ نبوت کی مطلقاً تکذیب نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے بعض احوال پر ایمان لاتے ہیں۔ بعض کا انکار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناوقف آدمیوں پر انکا راز نہیں کھلتا ہے۔ ان عقائد کی تائید میں سب سے پہلی کتاب منہاج الکرامہ ہے۔ جو خدابندہ نامی بادشاہ کے لئے لکھی گئی تھی۔ اس عجیب کتاب میں بشرطیکہ اسے غور سے دیکھا جائے بہت سے چھپے ہوئے رازوں کا پتہ لگ جاتا ہے۔ مثلاً جا بجا منقول میں ایسی چیز کی تصدیق کی گئی ہے جسے تمام علماء بالاضطرار غلط جانتے ہیں۔ اسی طرح صریح اور متواتر حدیث کی ہر مقام پر تکذیب کی گئی ہے۔ جو ہر زمانہ میں تواتر کے درجہ پر رہی ہر جگہ دیکھ لیجیے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس مذکور کتاب میں ناقلین علم اور رواۃ احادیث میں ذرا بھی تمیز نہیں دی گئی۔ اسی طرح نہ کسی جھوٹ بولنے کی پرواہ کی گئی اور نہ کسی عادل، حافظ، علم و آثار کے یاد رکھنے

والے پر توجہ کی گئی۔ نفس الامر میں ان لوگوں کے اعتقاد و مذہب کا دار و مدار محض تقلید پر ہے۔ اگر چہ یہ لوگ اپنے خیالات میں اپنے عقائد کا دار و مدار براہنیات پر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے. محض تقلید کی وجہ سے کہیں انہیں معتزلہ اور قدریہ کی پیروی کرنی پڑتی ہے اور کبھی مجسمہ اور جبریہ کی۔ نظریات میں ان سب فرقوں سے زیادہ کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے علمائے دین کے نزدیک یہ ان فرقوں سے جادۂ حق سے ہٹے ہوئے ہیں۔ جو مسلمانوں میں داخل ہو گئے ہیں ان میں سے بعض نے دین میں وہ فساد پھیلایا ہے جسے رب العباد کے سوا اور کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ مشرکین اور دشمنان اسلام کو بسا اوقات اسلام پر چڑھائی کرنے میں انہوں نے ہی مدد دی ہے۔ جس سے مسلمانوں کے شہر تاخت و تاراج ہوئے۔ عورتیں قید کر لی گئیں، مسلمانوں کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا، ہزار ہا بے گناہ آدمی قتل کر دیئے گئے، غرض یہ ہے کہ ان لوگوں نے امت مرحومہ اور اسلامی شہروں کو اس قدر صدمہ پہنچایا ہے جس کا پوسکندہ بیان الفاظ میں ہونا محال ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے مذہب کی اصل ان زنادقہ منافقین کی ایجاد ہے جنہیں حضرت علی نے اپنی زندگی میں سخت سزا دی تھی۔ بعض کو آگ میں جلا دیا تھا۔ بعض کو قتل کر دیا تھا اور بعض علی کے پنجے سے بچ کے نکل گئے تھے۔ حضرت علی سے متعدد طریقوں سے متواتر مروی ہے کہ آپ نے کوفہ میں ممبر پر کھڑے ہو کے یہ فرمایا تھا۔ **خیر ھذہ الامۃ بعد نبیا ابو بکر ثم عمر.** یعنی اس امت میں اس کے نبی کے بعد سب سے بہتر اول ابوبکر اور پھر عمر ہیں۔ اسی طرح حضرت علی کے صاحبزادے محمد بن حنیفہ سے مروی ہے جس کو بخاری نے اپنی صحیح وغیرہ میں علماء حنفیہ سے نقل کیا ہے۔ اسی وجہ سے متقدمین شیعہ جو حضرت علی کی صحبت میں رہ چکے تھے یا اُس زمانہ میں تھے انہوں نے ابوبکر و عمر کی تفضیل میں کبھی نزاع نہیں کی۔ ہاں علی اور عثمان کی تفضیل میں ان کا بیشک نزاع تھا۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اوائل و اواخر میں اکابر علماء شیعہ بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔ ابوالقاسم بلخی اس کا گواہ موجود ہے۔ وہ کہتا ہے ایک شخص نے شریک بن عبداللہ سے پوچھا کہ ابوبکر افضل ہیں یا علی انہوں نے جواب دیا ابوبکر۔ سائل بولا۔ ہائیں! آپ شیعہ ہو کے ایسا کہتے ہیں فرمایا ہاں جو ایسا نہ کہے وہ شیعہ نہیں ہے۔ دیکھو میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ علی اس ممبر پر چڑھے اور علی الاعلان یہ فرمایا۔ الا

ان خیر ھذہ الامۃ بعد نبیا ابو بکر ثم عمر. اب تو ہی بتا کہ ہم ان کے ارشاد کو کس طرح رد کر سکتے ہیں۔ کس طرح ان کی تکذیب کریں خدا کی قسم وہ جھوٹے نہیں تھے۔ (یہ مقولہ عبدالجبار ہمدانی نے کتاب تثبیت النبوۃ میں نقل کیا ہے) وہ فرقہ جو باطنیہ، قدریہ، معتزلہ، مجسمہ اور صائبہ سے بنا ہے اس کی نسبت شعبی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے ان سے زیادہ کوئی لاعقل نہیں دیکھا اگر یہ پرندے ہوتے تو ضرور کرگس بنائے جاتے اور اگر چوپائے ہوتے تو ضرور گدھے ہوتے میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں اگر میں ان سے ایک گھر بھرا ہوا سونا مانگوں محض اس بات کے لئے کہ میں علی پر تہمت رکھوں گا کہ انہوں نے ابوبکر و عمر کو ایسا کہا ہے تو وہ بخوشی مجھے دیدیں گے۔ لیکن واللہ باللہ میں کبھی ان پر جھوٹ نہ بولوں گا۔ ابوحفص بن شاہین نے "کتاب اللطف بالسنہ" میں مالک بن مغول سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں شعبی فرماتے تھے کہ میں تمہیں ان خواہش پرست گمراہوں سے علیحدہ رہنے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ یہ اسلام میں اہل اسلام کو ستانے اور ان پر ظلم کرنے کی غرض سے داخل ہوئے ہیں۔ حضرت علی نے انہیں آگ میں جلا دیا تھا اور بہت سوں کو جلاوطن کر دیا تھا۔ منجملہ ان کے ایک عبداللہ بن سبا صنعا کا رہنے والا یہودی ہے۔ جسے آپ نے ساباط بھیج دیا تھا۔ دوسرا عبداللہ بن بسار ہے۔ جسے خارز کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ ان دونوں کے معتقدین کا طور طریق بالکل یہودیوں کا سا ہے۔ جیسا یہود کہتے ہیں کہ بادشاہت کے لائق سوائے آلِ داود کے اور کوئی نہیں ہے۔ اسی طرح سبائی اور یساری کہتے ہیں کہ امامت کے لائق سوائے اولادِ علی کے اور کوئی نہیں ہے۔ یہود مغرب کی نماز جب تک ستارے نہ جگمگا جائیں نہیں پڑھتے۔ اسی طرح یہ دو مذکور گروہ بھی کرتے ہیں۔ یہود نماز میں قبلہ سے کسی قدر ہٹ جاتے ہیں نماز میں کپڑے کو لٹکا لیتے ہیں یہود عورتوں کے لیے عدت کے قائل نہیں ہیں۔ یہودیوں نے توریت میں تحریف کر دی ہے۔ یہود مسلمانوں کو اسلام علیک نہیں کہتے۔ بلکہ السلام علیکم کہتے ہیں۔ (سام کے معنی موت کے ہیں) یہود، جری، مرماہی اور ذناب کو نہیں کھاتے۔ یہود جرابول پر مسح کرنا جائز نہیں کہتے۔ یہود سب کے مال کو اپنے کیے حلال سمجھتے ہیں۔ یہود نماز میں قرون پر سجدہ کرتے ہیں۔ یہود جبرائیل کو بے وقوف بتاتے اور کہتے ہیں۔ کہ فرشتوں میں سے یہ ہمارا دشمن ہے وغیرہ

وغیرہ. بالکل یہی عقائد عبداللہ بن سبا کے متبعین کے ہیں۔ جنہیں جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں۔
ابوالقاسم طبری نے شرح حصول السنہ میں وہب بن بقیہ واسطی کی حدیث سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

رافضہ کے لفظ کی تحقیق: یہ بات سخت معیوب ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اپنے مخالف گروہ کے نام چڑانے یا تحقیر کے لئے خود رکھ لئے ہیں۔ مثلاً بدعتی، رافضی، خارجی، مقلد اور غیر مقلد وغیرہ مگر ان میں بعض نام وہ ہیں. جو ایک گروہ نے خود اپنے لئے آپ تجویز کر لئے ہیں اور اس پر اس گروہ کے پیشواؤں نے صاد کر دی ہے۔ منجملہ ان کے ایک لفظ رافضہ ہے یہ لفظ اُس وقت سے مشہور ہوا ہے کہ جب ان لوگوں نے ہشام کی خلافت میں زید بن علی بن حسین کو رفض کر دیا۔ رفض کے معنی چھوڑنے کے ہیں۔ یعنی ان کا ساتھ چھوڑ دیا. زید بن علی کا واقعہ ۱۲۱ ہجری ہشام کی خلافت کے اخیر زمانہ میں ہوا ہے۔ ابوحاتم سبتی نے لکھا ہے کہ زید بن علی بن حسین 123 ہجری میں قتل کر کے ایک لکڑی پر لٹکا دئے گئے تھے یہ اہل بیت کیا فاضل اور علماء میں سے تھے جب انہوں نے خروج کیا ہے تو شعیوں کے دو فریق ہو گئے تھے۔ ایک کا نام رافضہ تھا دوسرے کا زیدیہ۔ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ زید بن علی سے کسی نے ابوبکر اور عمر کی بابت کچھ دریافت کیا. انہوں نے بہت اچھے الفاظ میں ان دونوں کی تعریف کی تو اسی وقت کچھ لوگ ان سے کنارہ کش ہو گئے اور ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ زید نے یہ دیکھ کے ان کی طرف خطاب کر کے کہا" رافضتمونی " تم نے مجھے چھوڑ دیا. بس اسی وقت سے اس گروہ کا نام رافضی پڑ گیا۔ وہ شیعہ جنہوں نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا اخیر میں زیدیہ کہلائے شعبی کا انتقال ہشام کی خلافت کے شروع میں یا ہشام کے بھائی یزید بن عبدالملک کی خلافت کے اخیر میں ۱۰۵ھ ہجری یا اُس کے قریب میں ہوا ہے اس وقت تک رافضہ کا لفظ مشہور نہیں ہوا تھا. اسی بنا پر ہم ان روایتوں کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ جن میں رافضہ کا لفظ موجود ہے۔ ہاں اس وقت یہ لوگ خشبیہ وغیرہ اور ناموں سے پکارتے جاتے تھے۔ شعبی سے بھی بعض روایات میں اسی طرح مروی ہے. جیسا کہ وہ ایک جگہ کہتا۔ مَا رَأيت احمق من الخشبيه . عقل باور کرتی ہے۔ دلائل موجود ہیں تاریخی واقعات شہادت دیتے ہیں کہ ان ہی خشبیہ کو اخیر میں رافضہ کہا گیا۔ ہاں یہ یہی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جب یہ کہا جائے

کہ رافضی ایسا کرتے ہیں تو اس سے یہ کبھی نہ سمجھا جائے کہ کل رافضی ایسا کرتے ہیں جیسے اللہ تعالی فرماتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ اِبْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ. وَقَالَتُ الْيَهُوْدُ يَدُاللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ. یہ بات سب یہودیوں نے نہیں کہی تھی بلکہ اس کے کہنے والے بعض تھے اسی طرح زید بن علی بن حسین کے ساتھ چھوڑنے والوں میں بعض کے یہ عقائد اور خیالات ہو گئے تھے کہ اُونٹ کا گوشت حرام ہے دو نمازوں کا جمع کر لینا جائز ہے فقط تین وقت کی نماز پڑھنا کافی ہے۔ بغیر گواہ مقرر کے طلاق نہیں ہوسکتی۔ مسلمان اور اہل کتاب کے جسم ناپاک ہیں۔ انکے ذبیحہ حرام ہیں۔ اگر ان کا پانی کسی چیز کو لگ جائے وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے۔ جھوٹے برتنوں کو سامرہ گروہ کی طرح دھوتے ہیں. تقیہ کرتے اور دلوں میں عداوت رکھتے ہیں. یہ اس نہر کا پانی نہیں پیتے تھے جو یزید نے کھدوائی تھی۔ حالانکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ان نہروں اور کنوؤں کا پانی پیتے تھے جو مشرکین نے کھدوائے تھے۔ وہ مشرکین کفار کا بنا ہوا پنیر نہیں کھاتے تھے۔ حالانکہ حضور انور ﷺ اور آپ کے صحابہ اس پنیر وغیرہ کو بے تکلف کھا لیتے تھے جو کفار کے ممالک سے بن کے آیا کرتا تھا. کفار کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے بلکہ ان کا زیادہ تر لباس کفار ہی کا بنا ہوا تھا. علیٰ ہذا القیاس۔ عشرہ کا لفظ بہت ہی نامبارک سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی عمارتوں میں دس ستون نہیں بناتے۔ غرض اسے بہت بُرا جانتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ جن صحابہ کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت رسول اللہ نے دی ان کی تعداد دس تھی۔ مثلاً ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید بن عمر بن نفیل، عبدالرحمٰن بن عوف۔ ابوعبیدہ بن جراح۔ ان میں سے علی کے سوا سب سے ناراض ہیں۔ اور ساتھ ہی سابقین اولین من المہاجرین والانصار سے جنھوں نے حضور انور ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کی تھی سخت غصہ میں ہیں۔ یہاں تک غصہ دشمنی کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ ان درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو تھی۔ قرآن مجید میں ان صحابہ کیلئے بشارت موجود ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ میں ان سے خوش ہوں۔ صحیح مسلم وغیرہ میں جابر سے مروی ہے کہ حاطب بن بلتعہ کے غلام نے حضور انور سے عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ میں قسم کھاتا ہوں حاطب ضرور دوزخ

میں جائے گا۔ حضور نے فرمایا تو جھوٹا ہے۔ کس طرح دوزخ میں جائے گا۔ وہ جنگ بندر اور جنگ حدیبیہ میں شامل ہو چکا ہے۔ یہ اور تماشا دیکھئے! کہ بجائے دس کے نو کا لفظ ان لوگوں میں بہت محبوب ہے. عشرہ بشرہ میں سے نو ہی ان کے معتوبین میں سے ہیں جیسا کہ ابھی بیان ہوا عشرہ بشرہ میں سے جب علی کو نکال دیا تو صرف نو ہی رہ گئے. ان ہی سے ہمارے دوست بہت خفا ہیں. خفگی یہاں تک ہے کہ اپنے یا اپنے بچوں کے نام ان ناموں پر نہیں رکھتے ہیں. حال آنکہ حضور انور کا طریقہ نہ تھا وہاں تو کفار اور مومنین کے نام یکساں یکساں تھے. مسلمانوں ہونے کے بعد بھی وہی نام قائم رہتا تھا. صحابہ میں عمرو نامی لوگ تھے اور کفار میں بھی اسی نام کے کئی آدمی تھے۔ مثلاً عمرو بن وودا د، عمرو بن ہشام صحابہ میں خالد بن سعید بن عاص سابقین اولین میں سے تھے اور مشرکین میں خالد بن سفیان ہذلی موجود تھا. صحابہ میں ہشام بن حکیم تھے. مشرکین میں ابوجہل کے باپ کا نام ہشام تھا صحابہ میں ایک کا نام عقبہ تھا مثلاً ابو مسعود عقبہ بن عمرو البدری دوسرے عقبہ بن عامر الجہنی تھے اسی طرح مشرکین میں عقبہ بن ابو میعط تھا. صحابہ میں علی اور عثمان تھے مشرکین میں بھی ان ناموں کے کئی آدمی تھے۔ مثلاً علی بن اُمیہ بن خلف جو جنگ بدر میں حالت کفر میں کام آیا۔ دوسرا عثمان بن طلحہ تھا جو اسلام لانے سے پہلے قتل ہو چکا تھا. ایسی مثالیں بہت سی ہیں. اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضور انور اور آپ کے صحابہ ان ناموں میں کسی نام کو اس وجہ سے برا نہیں سمجھتے تھے کہ یہ نام کسی کافر کا رکھا جا چکا ہے کافروں کے نام کو کبھی مکروہ نہیں جانا گیا. اب یہ بات زیادہ مزے کی ہے کہ جن صحابہ سے یہ سخت بیزار ہیں ان کے نام یہ لوگ نہیں رکھتے مگر حضرت علی نے وہ نام اپنے بچوں کے رکھے تھے۔ علی کی اولاد نے بھی اسی طرح اپنی اولاد کے وہ نام رکھے. لیکن ہمارے احباب اس بارے میں نہ حضرت علی کی متابعت کرتے ہیں نہ حسنین کی۔

امام منتظر: ہمارے دوستوں نے اپنے امام منتظر کے قیام کے لئے مختلف مقامات قرار دے رکھے ہیں مثلاً سرداب جو سامرا میں ہے اُس کا نشیمن بیان کیا جاتا ہے۔ انکا خیال ہے کہ امام یہاں چھپا ہوا بیٹھا ہے اس کی اور قیام گاہوں کا پتہ دیا گیا ہے۔ جہاں امام منتظر تشریف رکھتے ہیں۔ خوش اعتقاد اصحاب ان مقامات کے آگے گھوڑا یا خچر یا گدھا لا کے کھڑا رکھتے ہیں کہ جب امام باہر نکلے تو فوراً اس

پر سوار ہو جائے۔ صبح شام چند ساعت ان مقامات میں جا کے خود بھی اپنے امام کے نکلنے کا انتظار کرتے ہیں۔ بعض اوقات گھبرا گھبرا کے آوازیں لگاتے ہیں۔ "یـامـو لیـنـا اخـرج" یعنی حضرت باہر تشریف لائیے۔ اُس وقت یہ لوگ مسلح ہوتے ہیں بگر مولینا اندر سے جنبش نہیں کھاتے بعض خوش اعتقاد اپنا زیادہ وقت وہیں گزارتے ہیں۔ نماز نہیں پڑھتے محض اس خوف سے کہ ہم نماز پڑھ رہے ہوں اور وہ باہر نکل آئے اور پھر ہم اس کا کافی استقبال نہ کرسکیں۔ جو لوگ امام منتظر کے مسکن سے دور کے فاصلہ پر رہتے ہیں وہ زیادہ تر رمضان کے آخری دس دن میں مشرق کی طرف منہ کر کے صبح شام یہ شور وغل مچاتے رہتے ہیں۔ "یـا مو لینا اخوج" اگر مان بھی لیں کہ کوئی شخص چھپا ہوا کہیں بیٹھا ہوا ہے اور وہ ایک وقت خاص کا منتظر ہے تو آوازیں دے دے کے اس بیچارے کو تنگ کرنا اور قبل از وقت اس کے نکالنے کی کوشش کرنا عقل سلیم کے تو باکل خلاف ہے۔ جب خدا کا حکم ہوگا وہ خود نکل آئے گا۔ نہ اسے پکارنے کی ضرورت ہے نہ خچر اور گدھے کی۔ جب وہ نکلے گا سواری کا انتظام خدا ہی کی طرف سے ہو جائے گا۔ مگر یہ ساری دل خوش کن باتیں ہیں نہ کسی امام منتظر کی ضرورت ہے اور نہ وہ غاروں میں چھپ کے بیٹھ سکتا ہے۔ مگر ہمارے دوست اس معدوم نام کے عقیدے کو اپنے مذہب کا بہت بڑا جزو خیال کرتے ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ امامِ معدوم پر ایمان لائے بغیر دین کامل نہیں ہوتا۔ بعض مشرکین یہی اپنے معبودوں کو ایسا ہی سمجھتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ. وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. (آلِ عمران:۷۹تا۸۰)

یعنی کسی آدمی کو یہ زیبا نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب فہم اور نبوت عطا کرے پھر وہ لوگوں سے کہے تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ ہاں یہ کہنا زیبا ہے کہ تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھاتے اور خود پڑھتے رہتے ہو اور نہ وہ تمھیں یہ حکم کرے کہ تم فرشتوں کو یا نبیوں کو خدا بناؤ بھلا تمھارے مسلمان ہونیکے بعد وہ تمھیں کفر کا حکم کر سکتا ہے۔ پس جب فرشتوں اور نبیوں کو خدا سمجھنے

والوں کی یہ حالت ہے تو اس کی کیا حالت ہوگی جو ایسے معدوم کو امام سمجھے جس کا کہیں وجود ہی نہ ہو ترمذی وغیرہ میں عدی بن حاتم کی حدیث ہے. انہوں نے حضور انور سے دریافت کیا تھا یا رسول اللہ مشرکین کی پرستش کرنے کی کیا صورت ہے حضور انور ﷺ نے جواب دیا جن کے اِن لوگوں نے بُت بنا لیے ہیں انہوں نے بعض چیزیں اپنے لئے حلال اور بعض حرام کی لی تھیں پھر انہوں نے ان کی پیروی کی بس یہ ان کا پیروی کرنا ہی ان کی پرستش ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے موجودہ آدمیوں کو خدا سمجھ لیا تھا۔ اسی طرح ہمارے احباب معدوم امام کو خدا کے برابر سمجھتے ہیں اور حرام وحلال کو اسی پر معلق رکھتے ہیں۔ جس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ پھر اس معدوم پر ایمان لاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس نے یہ چیز حلال کی ہے۔ اور یہ حرام اسی اصول پر ان کا عمل ہے۔ اگرچہ وہ کتاب سنت اور اجماع سلف امت کے بالکل ہی خلاف کیوں نہ ہو. چنانچہ جب ان کے فرقہ میں اختلاف ہو کے دو قول ہو جائیں تو ان کے نزدیک حق قول وہ ہے جس کا قائل معدوم ہو بس یہ معصوم ومعدوم امام کا قول ہے ایسے ہی شخص کی حلال وحرام کی ہوئی چیزوں کو یہ حلال وحرام سمجھتے ہیں۔ جس کے موجود ہونیکی بابت ایک بھی شہادت نہ ہو۔

احباب کے دیگر معتقدات: لال بکری کا نام عائشہ رکھنا اور اُسے تکلیف دے دے کے قتل کرنا اسی طرح دو گدھوں کا نام ابوبکر، عمر رکھنا اور اُنہیں بھوکا پیاسا رکھ کے مارنا اس کا مفصل ذکر کتاب شہادت کے پہلے صفحوں میں آچکا ہے۔ ان میں زیادہ جدت پسند لوگ اپنے کتوں کے نام ابوبکر عمر رکھتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے کتوں کے نام دوزخیوں کے ناموں پر ہیں۔ اسی طرح ابولولو مجوسی کو بابا شجاع کا لقب دینا اور محض قاتل فاروق اعظم ہونے سے اس کی تعظیم کرنی یہ ہمارے دوستوں کا روزمرہ ہے۔ اب خیال کیجئے کہ بعض جانورں کے صحابہ پر نام رکھنے اور انہیں ایذا دینے سے صحابہ کی روحوں پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اگر ایسا ہی ہوتا تو مسلمان فرعون۔ ابولہب اور ابوجہل جن کے شدید کافر ہونے پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے جانوروں کے نام رکھ لیتے اور ان بے زبان جانوروں کو تکلیف دیتے۔ اور اس میں اپنی بڑی فتح سمجھتے کہ مسلمانوں کے ہاں تو یہ ہے کہ اگر غیر مسلم میدانِ جنگ میں

مارا جائے تو اسے مثلہ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ یعنی نہ اس کا پیٹ چاک کیا جائے نہ ہاتھ کان کاٹے جائیں اور نہ کسی عضو کی قطع برید کی جائے صحیح مسلم وغیرہ میں بریدہ سے مروی ہے کہ حضور انور رسول خدا جب کبھی لشکر یا رسالے پر کوئی افسر مقرر کرتے تھے تو اول اسے اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتے تھے اور پھر یہ فرماتے تھے کہ اپنے ہمراہی مسلمانوں سے اچھا برتاؤ کرنا۔ اور پھر سہ بارہ فرماتے تھے اللہ کے منکر جو تم سے لڑنے کیلئے آئیں ان سے لڑنا مقتولین کے ہاتھ پیر نہ کاٹنا بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ حضور انور رسول اللہ اکثر اوقات خطبے میں صدقے کا حکم دیتے اور ساتھ ہی مثلہ کرنے سے منع کرتے تھے۔ آپ ﷺ اسے سخت وحشی پن اور بزدلی خیال فرماتے تھے اور وہ شخص جو اپنی مدافعت نہ کرسکتا ہو اس پر ہاتھ اُٹھانا سخت بزدلی ہے۔ اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ جن لوگوں سے ہمارے احباب بغض رکھتے ہیں اگر بفرضِ محال وہ کافر بھی تھے اور اب وہ مرچکے ہیں تو ان کے مرجانے کے بعد ان کے جسموں کو مثلہ کرنا ان کو مارنا ان کے پیٹ چاک کرنا اور ان کے بال اکھیڑنے کسی طرح بھی جائز نہیں ہیں۔ اور ان کے نام کسی بے زبان جانور کے رکھ لینے اور ان جانوروں پر یہ ستم توڑنا سخت وحشیانہ اور نہ انسانیت کا فعل ہے ایک بیچاری بکری جسے محض اس لئے ایذا دی جاتی ہے کہ اس کا نام عائشہ رکھا ہے کس قدر خلاف انسانیت فعل ہے اسلام میں کسی جانور یا انسان کو ناحق ایذا دینا حرام مطلق ہے۔

مُردوں کا ماتم: جنہیں قتل ہوئے یا مرے ہوئے صد ہا برس گزر گئے ہمارے احباب ان کا ماتم کرتے ہیں حالانکہ اس قسم کا ماتم اور نوحہ کرنا اللہ اور اللہ کے رسول نے قطعی حرام کردیا ہے۔ اگر قتل یا وفات کے وقت ایسا ہوتا تو بھی نوحہ کرنے والوں کی ایک حد تک معذوری سمجھی جاتی مگر صد ہا سال کے بعد اسی طرح ان کا نوحہ کرنا اللہ اور اللہ کے رسول نے قطعی حرام کردیا ہے صحیح بخاری میں حضور انور ﷺ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا جو شخص کسی کے مرنے پر اپنا منہ پیٹے گریبان چاک کرے اور زمانہ جاہلیت کی طرح واویلا کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حالقہ، صالقہ، اور شاقہ سے میں بیزار ہوں۔ حالقہ وہ ہے جو مصیبت کے وقت اپنے بال مونڈے اور صالقہ وہ ہے جو مصیبت کے وقت واویلا کرے اور شاقہ وہ ہے کہ جو کپڑے پھاڑے ایک حدیث میں آیا ہے کہ

جس پر واویلا کیا جائے اُسے عذاب دیا جاتا ہے۔اس مضمون کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں اگر ہم امام حسین کو شہید مان لیں تو انبیاء اور غیر انبیاء میں سے ظلماً ایسے ایسے آدمی قتل ہوئے ہیں۔عثمان بن عفان، بھی ظلماً قتل کیے گئے۔ان کا قتل ہونا سب سے بڑا اور ان فسادوں سے سب سے پہلا فساد تھا۔ جو حضور انور کی وفات کے بعد ہوئے تھے۔غرض ان کے قتل ہونے پر ایسے ایسے فساد برپا ہوئے جو اور کسی کے قتل کے فسادوں سے بدرجہا زیادہ تھے۔ان کے علاوہ اور بہت سے آدمی قتل بھی ہوئے اور اپنی موت سے بھی مرے مگر ایک مدت مدید اور عرصہ دراز کے بعد ان میں سے کسی میت اور کسی مقتول پر بھی مسلمانوں نے کبھی نوحہ اور ماتم نہیں کیا۔ایک لکڑی پیلو کی قسم سے ہے ہمارے احباب اُسے اس لئے نہیں جلاتے کہ اس پر امام حسین کا خون پڑ گیا تھا۔یہ عجیب اعتقاد ہے کہ ایک لکڑی پر خون گرا اور اس سے کل لکڑیاں حرام ہو گئیں۔اللہ تعالیٰ نے انقطاعی طور پر اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ جب تمہیں مالوں، جانوں، اور پھلوں کے نقصانات کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں تو تمہیں کیا کرنا چاہیئے۔چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. (البقرہ:۱۵۵۔۱۵۶) یعنی اور البتہ ہم تمہیں کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور مالوں کے اور جانوں کے اور پھلوں کے نقصان سے آزمائیں گے اور دیکھیں گے کہ تم صبر کرتے ہو (یا نہیں) اور اے محمد ایسے صبر کرنے والوں کو خوشخبری سُنا دو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم تو اللہ کے ہیں۔(اسے اختیار ہے چاہے جو کچھ کرے) اور بیشک ہمیں اُس کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔اس آیت نے تمام ماتموں کا خواہ مقتول پر کیے جائیں یا میت پر فیصلہ کر دیا۔سوائے اس کے کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہا جائے اور کوئی حکم نہیں ہے۔

مسئلہ امامت: شیعی علماء فرماتے ہیں کہ مسئلہ امامت مسلمانوں کے اشرف مسائل میں سے ہے امامت کے حاصل ہونے پر کرامت کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے ارکانِ ایمان میں سب سے بڑا رکن ہے اس کے سبب سے انسان جنتی بھی ہو جاتا ہے اور اللہ کے غضب سے نجات پانے کا مستحق بھی بن جاتا ہے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔من مات ولم یعرف امام زمانه مات میته جاهلية. یعنی جو

شخص اس حالت میں مر گیا کہ وہ اپنے زمانے کے امام کو نہیں جانتا تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا وغیرہ وغیرہ۔

پہلا جواب: جو شخص یہ کہے کہ مسئلہ امامت احکام دین میں اہم مطالب اور مسلمانوں کے اشرف مسائل میں ہے وہ بالکل غلط کہتا ہے۔ اس کے غلط اور جھوٹ ہونے پر سنی شیعہ دونوں کا اتفاق ہے بلکہ یہ کہنا ہمارے خیال میں کفر ہے۔ کیونکہ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لانا مسئلہ امامت سے زیادہ اہم ہے اور یہ دینِ اسلام سے بالاضطرار معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ کافر اس وقت تک مسلمان اور مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک اس بات کی شہادت نہ دے کہ بجز اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ﷺ ہیں علی کو جب حضور انور نے خیبر بھیجا تو یہ ہدایت فرمادی تھی کہ تم ان لوگوں پر تلوار نہ اُٹھانا جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہوں اور کہیں نماز پڑھتے ہوں اور زکوۃ دیتے ہوں اور امامت کا کبھی کچھ تذکرہ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''فَاِنْ تَابُوْ وَاَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنَ'' یعنی اگر وہ کفر سے توبہ کر لیں اور نماز پڑھ لیں اور زکوۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ پس توبہ کر لینے پر انہیں دینی بھائی ٹھہرا دیا ہے۔ حضور انور کے زمانے میں جب کافر اسلام قبول کر لیتے تھے تو ان پر اسلام کے احکام جاری کر دیئے جاتے تھے۔ امامت کا تو ان سے کبھی کوئی ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔ نہ اہل علم میں سے کسی نے اسے حضور انور سے نقل کیا۔ نہ بطور نقل خاص کے نہ عام کے. ہم بالاضطرار یقیناً جانتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے اس وقت کہ جب لوگ دین خدا میں داخل ہوتے تھے امامت کا مطلق ذکر نہیں کیا نہ کنایۃً نہ وضاحۃً. پھر بھلا یہ احکام دین کے مسائل میں کس طرح داخل ہوسکتا ہے اس کی اور زیادہ تشریح اس سے ہوجاتی ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ امامت سے واقفیت ہونی ضروری ہے تو بھی اس کی ان صحابہ کو ضرورت نہیں ہوسکتی جو حضور انور رسول خدا کے زمانہ حیات ہی میں انتقال کر چکے تھے۔ نہ اس کے حکم کے التزام کی انہیں ضرورت ہے جو حضور انور ﷺ کے زمانہ میں زندہ تھے سوائے حضور انور ﷺ کی وفات کے بعد کے جب یہ کیفیت ہے. پھر یہ مسلمانوں کے اشرف مسائل اور احکام دین کے اہم مطالب میں سے کیونکر ہوسکتا ہے۔ باوجودیکہ حضور انور ﷺ کے زمانہ میں اس کی کسی کو بھی ضرورت نہ ہوئی۔ کیا وہ لوگ جو حضور انور ﷺ کی

زندگی میں آپ پر ایمان لائے تھے اور ظاہر و باطن ہر طرح آپ کی پیروی کرتے تھے اور مرتد وغیرہ نہیں ہوئے تھے۔ وہ باتفاق سنی شیعہ تمام مخلوق سے افضل نہیں ہیں پھر بھلا یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ افضل للمسلمین کو دین کے اہم مطالب اور مسلمانوں کے اشرف مسائل کی ضرورت نہ ہو۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضور انور ﷺ اپنی زندگی میں خود ہی امام تھے۔ دوسرے امام کی ضرورت آپ کی وفات کے بعد ہوئی ہے۔ اس لئے حضور انور کی زندگی میں یہ مسئلہ دین کا اہم مسئلہ نہ تھا بلکہ یہ آپ کی وفات کے بعد اہم مسئلہ ہوا ہے تو اس پر چند باتیں غور طلب ہیں۔ اول یہ کہ اگر یہ بات صحیح بھی ہو پھر بھی یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ یہ علی الاطلاق دین کا اہم مسئلہ ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ کسی وقت میں نہیں ہے اور کسی وقت میں نہیں ہے اور بہترین اوقات میں نہ وہ احکام دین میں سے اہم مطالب ہے اور نہ مسلمانوں کے لئے اشرف مسائل ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ پر اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کا مسئلہ ہر وقت اور ہر جگہ اس مسئلہ امامت سے بڑھا ہوا ہے۔ لہٰذا یہ کسی وقت بھی نہ اہم رہا۔ نہ اشرف رہا۔ تیسرے حضور انور کی طرف سے آپ کے بعد آپ کی زندہ رہنے والی امت کے لئے اس کا بیان ہونا ضروری تھا جیسا کہ ان کے لئے حضور انور ﷺ نے نماز، روزہ، زکوۃ، اور حج کے امور بیان کر دیئے۔ اور اللہ پر ایمان لانے اس کی توحید اور آخرت پر یقین کرنے کو آپ نے خاص طور پر بیان کر دیا۔ پھر کیوں اور کس لئے امامت کا مسئلہ بیان نہیں کیا۔ قرآن مجید اور حدیث رسول اللہ میں امامت کے مسئلہ کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ امامت ہر زمانے میں اہم ہے۔ حضور انور ﷺ نبی بھی تھے اور امام بھی آپ پر ایمان لانے والے سب اس بات کو جانتے تھے کہ آپ اس زمانہ کے امام ہیں۔ یہ عذر کرنا چند وجہ سے باطل ہے۔ اول یہ کہ قائل کے اس کہنے سے کہ امامت احکام دین میں اہم مطالب ہے یا تو اثنا عشر کی امامت مراد ہے۔ یا ہر زمانے کے خاص خاص امام کی امامت مراد ہے اس طرح کہ ہمارے زمانہ میں محمد منتظر کی امامت پر ایمان لانا اہم ہو اور خلفاء اربعہ کے زمانے میں شیعوں کے نزدیک علی کی امامت پر ایمان لانا اہم ہو یا امامت کے احکام پر مطلقاً ایمان لانا مراد ہو۔ یعنی کسی کی کچھ تخصیص نہ ہو یا کوئی چوتھے معنی مراد ہوں۔ بہر حال کچھ ہو، اب سنئے پہلے معنی کی نسبت تو ہر شخص

بدیہ طور پر جانتا ہے کہ صحابہ اور تابعین میں یہ امامت ہرگز شائع وذائع نہیں تھی بلکہ خود شیعہ بھی یہ کہتے ہیں کہ اثنا عشر میں سے ہر شخص یکے بعد دیگرے اس طرح مقرر ہوتا تھا کہ پہلا اس کے لئے نص کر جاتا تھا کہ میرے بعد وہ امام ہوگا۔اس سے بھی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ مسئلہ امامت امور دین کے اہم مطالب میں نہیں ہے۔باقی دوسرے معنی مراد لینے کی حالت میں ہر زمانہ میں اسی زمانہ کے امام پر ایمان لانا اہم مطالب ہوگا۔شیعوں کے نزدیک جو کہ ہمارے اس زمانہ کا امام ۲۶۰ ہجری سے لے کے اب تک کہیں چھپا ہوا بیٹھا ہے۔جس کا نام محمد بن حسن ہے۔بے شک اس زمانے سے اب تک برابر محمد بن حسن پر ایمان لانا اہم ہے۔اور یہ ایمان کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لانے۔اللہ پر اللہ کی کتابوں پر، اس کے فرشتوں پیغمبروں پر، مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر، نماز، روزے، حج، زکوۃ اور واجبات پر ایمان لانے سے بچ بچ بدرجہا بڑھکے ہے۔باوجود اس کے کہ دین اسلام سے اس کا باطل اور بے اصل ہونا آفتاب کی طرح روشن ہے۔لطف یہ ہے کہ امامیہ کا بھی یہ قول نہیں ہے وہ علی کی امامت کو اس غایت مختصر کی امامت سے بدرجہا زیادہ مہتم بالشان کہتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوگیا دین کے معاملہ میں امامیہ کتنے فائدہ میں ہیں کیونکہ انہوں نے امام معصوم اسی امام کو ٹھہرا رکھا ہے جو معدوم ہے نہ اس سے انہیں دین کا کوئی فائدہ ہے نہ دنیا کا۔اور اگر ہمارے دوست یہ کہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حکم امامت پر مطلقاً ایمان لانا امور دین میں سب سے زیادہ اہم ہے تو یہ بھی باطل ہے۔کیونکہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اسکے مقابلہ میں اور امور دین ایسے اہم ہیں جن کے آگے اس کی کوئی ہستی نہیں ہے۔ان کے علاوہ اگر کوئی اور معنی مراد ہیں تو وہ بتانے ضروری ہیں۔تاکہ ان پر اسی وضاحت سے بحث کی جائے۔

دوسرا جواب: یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ لوگوں پر حضور انور کی طاعت آپ کے امام ہونے کی وجہ سے واجب نہیں ہے بلکہ رسول ہونے کی وجہ سے واجب ہے.اور طاعت کا یہ وجوب نہ صرف آپ کی زندگی کے لئے ہے بلکہ وفات کے بعد بھی اسی طرح قائم رہتا ہے۔مثلاً جو لوگ آپ کے زمانہ زندگی میں آپ کے سامنے موجود تھے۔ان پر آپ کے امر ونہی کی اطاعت اسی طرح واجب تھی جو آپ کے بعد ہوئے اور جنہوں نے نہ آپ کو دیکھا نہ آپ کے امر ونہی اپنے کانوں سے سُنے۔مگر ائمہ

میں سے یہ بات کسی کو نصیب نہیں ہے۔ یہ امامت اور رسالت میں بعد المشرقین ہے .دیکھو حضور انور ﷺ نے چند احکام معین لوگوں کو دیئے اور چند بالکل خاص خاص آدمیوں کو دوسرے حکم دیئے اس پر بھی آپ کے احکام نہ معین اشخاص کے ساتھ نہ دوسرے خاص خاص آدمیوں کے ساتھ مخصوص ہونگے۔ بلکہ وہ اپنے نظائر وامثال میں سب آدمیوں کے لئے قیامت تک جاری رہیں گے۔ چنانچہ حضور انور ﷺ کا حاضرین سے یہ ارشاد کرنا کہ مجھ سے پہلے تم رکوع یا سجدہ میں نہ چلے جایا کرو ایک ایسا حکم ہے جو ہر امام کے مقتدی کے لئے ثابت ہے کہ وہ اپنے امام سے پہلے رکوع اور سجدہ میں کبھی نہ جائے۔ اسی طرح ایام حج میں کسی نے حضور انور سے دریافت کیا تھا۔ کہ حضرت میں نے رمی کرنے سے پہلے بے خبری میں سر منڈوا لیا۔ ارشاد ہوا کوئی ہرج نہیں اب رمی کر لو۔ دوسرے نے عرض کیا حضرت میں نے سر منڈوانے سے پہلے قربانی کر لی ہے۔ ارشاد ہوا کوئی ہرج نہیں۔ اب سر منڈوالو۔ غرض ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ بخلاف امام کے کہ یہ باتیں اسے میسر نہیں ہیں۔ یہ بات زیادہ غور و توجہ سے سننے کی ہے کہ حضور انور ﷺ کے بعد کے خلفائے آپ کے امر و نہی کے جاری کرنے میں مثل ان خلفاء کے ہیں جو حضور انور کی زندگی میں تھے۔ لہٰذا جس حاکم کی کسی حکم میں طاعت کرنی واجب ہو۔ اس کی یہی وجہ ہوتی ہے۔ کہ وہ حکم رسول اللہ کا ہے یہ حاکم فقط اس کا اجرا کرتا ہے. کیونکہ اللہ نے لوگوں کی طرف فقط رسول ہی کو بھیجا ہے۔ اسی کی طاعت ان پر فرض کی ہے۔ رسول کی اطاعت ہرگز اس لئے نہیں کی جاتی کہ وہ امام ہے۔ اُس کے بہت سے معین و مددگار ہیں اس کا رعب چھایا ہوا ہے۔ یا اس کی امامت کا لوگوں نے اس سے عہد و پیمان کر لیا ہے۔ مگر ائمہ کی طاعت کے لئے ان کے لئے ان کل اسباب اور لوازمات کی ضرورت ہے اور ان ہی پر ان کی طاعت موقوف ہے۔ اب رسول کی طاعت لو جو ہر حالت میں ضروری ہے۔ اگر چہ اس کے ساتھ ایک بھی آدمی نہ ہو. حالانکہ اس کی سب ہی نے تکذیب کر دی ہو۔ ہمارے رسول مقبول کی اطاعت آپکے انصار و مددگار ہونے سے پہلے بھی ضروری تھی۔ جنہوں نے آپ کے ساتھ ہو کے جہاد کیا ہے پس وہ بعینہ ایسے ہیں جیسا ان کی بابت اللہ نے فرمایا ہے۔ ”وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ

يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـئًا وَ سَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ. (آل عمران:۱۴۴)

اس کا ماحصل یہ ہے کہ رسول کا وفات پانا یا قتل ہونا رسالت حکم میں ذرا فرق نہیں ڈال سکتا جیسا کہ ائمہ کے مرنے کے یا قتل ہونے سے امامت کے حکم میں فرق آ جاتا ہے۔ رسول ہونے میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ رہے کبھی نہ مرے کیونکہ وہ خُدا نہیں ہے بلکہ وہ رسول ہے اس سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔ اس نے اپنی رسالت پوری کر دی. امانت ادا کر دی، نصیحت کر دی اور کل حقوق ادا کر دیئے۔ لہٰذا اس کی اطاعت اس کے مرنے کے بعد بھی ایسی ہی واجب ہے۔ جیسی اسکی زندگی میں تھی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ اس کے مرنے سے دین بالکل کامل اور مستقر ہو گیا ہے اس میں کسی حکم کے منسوخ ہونے کا احتمال نہیں رہا۔

شیعی اصحاب جو یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ اپنی زندگی میں امام تھے اور آپ کے بعد دوسرا امام ہو گیا اس سے اگر ان کی یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد والا آپ کے برابر ہو گیا۔ اور اس کی ایسی ہی اطاعت کی جائے جیسے رسول اللہ کی کی جاتی تھی۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ اور اگر ان کی یہ مراد ہے کہ وہ رسول اللہ کا امر و نہی جاری کرنے میں آپ کے خلیفہ کا قائم مقام ہو گیا ہے تو اس سے کچھ مطلب نہیں نکل سکتا کیونکہ ایسا تو حضور انور کی زندگی میں بھی ہوتا تھا۔ جب کبھی آپ باہر تشریف لے جاتے تھے تو آپکا خلیفہ وہاں رہتا تھا اور اگر ہمارے دوست یہ فرمائیں کہ رسول اللہ اپنی وفات کے بعد کسی خاص آدمی کو حکم نہیں کر سکتے۔ بخلاف آپ کی زندگی کے تو اس کا جواب ہے کہ حضور انور کی طاعت واجب ہونے میں آپ کا کسی خاص کو حکم کرنا شرط نہیں ہے بلکہ جسے آپ کے امر و نہی کی خبر ہو جائے اسی پر آپ کی اطاعت کرنی ایسی ضروری ہے۔ جیسا کہ آپ کے کلام سُننے والے پر ضروری ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ حاضر کو چاہیے کہ وہ غیر حاضر کو احکام پہنچا دیا کریں کیونکہ بسا اوقات سُننے والے سے نہ سُننے والا زیادہ یاد رکھتا ہے پس جب یہ کہا جائے کہ حضور انور امام تھے اور اس سے ایسی امامت مراد لی جائے جو رسالت سے خارج ہو یا ایسی امامت جس میں وہ شرطیں ہوں جو رسالت میں نہیں ہیں۔ یا وہ امامت کہ اس میں رسول کی اطاعت کا اعتبار نہ کیا جائے تو یہ سب باطل ہے۔ کیونکہ

جو امور قابل اطاعت ہیں وہ سب رسالت میں داخل ہیں اور جن امور میں رسول کی اطاعت کی جاتی ہے وہ اسی لیے کی جاتی ہے کہ یہ اللہ کا رسول ہے اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ رسول فقط امام ہی ہے تو اس کی اطاعت اس وقت تک نہ کی جائے گی۔ جب تک اس کی اطاعت کرنی کسی دوسرے رسول کی اطاعت میں داخل نہ ہوگی۔ کیونکہ اطاعت تو اللہ تعالی کی اور اللہ تعالی کے رسول ہی کو واجب ہے یا ان کی جن کی اطاعت کا رسولوں نے حکم دیا ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ میں اس کی امامت کی اس طرح اطاعت کرتا ہوں کہ یہ اس کی رسالت میں داخل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا بالکل بے سود ہے کیونکہ اس کی اطاعت واجب ہونے میں محض اس کی رسالت ہی کافی ہے۔ بخلاف امام کے اس لئے کہ وہ ان اعوان ہی کے سبب سے امام ہوتا ہے۔ جو اس کے حکم کو جاری کرتے ہیں ورنہ وہ مثل ایک عالم دیندار کے ہے۔ اس پر اگر کوئی کہے جب مدینہ میں رسول اللہ کا تسلط ہوگیا تھا تو آپ رسول ہونے پر امام بھی ہوگئے یہ کیا بات ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور انور کے رسول ہوتے ہی آپ کے اعوان وانصار ہوگئے تھے۔ جو آپ کے حکم کو جاری کرتے تھے۔ اور آپ کے مخالفوں سے لڑتے تھے۔ اور جب تک آپ اس زمین پر رہے تمام مسلمان آپ کے ایسے ہی اعوان اور انصار تھے بایں ہمہ آپ کو اعوان سے ایسا فائدہ نہیں ہوا جس کو رسالت کے ساتھ ملانے کی ضرورت ہو جیسا کہ امام یا حاکم کو ہوتی ہے کیونکہ یہ سب امور ان کی رسالت میں داخل تھے۔ ہاں اعوان ہونے سے قدرت وطاقت کی تکمیل بیشک ہوئی۔ جس کی وجہ سے جہاد وغیرہ کے احکام ایسے ضروری ہوگئے جو بلا قدرت واستحکام کے ایسے ضروری نہ تھے۔ اس میں شک نہیں کہ قدرت اور عجز۔ علم اور عدم علم کے احوال مختلف ہونے سے احکام بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ جیسا غنی اور فقیر صحت اور مرض کے اختلاف سے ان میں اختلاف آجاتا ہے۔ لیکن مومن ان سب اعمال میں اللہ کا اللہ کے رسول کا مطیع ہی ہوتا ہے۔ بلکہ حضور انور بھی ان سب امور میں اللہ کے مطیع ہیں۔ اگر امامیہ یہ کہیں کہ بخلاف رسالت کے امامت ازروئے عقل کے واجب ہے۔ اس اعتبار سے امامت رسالت سے زیادہ اہم ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وجوب عقلی اختلافی مسئلہ ہے۔ اور

وجوب عقلی کے قول پر امامت جو واجب ہوتی ہے وہ واجبات عقلیہ کے اجزا میں ایک جز ہے. امامت کے سوا اور چیزیں اس سے بھی زیادہ واجب ہیں۔ مثلاً توحید، صدق اور عدالت وغیرہ یہ سب واجبات عقلیہ ہیں۔اس کے علاوہ جس شخص کو یہ ثابت ہو جائے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔اور ان کی اطاعت و پیروی مجھ پر واجب ہے۔اس یقین کے بعد حتی الوسع اُس نے آپ کی اطاعت کی تو اب اگر اسے جنتی کہا جائے تو یہ مسئلہ امامت سے بالکل مستغنی ہو گیا۔اور اگر یہ کہا جائے کہ جنتی نہیں ہے تو یہ کہنا نصوص قرآن مجید کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کی ہے کئی موقع پر جنت دینی واجب کر دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد کرتا ہے۔ **وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا.** پھر فرمایا **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.** اس کے علاوہ یہ صاحب زمانہ جس کا ہمارے احباب بہت شور مچاتے ہیں لوگوں کے لئے اس سے واقف ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ نہ کسی کو یہ معلوم ہوتا کہ وہ ہمیں کسی چیز کا امر کرتا ہے۔ کس چیز سے منع کرتا ہے اور ہمیں کیا خبریں دیتا ہے اور اب اگر کسی کے سعید ہونے کا دارومدار اسی کی طاعت پر ہے۔ جس کا نہ امر معلوم ہوتا ہے نہ نہی کی خبر ہوتی ہے۔ تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نجات وسعادت اور اللہ کی اطاعت کا طریق کسی کی قدرت میں نہ ہو سب اس سے عاجز و مجبور ہوں یہ درحقیقت اعلی درجہ کی تکلیف مالا یطاق اور لوگوں کو سب سے بڑے محال میں دھکیلنا ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ وہ اسی چیز کا امر کرتا ہے جس پر امامیہ ہیں کہ اسی بناء پر اس کے وجودِ مشہود کی اصلا ضرورت نہیں ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مر گیا ہو۔ حاضر ہو یا غائب ہو اور جب بغیر اس انتظار والے امام کے اللہ نے ان احکام کی معرفت ممکن ہے۔ جس کا حکم اس نے مخلوق کو دیا ہے۔ تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اب اس امام کے موجود ہونے کی کسی کو کچھ حاجت نہیں ہے نہ اس پر اللہ کی طاعت موقوف ہے نہ اس پر کسی کی نجات اور سعادت کا دارومدار ہے۔ اور اس وقت ایسے شخص کی امامت کو جائز کہنا ممتنع ثابت ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ

کوئی ایسی کہ امامت کے وجوب کا قائل ہو سمجھ دار آدمی کیلئے تو یہ صاف ظاہر ہے۔ خواہ ہمارے عزیز دوست امامیہ اس پر غور فرمانے کی تکلیف نہ برداشت کریں۔ دوسرے واجبات عقلیہ اور شرعیہ کا اور شرعیہ کا کرنا اور مستحبات عقلیہ اور شرعیہ کا نہ کرنا یا تو اس منتظر کے امر و نہی معلوم ہونے پر موقوف ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر موقوف ہے تو تکلیف مالا یطاق لازم آتی ہے۔ اور یہ بھی کہ واجبات کا کرنا اور محرمات کا نہ کرنا ایک ایسی شرط پر موقوف ہے جس پر عام لوگ تو در کنار اِن میں سے ایک آدمی بھی کسی قادر نہیں ہے۔ سچ مچ روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں ہے جو اس بات کا سچا دعوی کرے کہ میں نے اس منتظر کو دیکھا یا اس کا کلام سُنا۔ ہاں اگر اس پر موقوف نہیں ہے تو واجبات عقلیہ اور شرعیہ کا کرنا اور قبائح عقلیہ اور شرعیہ کا نہ کرنا اس منتظر کے بغیر ممکن ہے تو اب اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ نہ اس کا وجوب واجب ہے نہ اس کے شہود کی ضرورت ہے۔ تعجب تو اس بات کا ہے کہ ہمارے احباب نے غریب مخلوق کی نجات۔ اس کی سعادت اللہ اور اللہ کے رسول کی طاعت کو ایسی ممتنع الوجود شرط پر معلق کر دیا ہے۔ جس پر ان میں سے کسی کو کچھ قدرت نہیں ہے۔ ہمارے دوست لوگوں سے کہتے ہیں۔ ہم میں بغیر اسکے اللہ کے عذاب سے کوئی نجات نہیں پا سکتا۔ نہ بغیر اس کے کوئی مومن ہو سکتا ہے۔ نہ بغیر اس کے کوئی سعید ہو سکتا ہے۔ لہذا ہمارے امامیہ دوستوں پر دو باتوں میں سے ایک بات ضرور لازم آتی ہے۔ تا تو ان کا یہ کہنا غلط اور جھوٹ ہے۔ یا اللہ نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے نا امید کر دیا ہے اور ساری مخلوق پر خواہ وہ مومن ہو یا غیر مومن اپنا عذاب لازم کر دیا ہے۔ اس تقدیر پر ہمارے دوست عذاب کی کس حد تک پہنچتے ہیں۔ اس کا اندازہ کر لیا جائے۔ کیونکہ ان میں سے کسی کو بھی اس امام کی حالت کے معلوم کرنے کا طریقہ معلوم نہیں ہے۔ جس کی نسبت عقیدہ ہے کہ وہ موجود غائب ہے۔ نہ اس کے امر و نہی کی کسی کو خبر ہے۔ نہ اس کی کیفیت کسی کو معلوم ہے بلکہ ان کے پاس وہ اقوال ہیں. جو شیوخ رافضہ سے منقول ہیں۔ جن کی بابت یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اس منتظر سے بھی پہلے ائمہ سے منقول ہیں۔ لیکن اس منتظر سے یہ ایک حرف بھی نقل نہیں کرتے ہیں اس صورت میں اگر یہ اقوال کافی ہیں تو اس منتظر کی کوئی حاجت نہ رہی اور اگر کافی نہیں ہیں تو خود ان کا اپنی زبوں تریں حالت کا اقرار ہو گیا۔ کیونکہ ان

کی سعادت ایسے امر پر موقوف ہے۔جس کے امر کرنے وغیرہ کی انہیں ذرہ بھی برابر خبر نہیں ہوتی۔ بڑے بڑے شیوخ رافضہ کہتے ہیں کہ جب امامیہ میں اختلاف ہو کے دو قول ہو جائیں جن میں سے یب کا قائل معلوم ہو اور دوسرے کا معلوم نہ ہو تو بس حق قول یہی ہے کہ جس کا قائل معلوم نہیں ہے۔ اس کا اتباع کرنا واجب ہے۔کیونکہ منتظر معصوم اسی گروہ میں ہے۔اب آپ خود ہی اس عقل و دانش پر غور فرمائیں بر تقدیر اس منتظر معصوم کے موجود ہونے پر بھی کوئی نہیں جانتا کہ یہ اس کا قول ہے اس لئے کہ اس سے کسی نے کچھ نقل نہیں کیا۔نہ اس کے ناقلین سے کسی نے کچھ نقل کیا لہٰذا اس پر کس طرح یقین ہو سکتا ہے کہ یہ اسی کا قول ہے کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ دوسرا قول بعینہ اس کا ہوا اور وہ اپنے پوشیدہ ہونے اور ظالموں سے ڈرنے کی وجہ سے اسے ظاہر نہ کر سکتا ہو جیسا کہ اس کی بابت شیعی علماء اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیعوں کے دین کا دارومدار بقول ان کے ایک مجہول اور معدوم چیز پر ہے۔ان کا گمان ہے کہ ہمارا امام موجود معصوم ہے۔حالانکہ وہ مفقود اور معدوم ہے اگر بفرض محال وہ موجود بھی ہے تو اس کا یہ خود اقرار کرتے ہیں کہ اس کے امر و نہی کو ہم نہیں جان سکتے جیسا کہ اپنے بزرگوں کے امر و نہی جانتے ہیں۔حالانکہ امام کے ہونے سے اس کے حکم کی طاعت مقصود ہوتی ہے اور جب اس کے ہونے سے یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کا حصول ممتنع ہے۔تو پھر اس کے وسیلہ کے ثابت کرنے میں ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہے۔بلکہ ایسا وسیلہ ثابت کرنا جس سے مقصود نہ حاصل ہوتا ہو باتفاق تمام اہل شرع اور باتفاق ان عقلاء کے جو تحسینِ عقول کے قائل ہیں۔بلکہ باتفاق تمام عقلاء کے مطلقاً بیوقوفی عبث اور عذاب قبیح میں داخل ہے۔کیونکہ جب انہوں نے قبیح کی تفسیر مضر چیز سے کی ہے تو وہ سب اس پر متفق ہیں کہ مضر چیز عقل سے معلوم ہو جاتی ہے۔اور اس امام پر ایمان لانا جس سے کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔بلکہ عقل نفس، بدن اور مال وغیرہ سب کا نقصان ہے تو یہ شرعاً اور عقلاً ہر طرح قبیح ہے۔یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس امام کی پیروی کرنے والے ہیں وہ سب سے زیادہ عقلمند اور مصلحت دین سے سب سے زیادہ خوش قسمت رہتے ہیں اور یہ خوش قسمتی ان کی وہ خوش قسمتی ہے، جس کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں کہ برعکس ''نہند نام زنگی کافور''۔

اصل یہ ہے کہ ہمارے دوست اس منتظر معصوم امام کا وجود اس لئے ثابت کرتے ہیں کہ اس کے بغیر ان کے خیال میں دین و دنیا کی مصلحت حاصل نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ یہ ہر شخص جانتا ہے اور وہ خود بھی اس کی شہادت دینگے کہ ابھی تک انہیں دین و دنیا کی کوئی مصلحت اس منتظر امام سے حاصل نہیں ہوئی اور جو لوگ اس منتظر امام کے وجود کے منکر ہیں۔ ان کی دینی یا دنیاوی کوئی مصلحت ابھی تک فوت نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ دین و دنیا میں اس معصوم امام کی پیروی کرنے والوں سے بدر جہا بڑھے ہوئے ہیں۔ بھلا ایسی حالت میں اس میں کرامت کا شبہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اور یہ چونکہ ان کے نزدیک دین کے اعلیٰ مطالب میں سے ہیں اس لئے یہ لوگ دین کے مطالب میں حق اور ہدایت سے جس طرح محروم اور دور رہتے ہیں اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اور اگر یہ دین کے اعلیٰ مطالب میں سے نہیں ہیں تو اس وقت بھی ان کے دعوے کا بطلان صاف ظاہر ہو گیا۔ غرض دونوں تقدیر پر ان کے دعوے کا بطلان ثابت ہوتا ہے۔ اور یہی مقصود ہے۔

غوث وقطب وغیرہ کی بحث: اگر شیعی علماء یہ کہیں کہ ہمارا اس منتظر معصوم پر ایمان لانا بعینہ ایسا ہے جیسا اکثر شیوخ زاہد اور دیندار الیاس، خضر، غوث، قطب، اور رجال غیب وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں جنکے وجود کو وہ کسی طرح نہیں جانتے نہ انہیں یہ خبر ہے کہ وہ کس چیز کا امر کرتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں پس جو شخص ان لوگوں کی موافقت کرتا ہو وہ ہمارے دعوے سے کیونکر انکار کر سکتا ہے۔

جواب: اوّل یہ کہ ان لوگوں کے وجود پر ایمان لانا علماء مسلمین اور فقہاء معروفین میں سے کسی کے نزدیک واجب نہیں ہے اگرچہ بعض غلاۃ اپنے شاگردوں پر ان کے وجود پر ایمان لانا ضروری ثابت کرتے اور کہتے ہیں کہ مومن ولی اللہ وہی ہوتا ہے جو ان لوگوں کے وجود پر ایمان رکھتا ہو مگر یہ قول بالکل مردود ہے اور اُسے کسی نے نہیں تسلیم کیا۔

دوسرا جواب: اس قسم کی کہانیاں چند پیرزادوں یا چند جہلا میں جاری وساری ہیں یا شعرا نے خضر وغیرہ کا زیادہ ذکر کر کے جہلاء کی نظروں میں اس کے وجود کو قائم کر دیا ہے۔ حالانکہ نہ کوئی خضر ہے نہ غوث قطب ہے نہ رجال غیب میں جہلا سے روپیہ بٹورنے کیلئے ایسی باتیں بنائی ہیں۔ علماو مسلمین میں سے ایک عالم نے بھی اس کی تصدیق کبھی نہیں کی۔ پھر بھلا چند جہلا یا چند عبدالدرہم پیروں کا ان

پر ایمان لانا شیعوں کے امام منتظر پر ایمان لانے سے کیونکر حجت ہوسکتا ہے۔

تیسرا جواب: معتقدین میں سے بعض آدمیوں کا یہ گمان ہے کہ ان کی تصدیق کرنے سے آدمی کے ایمان اور حسنات میں ترقی ہو جاتی ہے اور ان کے وجود کی تصدیق کرنے والا بہ نسبت اس شخص کے جو ان کے وجود کی تصدیق نہیں کرتا اللہ تعالی کے نزدیک اکمل اشرف اور افضل ہو جاتا ہے یہ قول من کل الوجوہ شیعوں کے قول کے مشابہ نہیں ہے ہاں بعض وجوہ سے مشابہ ہے کیونکہ یہ لوگ اس پر دین کے کمال کو موقوف رکھتے ہیں بخلاف ہمارے دوست شیعوں کے کہ ان کا اصل دین ہی امام معدوم کے وجود کا اقرار کرنے پر موقوف ہے اس وقت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ باتفاق تمام علماء مسلمین اور ان کے ائمہ کے یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ واجبات اور مستحبات کو جاننا اور ان سب کو ادا کرنا ان لوگوں کی تصدیق پر ہرگز موقوف نہیں ہے اہل نسک اہل زہد اور عام لوگوں میں جو شخص یہ گمان کرے کہ دین اسلام کا کوئی واجب یا مستحب ان کے وجود کی تصدیق پر موقوف ہے تو وہ باتفاق اہل علم، اہل ایمان اور واقفین کتاب وسنت کے یقیناً جاہل اور گمراہ ہے اس لئے کہ دین اسلام سے بالاضطرار یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضور انور رسول اللہ نے اپنی امت کے لئے ان لوگوں کے وجود کی تصدیق کرنے کو مشروع نہیں فرمایا اور نہ حضور انور کے صحابہ اس کو دین میں شمار کرتے تھے۔ نہ ائمہ مسلمین میں سے کسی نے بھی حضور انور رسول اللہ سے معروف سند کے ساتھ اتنا بھی نقل کیا ہو کہ ان میں سے ایک نام بھی حضور انور نے اپنی زبان سے نکالا ہو نہ آپ کے صحابہ میں سے کسی صحابی نے کبھی غوث قطب وغیرہ کا نام لیا ہو ہاں ابدال کا لفظ بعض سلف کی زبان سے سنا گیا ہے اور اس کے بارے میں حضور انور رسول اللہ ایک ضعیف حدیث بھی روایت کی جاتی ہے مگر اسے بھی آپ ایک کہانی سمجھئے معروف سند کے ساتھ حضور انور یا آپ کے صحابہ سے کسی نے بھی ان میں سے کوئی نام نقل نہیں کیا۔

چوتھا جواب: جو لوگ ان امور کے قائل ہیں ان میں سے بعض نے ان غوث وقطب وغیرہ کی طرف ایسی چیزیں منسوب کردی ہیں جو بشر میں سے کسی کی طرف منسوب کرنی جائز نہیں ہیں مثلاً بعض دعوی کر تے ہیں کہ غوث یا قطب وہ ہے جو اہل زمین کی ہدایت. نصرت اور رزق کو بڑھادے اور یہ باجماع کل

مسلمانوں کے باطل ہے۔ بعض دعوی کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اللہ کے ہر ولی کو جانتا ہے خواہ وہ پیدا ہو چکا ہو یا ہونے والا ہو اس کا نام اس کے باپ کا نام اور اسکے مرتبے کی مقدار جو اللہ کے ہاں اسے مل چکی ہے۔ یا ملے گی ان سب باتوں کا علم اُسے ہوتا ہے۔ یہ اور ان کے سوا اور بھی ایسی بے اصل اور جھوٹی باتیں ہیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ کے بعد خصائص میں بعض بشر بھی شریک ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے سے واقف ہے۔ یا ہر چیز پر قادر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ بعض لوگ نبی اور اپنے شیوخ کی بابت کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا علم اللہ کے علم پر اور اس کی قدرت اللہ کی قدرت پر منطبق ہے اس لئے جو اللہ جانتا ہے وہ بھی جانتا ہے اور جتنی اللہ میں قدرت ہے اس میں بھی قدرت ہے۔ بس یہ اور اس قسم کی اور سب باتیں حضرت علی کے غالیہ فرقہ کے اقوال کی طرح ہیں اور یہ باجماع کل مسلمانوں کے باطل ہے نہ کوئی قطب ہے نہ کوئی ابدال ہے نہ کوئی غوث ہے نہ خضر ہے نہ رجال غیب ہیں کچھ بھی نہیں محض جاہلوں کے خوش کرنے کے لئے چالاک آدمیوں نے کہانیاں بنالی ہیں ایسی حالت میں شیعی علماء کا ان چانڈوخانے کی باتوں سے استدلال کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ اب ایک بات یہ دیکھنے کی ہے کہ جو لوگ ان امور کو ایسے شخص کی طرف منسوب کریں جسکا وجود معلوم نہیں ہے ایسی حالت میں یہ لوگ اس معدوم شخص کی طرف نسبت کرنے میں غلطی پر ضرور ہیں۔ مگر ان کی یہ غلطی اس شخص کی غلطی کے ہے جو یہ اعتقاد کرلے کہ فلاں شہر میں بہت سے آدمی اولیاء اللہ ہیں حالانکہ اس شہر میں ایسا ایک بھی نہ ہو یا کوئی شخص چند معین آدمیوں کی بابت یہ عقیدہ کرلے کہ یہ سب اولیاء اللہ ہیں اور درحقیقت وہ ایسے نہ ہوں تو اس میں شک نہیں کہ یہ ایک طرح کی خطا جہالت اور گمراہی ہے جس میں اکثر آدمی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لیکن امامیہ کی خطا اس سے بدرجہا زیادہ اور قبیح ہے۔

پانچواں جواب: اگر اسے صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر محققین علماء کا یہ قول ماننا پڑے گا کہ الیاس اور خضر دونوں مر چکے ہیں اور یہ کہ مخلوق میں کوئی بشر ایسا نہیں ہے جو اللہ کے پیدا کرنے رزق دینے ہدایت اور مدد کرنے میں اس میں اور مخلوق میں ذریعہ ہوسکے۔ یہاں تک کہ پیغمبر بھی فقط تبلیغ رسالت ہی میں وسائط اور ذرائع ہیں۔ باقی اللہ کے پیدا کرنے وغیرہ پر سوائے اس کے اور کسی کو قدرت نہیں

ہے۔لہٰذا یہ امور پیغمبروں کے زندہ اور باقی رہنے پر موقوف نہیں ہوتے بلکہ مخلوق کی مدد کرنا اور انہیں رزق دینا پیغمبروں کے وجود پر کسی طرح بھی موقوف نہیں ہے۔اس کے علاوہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے اشرف مسائل اور دین کے اہم مطالب کے لئے ایسا ہونا ضروری ہے کہ اللہ کی کتاب میں اس کا ذکر اور سب چیزوں کے بیان کرنے سے اولیٰ ہو حالانکہ قرآن شریف اللہ کی توحید، اسماء، صفات، زیات، فرشتوں، اس کی کتابوں پیغمبروں، روز قیامت، قصص، امر و نہی، حدود اور فرائض کے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ بخلاف امامت کے کہ اس کا کہیں بھی کچھ ذکر نہیں ہے کیونکر ممکن ہوسکتا ہے قرآن مجید اہم اور اشرف چیز کے علاوہ دوسری چیزوں سے بھرا ہوا ہو۔دوسرا یہ کہ اللہ تعالی نے سعادت کو ایسی چیز پر معلق کیا ہے جس میں امامت کا کچھ بھی ذکر نہیں ہے۔ مثلا اللہ نے قرآن شریف میں یہ بیان کر دیا کہ جس شخص نے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کر لی وہ آخرت میں سعید ہوگا اور جس نے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کی وہ شقی ہے اسے آخرت میں عذاب ہوگا سعداء اور اشقیا میں یہی فرق ہے یہاں اللہ نے امامت کا کچھ ذکر نہیں کیا اب اگر کوئی یہ کہے کہ امامت اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت میں داخل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے کہنے کا زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ امامت بھی مثل اور واجبات کی ہے یعنی مثل نماز روزے حج زکواۃ وغیرہ کی ہے جو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی طاعت میں داخل ہے اس پر بھی اکیلی امامت مسلمانوں کے اشرف مسائل اور دین کے عین مطالب میں کیسے ہوسکتی ہے۔اگر کوئی یہ کہے کہ ہم سے امام کی اطاعت بغیر رسول کی اطاعت نہیں ہوسکتی کیونکہ شروع کو امام ہی پہچانتا اور جانتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ ایک دعوی ہی دعوی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں قرآن شریف سے ایسا کہیں ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ اس سے دین کے اور تمام اصول ثابت ہوتے ہیں۔اصل یہ ہے کہ وہ امام جسکا ہمارے دوست دعویٰ کرتے ہیں اس سے کسی کو کچھ فائدہ نہیں معدوم امام تو امام حضور انور کے لائے ہوئے احکام کو جاننے کے لئے ائمہ میں سے بھی کسی کی کچھ حاجت نہیں ہے. جواب کی دوسری صورت یہ ہے کہ امامیہ کے نزدیک دین کے اصول چار ہیں توحید، عدل، نبوت اور امامت پہلے تینوں اصول مقدم ہیں اور امامت کا مرتبہ سب

سے اخیر ہے ساتھ ہی یہ لوگ توحید میں صفات کی نفی ہی کو نہیں بلکہ اس عقیدہ کو بھی داخل کرتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے اور آخرت میں اللہ کا دیدار نہ ہوگا عدل میں قدرت کی تکذیب کو داخل کرتے اور کہتے ہیں اللہ میں اتنی قدرت نہیں کہ وہ جسے چاہے ہدایت کردے جسے چاہے گمراہ کردے اور یہ کہ وہ ایسی بات چاہتا ہے جو ہوتی نہیں اور جو وہ نہیں چاہتا وہ ہو جاتی ہے وغیرہ وغیرہ خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ اسکے قائل نہیں ہیں کہ اللہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز پر قادر ہے اور نہ یہ بات ہے کہ جو وہ چاہے ہو جائے اور جو وہ نہ چاہے نہ ہو اس بحث کو تو آپ بخوبی سمجھ گئے ہیں کہ شیعی توحید کیا ہے اور امامیہ عدل کسے کہتے ہیں. اب آپ سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ جب کھلم کھلا توحید کو مقدم رکھا گیا ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ امامت اشرف اور اہم کیونکر بنائی گئی اور اگر اسکا یہ جواب دیا جائے کہ ہم امامت کو اسلئے واجب کرتے ہیں کہ یہ وجوب وسائل کا وسیلہ ہے اور واجبات کے کئے ایک ضامن ہے تو عقل باور نہیں کرتی کہ وسیلہ اصل مقصود سے اشرف اور اہم ہو جائے گا. جواب کی تیسری صورت ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ امامت دین کے مطالب میں اہم اور مسلمانوں کے مسائل میں شرف ہے تو اس اہم اور شرف سے سب سے زیادہ دور خود ہمارے مہربان ہی ہیں کیونکہ امامت میں ان کا قول سب سے زیادہ کمزور. عقل و دین کے اعتبار سے سب سے زیادہ فاسد اور غلط ہے. اتنا ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ امامت سے ہمارے احباب کا مطلوب یہ ہے کہ ان کا کوئی ایسا معصوم سردار ہو جس سے دینی اور دنیاوی مصلحتوں میں ان کی مطلب برآری ہو کیونکہ سوائے اس معصوم سردار کے نہ قرآن مجید انھیں فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ اقوال رسول مقبول مگر تماشہ ہے کہ معصوم سردار نہ آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے نہ کانوں میں اسکی آواز آتی ہے۔ یہاں تک کہ متخیلہ کوئی صورت بھی اس کی نگاہوں کے آگے نہیں بنا سکتی۔ نہ اسکی کچھ خبر ہے کہ وہ کہاں ہے کس جگہ ہے اور کیا کرتا ہے اور اس پر کیا گزر رہی ہے. پھر بھلا اسکی امامت سے ہمارے احباب کا مقصود کیونکر حاصل ہو سکتا ہے ان کے مقابلہ میں اگر کوئی شخص ایسا امام فرض کرلے جو دین و دنیا کی بعض مصلحتوں میں اُسے فائدہ پہنچائے تو وہ اس امام سے یقیناً بہتر ہے جس سے امامت کے فائدوں میں سے کوئی فائدہ نصیب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب امامت کا فائدہ انھیں حاصل نہیں

ہوتا تو یہ بے دینوں اور ظالموں کی طاعت میں داخل ہو کے اپنے بعض مقاصد کے پورا کرنے کا فکر کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ معصوم امام کی طاعت کی طرف لوگوں کو بلائیں بے دینوں اور ظالموں کی اطاعت میں آنے کا لوگوں کو امر کرتے ہیں۔ ایک اور لطف ہے کہ حضور انور رسول اللہ کے بعد صرف علی کے لئے معصوم ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے اور سوائے علی کے کسی دوسرے کے لئے عصمت کا ابھی تک دعویٰ نہیں ہوا۔ اس پر سب شیعوں کا اتفاق و اجماع ہے. ایک طرف تو اس پر اجماع ہے اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ علی نے حسن پر نص کر دی تھی اور حسن نے حسین پر آخر یہ سلسلہ محمد بن حسن منتظر تک پہنچ گیا جو سرداب میں پوشیدہ ہے مذہبی تعصب کو علیحدہ رکھ کر ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہمارے احباب جو یہ دعوے کرتے ہیں کہ جو شخص اس منتظر پر ایمان نہیں لایا وہ کافر ہے تو کیا اس منتظر کو کسی نے دیکھا ہے یا کوئی ایسے شخص سے ملا ہے۔ جس نے اس منتظر کو دیکھا ہے یا اسکی کچھ خبر سنی ہے یا کوئی ایسی بات معلوم ہے جو خاص اسی نے کہی ہو یا کسی بات کا امر کیا ہو یا کسی چیز سے منع کیا ہو اور یہ اس سے اس طرح اخذ ہو جیسا ائمہ سے اخذ ہوتا ہے۔ اسکا جواب یقیناً نفی میں دیا جائے گا. جب یہ کیفیت ہے تو اسپر ایمان لانے میں کیا فائدہ ہے اور اس سے ہمیں کونسا لطف حاصل ہوتا ہے اس کے علاوہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے شخص کی طاعت کا حکم دے جسکے امر و نہی کو بالکل نہ جانتے ہوں اور نہ ہمارے لئے اسکے معلوم کرنے کی کوئی صورت ہو۔ اودھر تو یہ بات ہے اور ادھر ہمارے دوست شیعہ تکلیف مالایطاق کے انکار کرنے میں سب سے زیادہ بڑے ہوئے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کیا اس سے بھی زیادہ کوئی تکلیف منالایطاق ہو سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں اگر یہ جواب دیا جائے کہ اسکا ثابت کرنا خاص مقدمات پر مبنی ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ ہمارا مقصود ان مقدمات سے وہی ہے جسے ہم سے تعلق ہو ورنہ جب اس کے امر و نہی کو ہم سے کچھ تعلق نہیں تو ہمارے ذمہ کچھ نہیں ہے. اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس منتظر پر ایمان لانا جہالت اور گمراہی ہے اس میں تو لطف و مصلحت کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امامیہ کے ہاں جو کچھ ائمہ موتی سے منقول ہے اگر وہ حق ہے تو ان ہی کے ذریعہ سے سعادت حاصل ہو سکتی ہے پھر انہیں اس منتظر کی کوئی حاجت نہیں ہے اور اگر وہ باطل ہے تو اسکے رد

کرنے میں انہیں اس منتظر سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا لہٰذا اس سے نہ حق کے ثابت کرنے میں کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ باطل کی نفی کرنے میں نہ امر بالمعروف کرنے میں نہ نہی عن المنکر کرنے میں نہ اسکے ذریعہ ان میں سے کسی کو کوئی لطف یا مصلحت حاصل ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو اپنے کاموں کو مجہولات پر معلق کرتے ہیں مثلاً رجال غیب قطب غوث اور خضر وغیرہ پر باوجودیکہ وہ جاہل گمراہ ہیں کیونکہ خضر کو دیکھنے وغیرہ سے کچھ فائدہ ضرور ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس اعتقاد میں غلطی ہوتی ہے کہ خضر یہی ہے بعض آدمیوں کو جنگل میں خیالی یا اصلی کوئی شخص مل جاتا ہے اور انہیں راستہ بتا دیتا ہے وہ اسے غلطی سے خضر سمجھ لیتے ہیں مگر اپنی غلطی کو محسوس نہیں کرتے ان کا یقین ہوتا ہے کہ نہیں یہی خضر تھا جو ہمیں پانی کا چشمہ بتا گیا یا راستہ دکھادیا۔ بعض کا خیال ہے ہر زمانہ کا ایک خضر ہوتا ہے بعض کہتے ہیں ہر ولی خضر ہے. بہرحال جو بے وقوف خضر وغیرہ کے قائل ہیں وہ یہ ضرور بیان کرتے ہیں کہ ہم نے یا ہمارے دوست نے یا فلاں شخص نے خضر کو دیکھا اس سے باتیں کیں برخلاف ہمارے احباب کے کہ انکے منتظر کو نہ کسی نے دیکھا نہ اس سے کچھ سنا نہ اس سے کوئی حکایت مشہور ہے نہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ کسی نے آج تک اُسے دیکھا جب وہ سرداب میں داخل ہوا تو چھوٹا سا بچہ تھا جو سن تمیز کو بھی نہیں پہنچا تھا اس پر بھی جو جو باتیں یہ اس بچہ کی نسبت قبول کرتے ہیں وہ خضر وغیرہ کے معتقدین کے قبول کرنے بدرجہا زیادہ ہیں۔ کتاب سنت کا اقتدار کرنے سے ان کا اعراض خضر کے ماننے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ خیار مسلمین سے جو کچھ انکی کدو کاش ہے وہ عیاں ہے. امامت کی خوبیوں کے فقط خواب دیکھتے ہیں لیکن عملی فوائد سے محروم ہیں اور انھیں ان ہی کے قول کے مطابق دین کا اہم اور اشرف مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ جواب کی چوتھی صورت یہ ہے جیسا ہمارے احباب فرماتے ہیں کہ امامت ایسی چیز ہے کہ اس کے ادراک اور معلوم کرنے کے سبب سے درجہ کرامت حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ فقط اپنے امام کے وقت کے معلوم کر لینے سے اگر اس کے حکم کی موافقت نہ کی جائے کیونکر کوئی کرامت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ امام وقت کی معرفت حضور انور رسول اللہ کی موافقت سے ہرگز زیادہ نہیں ہے۔ حالانکہ جیسے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ محمد ہیں مگر وہ نہ ان پر ایمان لایا نہ ان کے ارشاد کی تعمیل کی کس طرح وہ

شخص کرامت کا مستحق ہوسکتا ہے۔اس کے مقابلہ میں دوسرا پہلو لیجئے اگر کوئی شخص حضور انور رسول خدا پر ایمان لے آیا۔اور پھر آپ کی نافرمانی کی، فرائض ادا نہ کئے اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کیا تو امامیہ اور مسلمانوں کے سب فرقوں کے نزدیک ایسا شخص وعید کا ضرور مستحق ہے۔تو پھر امام کو جاننے والا وعید کا کیسے مستحق نہ ہوگا۔حالانکہ وہ فرائض کو ترک کرتا اور حدود سے ہمیشہ تجاوز کرتا ہے۔شیعوں میں اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ علی سے محبت رکھنا ایسی نیکی ہے۔اسکے ہوتے کوئی گناہ مضر نہیں ہوسکتا.ہم کہتے ہیں کہ اگر علی کی محبت ہوتے ہوئے کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہوتا تو پھر اس معصوم امام کی کوئی حاجت نہیں ہے کیونکہ اس کے نہ ہونے کی صورت میں سیأت اور معاصی ہونگے پس اگر علی کی محبت کافی ہے تو اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر میں جواب کی پانچویں صورت یہ ہے جیسا کہ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ امامت ایمان کے ارکان میں سے ایسا رکن ہے جس کے سبب سے آدمی جنتوں میں رہنے کا ہمیشہ مستحق ہوجاتا ہے۔سو یہ بھی بالکل غلط ہے۔اسے ایمان کا رکن سوائے ان لوگوں کے جنکی عقل پر پردہ پڑا ہوا ہے کوئی نہیں ٹھہراتا۔مومنین اور ان کے احوال اللہ نے بھی بیان کئے ہیں۔اور حضور انور رسول اللہ نے بھی ایمان کی تفسیر کی اور اس کی شاخیں ذکر کی ہیں مگر ایمان کے ارکان میں امامت کو نہ کہیں اللہ نے ذکر کیا نہ اس کے رسول نے ایک صحیح حدیث میں جبریل کا قصہ آیا ہے کہ جب وہ اعرابی کی صورت میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور انور نے سلام، ایمان اور احسان کو پوچھا تو آپ نے یہ جواب دیا.اسلام یہ ہے کہ تم اس کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کا رسول ہے نماز پڑھو زکوۃ ادا کرو رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں اس کے پیغمبروں پر قیامت کے دن پر مرنے کے بعد جی اٹھنے پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ یعنی اس کی تصدیق کرو یہاں بھی امامت کا کچھ ذکر نہیں ہے احسان یہ ہے کہ اللہ کی اس خلوص سے عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔اگر یہ تم سے نہ ہوسکے تو خیال رکھو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے فقط.اس حدیث کے صحیح اور قابل قبول ہونے پر سب کا اتفاق ہے اُسے اصحاب صحیح نے بہت سے طریقوں سے روایت کیا ہے.ابو ہریرہ کی مسند سے بھی یہ متفق علیہ ہے ہمارے دوست

اگر چہ ان حدیثوں کی صحت کا اقرار نہیں کرتے لیکن کمال یہ ہے کہ وہ خود ایسی حدیثوں سے حجت کرتے ہیں جن کے جھوٹ اور موضوع ہونے پر تمام اہل معرفت کا اتفاق ہے۔ اگر ہمارے دوست روایت ہی کو سرے سے بالکل ترک کردیں تو پھر ہمیں بھی حجت میں اور روایتوں کا لانا کچھ ضروری نہیں ہے۔ لیکن جب یہ روایت پیش کرتے ہیں تو ہمیں مجبوراً روایت سے روایت کا معارضہ کرنا پڑتا ہے اچھا ہم تھوڑی دیر کے لئے روایت کو چھوڑتے ہیں صرف قرآن مجید سے ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ایمان والوں کی کیا تعریف کی ہے۔ سنئے اللہ تعالی فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا. لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ. (الانفال:۲تا۴)

ان لوگوں کے حق میں اللہ نے ایمان کی شہادت دی ہے مگر امامت کا ذکر تک نہیں کیا۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. (الحجرات:۱۵)

دیکھو ان لوگوں کو اللہ نے صادقین فرمایا ہے اور امامت کا کچھ ذکر نہیں کیا ہے۔ پھر تیسری جگہ فرماتا ہے۔

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ. اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (البقرہ:۱تا۵)

دیکھو اللہ نے انہیں مہتدین اور مفلحین ٹھہرایا ہے اور امامت کا ذکر نہیں کیا۔ اسکے علاوہ محمد بن عبداللہ کے دین سے ہم یقیناً جانتے ہیں جس وقت لوگ مسلمان ہوتے تھے تو آپ نے ان کے ایمان کو امامت کی معرفت ہونے پر کبھی موقوف نہیں کیا نہ اسکی بابت حضور انور نے کبھی ان سے کچھ ذکر کیا۔ حالانکہ ایمان کا جو بھی رکن ہو اس کو اہل ایمان کے لئے بیان کر دینا رسول پر ضروری ہے تاکہ اس سے لوگوں کا ایمان کامل ہو جائے۔ اور کسی قسم کا نقص نہ رہے۔ پس جب یقیناً معلوم ہو گیا کہ یہ ایک ایسا امر ہے کہ اس کو ایمان میں حضور انور نے شرط نہیں ٹھہرایا۔ تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اب اسے شرط ٹھہرانا اہل بہتان کا قول ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ یہ عموم نص میں داخل ہے یا ایسا امر ہے کہ اس

کے بغیر واجب پورا نہیں ہوتا یا یہ کسی اور نص سے ثابت ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر یہ سب باتیں صحیح ہوں تو ان سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ یہ بھی دین کے فروعات میں داخل ہے نہ یہ کہ ایمان کے ارکان میں سے ہے کیونکہ ایمان کا رکن تو وہ ہے کہ اسکے بغیر ایمان حاصل ہی نہیں ہوتا جس طرح جب تک آدمی یہ گواہی نہ دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کا رسول ہے وہ ہرگز مومن نہیں ہوسکتا. پس اگر امامت ایمان کا رکن ہوتی تو واجب تھا اسے بھی حضور انور نے اسی طرح عام طور پر بیان کرتے کہ پھر کسی کا کچھ عذر نہ چل سکتا۔ جیسا کہ حضور انور نے شہادتیں کو فرشتوں اور آسمانی کتابوں کو پیغمبروں اور روز قیامت پر ایمان رکھنے کو بیان کیا تھا اور اب یہ کیسے رکن ہوسکتی ہے. حالانکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ جو لوگ فوج فوج آپ کے دین میں داخل ہوتے تھے ان میں سے کسی ایک کے ایمان میں بھی آپ نے امامت پر ایمان لانا شرط نہیں ٹھہرایا۔ نہ عام طور پر نہ خاص طور پر جواب کی چھٹی صورت یہ ہے کہ جیسا کہ شیعی علماء نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ کا یہ قول ہے کہ جو شخص مرجائے اور اسے اپنے زمانہ کے امام کی خبر نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا ہے. فقط۔

اول تو ہم اپنے احباب سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ ان الفاظ سے اس حدیث کو کس نے نقل کیا ہے اسکی اسناد کہاں ہیں اور یہ کس طرح جائز ہے کہ حضور انور کی نقل سے اس طریقہ کے بیان کئے بغیر حجت کی جائے. جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور انور نے ایسا فرمایا ہے. یہ بھی اس وقت ہے کہ جب اہل علم کو اس حدیث کا نام معلوم نہ ہو۔ یہ حدیث ان لفظوں سے بالکل معروف نہیں ہے. بلکہ معروف وہ ہے جو مسلم نے اپنی صحیح میں نافع سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جب حرہ کا واقعہ ظہور میں آیا تو عبداللہ بن عمر عبداللہ بن مطیع کے پاس گئے. ابن مطیع نے انہیں دیکھتے ہی اپنے خادموں سے کہا کہ ابو عبدالرحمٰن کے لئے قالین بچھا دو۔ آپ نے فرمایا قالین کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں تمہارے پاس بیٹھنے نہیں آیا بلکہ ایک حدیث بیان کرنے آیا ہوں میں نے رسول اللہ سے سُنا ہے آپ فرماتے ہیں۔ **من خلع یدا من طاعة لقی الله یوم القیامة لا حجته له و من مات ولیس فی عنقه بیعته ماتمیة جاهلیة .** یعنی جس نے اللہ کی طاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ اس کے پاس کچھ حجت نہ ہوگی اور جو شخص باغی ہو کے مرگیا ہو جاہلیت کی موت مرے گا. یہ وہ حدیث ہے جو عبداللہ بن عمر نے عبداللہ بن مطیع بن اسود سے اس وقت بیان کی تھی کہ جب انہوں اپنے حاکم وقت یزید کی طاعت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا. باوجود یہ

کہ لوگ یزید کو ظالم بھی کہتے تھے. اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ حدیث بھی اسی مطلب پر دلالت کرتی ہے جس پر باقی آئندہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ مسلمان حاکموں پر خروج نہ کرنا چاہیے اور ان کے خلاف ہر گز ہر گز تلوار نہ اٹھانا نہ چاہیے. اس پر اگر کوئی شخص حاکموں کا مطیع نہیں ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا اور یہ ہمارے احباب شیعوں کے قول کی سراسر ضد ہے کیونکہ ان سے مسلمان حاکموں کی مخالفت ہمیشہ سرزد ہوتی رہی ہے۔ کبھی فرماں برداری کرنے کا تو نام ہی نہیں لیا۔ ایسی غلط اور دور دراز کار روایتوں نے بدنصیب جہان کو سخت مغالطہ میں ڈال رکھا ہے۔ وہ لوگ جو ہم میں پڑھے لکھے مشہور ہیں ایسی دور از کار موضوع، مردود اور غلط روایت اپنی سند پیش کر دیتے ہیں۔ بدنصیبوں کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ ہم رسول مقبول پر اپنی نادانی سے بہتان اٹھا رہے ہیں. ساتویں بغرض محال ہم اسے تسلیم بھی کر لیں کہ یہ کلام حضور انور رسول خدا ہی کا ہے پھر بھی ہمارے احباب کے مفید مطلب اس میں کوئی بات نہیں ہے. کیونکہ حضور انور نے یہ فرمایا کہ وہ شخص جاہلیت کی موت مرے گا جس نے اپنے امام وقت کو نہیں پہچانا ہمارے احباب تو شاید ہی اپنے امام وقت کو کبھی پہچانا ہو قریب قریب ہر امام کو اتہام لگایا کسی کو غاصب کسی کو بددین بتایا یہاں تک کہ ان پر لعن طعن کرنا اصول دین قرار دے دیا گیا. ہمیشہ یہی دعوی رہا کہ ہم تو اپنا امام غائب منتظر محمد بن حسن کو مانتے ہیں جو ۲۶۰ ھ ہجری میں سرداب سامرا میں چلا گیا تھا اور اس وقت اسکی عمر دو سال یا تین سال یا زیادہ سے زیادہ چار پانچ برس کی تھی نہ وہ معصوم بچہ وہاں سے واپس آیا نہ اسکی کچھ خبر کہ کہاں ہے کہاں چلا گیا ہمارے احباب کے خیال کے مطابق اب اسکی عمر ایک ہزار برس کی ہو گئی. کس قدر ضعیف ہو گیا ہو گا سر کے سفید بالوں نے سارے جسم کو ڈھانپ لیا ہو گا. ناخن اتنے بڑے بڑے ہو گئے ہوں گے جو زمین پر ٹکے رہتے ہوں گے پوست استخواں کے سوا اور کچھ نہ رہا ہو گا۔ گردن دوڑ اسی ہلتی ہو گی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی ہو گی غرض ایسی حالت ہوئی ہو گی کہ اگر انسان دیکھ لے تو مارے خوف کے اس کے بدن میں لرزہ پیدا ہو جائے. بایں ہمہ نہ اس بیچارے کا کہیں پتہ ہے نہ کوئی اسکی خبر سنتا ہے غرض ہمارے احباب میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس معدوم امام کی ذات وصفات سے کچھ بھی واقف ہو بلکہ ماننے والے خود ہی یہ کہتے ہیں کہ وہ شخص جسے کسی نے نہیں دیکھا نہ اسکی کسی نے کچھ خبر سنی وہی ہمارے زمانہ کا امام پھر بھلا اس امام کی معرفت کیونکر ہو سکتی ہے۔ آپ خود ہی دل میں انصاف کریں کہ اس صفت وثنا اور اس ماہیت میں اس سے امامت کا کیا خاک فائدہ کوئی اٹھا رہا ہے۔ کیونکہ امام کی معرفت جس سے آدمی جہالت سے نکل جاتا ہے کہ اس

سے طاعت اور جماعت حاصل ہو۔ بخلاف اس طریقہ کے جس پر اہلِ جاہلیت تھے کیونکہ ان کا کوئی امام ایسا نہ تھا جو ان میں تفرقہ نہ ہونے دیتا. جب اللہ نے حضور انور کو بھیجا تو آپ نے انہیں طاعت کرنے اور جماعت میں بنے رہنے کی ہدایت کی مگر اس منتظر کی معرفت سے نہ طاعت حاصل ہوتی اور نہ جماعت کا فائدہ ہوتا ہے بلکہ جو اسکی طرف منسوب ہیں وہ جاہلیت میں سب فرقوں سے بڑے ہوئے ہیں. نویں حضور انور نے ان ائمہ کی طاعت کا حکم دیا ہے جو موجود اور معلوم ہیں۔ جن میں اتنی طاقت ہے کہ وہ لوگوں پر حکومت کرسکیں۔ برخلاف اس کے آپ نے معدوم اور مجہول کی اطاعت کا کبھی حکم نہیں دیا نہ ایسے شخص کی طاعت کا حکم دیا جس میں کسی قسم کی قدرت نہ ہو. چنانچہ حضور انور نے اجتماع اور ائتلاف کا حکم دیا ہے اور تفرقہ اور اختلاف سے منع فرمایا ہے۔ ساتھ ہی آپ نے ائمہ کی مطلقاً طاعت کرنے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ اللہ کی طاعت میں ان کی طاعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ان کی معصیت میں اطاعت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ جنکی طاعت کا حضور انور نے حکم دیا ہے وہ معصوم نہیں ہیں صحیح مسلم میں عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے تمہارے بہترین ائمہ وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں تم ان کے لئے دعا کرو وہ تمہارے لئے دعاء کریں اور تمہارے بدترین ائمہ وہ ہیں کہ تم ان سے بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں تم ان پر لعنت بھیجو وہ تم پر لعنت بھیجیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس وقت ہم بیعت توڑ نہ دیں فرمایا نہیں جب تک وہ تمہارے سامنے نمازیں پڑھے جائیں یاد رکھو جس پر کوئی حاکم مقرر کردیا گیا اور پھر اس نے اس میں اللہ کو کوئی معصیت دیکھی تو یہ اس معصیت کو برا تو سمجھے مگر اس کی فرمانبرداری سے دست کش نہ ہو۔ صحیحین میں ابوہریرہ سے مروی ہے آپ حضور انور سے روایت کرتے ہیں حضور انور ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل میں یکے بعد دیگرے پیغمبر ہوتے تھے جب ایک پیغمبر کا انتقال ہوتا تھا دوسرا پیغمبر اس کا جانشین ہوجاتا تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے ہاں میرے بعد بہت سے خلفاء ہوں گے صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں فرمایا پہلے خلیفہ کی بیعت پوری کرنا پھر جو اس کے بعد ہو علی ہذا الترتیب اور ان کے حقوق ادا کرتے رہنا. اللہ تعالےٰ ان سے اسکا حساب کتاب لے گا اور تم سے تمہارا. غرض یہ ہے کہ حضور نے خود ہی یہ بیان کردیا کہ میرے بعد بہت سے خلیفہ ہونگے اور انکی یکے بعد دیگرے بیعت پوری کرنے اور ان کا حق ادا کرنے کا حکم دیا ہے اسی قسم کی اور بھی بہت سی روائتیں ہیں. اب اگر شیعی

علماء یہ فرمائیں کہ ہمارے اس کہنے سے کہ امامت دین میں اہم مطالب اور مسلمانوں کے لئے اشرف مسائل ہے وہ مطالب مراد ہیں. جن میں رسول اللہ کی وفات کے بعد امت کا نزاع ہوا ہے۔ اور وہی مسئلہ امامت ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ جو کچھ آپ صاحبوں نے ذکر کیا ہے وہ اس معنی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ ان لفظوں سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ امامت دین میں مطلقا اہم مطالب اور مسلمانوں کے لئے مطلقا اشرف مسائل ہے اس سے یہ مراد لینا یا بالفاظ دیگر یہ مراد ہونے کی تقدیر پر یہ معنی بالکل غلط ہیں کیونکہ حضور انور کے بعد جن مسائل میں مسلمانوں کا نزاع ہوا ہے وہ اس سے بدرجہا اشرف واعلیٰ ہیں اور اگر اس کا شرف ہونا بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی اس بارے میں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے یہ ابطل مذاہب اور افسد مطالب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امامت میں نزاع فقط علی کی خلافت میں ظاہر ہوا ہے۔ باقی خلفاء ثلثہ کے عہد میں اس کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ سوائے ایک یوم سقیفہ کے لیکن جب تک اس میں سب کا اتفاق نہ ہوگیا وہ وہاں سے نہیں اٹھے۔ مگر یاد رکھو ایسا واقعہ نزاع نہیں شمار کیا جاتا ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضور انور کی وفات کے متصل ہی ہے اس میں نزاع ہوا تھا تو یہ ضروری نہیں ہے کہ جو نزاع وفات کے متصل ہو وہ اس نزاع سے سنگین ہو جو حضور انور کی وفات کے ایک عرصہ کے بعد ہوا ہو تو جب اس طرح ہے تو یہ صاف ظاہر ہے کہ توحید، صفات، اثبات، تنزیہ، قدر، تعدیل، تجویز، تحسین اور تقبیح کے مسائل امامت کے مسائل سے یقیناً اشرف اور اہم ہیں علی ہذا القیاس اسماء، احکام وعدے، وعید، عفو، شفاعت اور تخلید کے مسائل امامت کے مسائل سے بیشک اہم ہیں۔ اسی وجہ سے جو شخص اُصول دین میں کوئی تصنیف کرتا ہے وہ امامت کے مسائل کو آخر میں ذکر کرتا ہے۔ حتیٰ کہ امامیہ بھی توحید عدل اور نبوت کے مسائل کے بعد امامت کا ذکر کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ساری امت کو اس امامت کے بغیر مقصود دینی ودنیاوی فوائد پہنچ جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے امام زیر بحث کی بابت خود شیعی علماء اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کا امام مفقود ہے اس سے کسی کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا ایک ہزار برس کے قریب ہوگئے ہیں اس عرصہ میں اس کی امامت سے لوگوں کو کچھ فائدہ نہیں ہوا نہ دین کا دنیا کا بلکہ ہمارے احباب کا یہ بھی مقولہ ہے کہ ہمارے شیعی دوستوں نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو یہ دین کی اہم اور اشرف چیز سے یقیناً محروم ہیں ساتھ ہی یہ توحید عدل سے بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے. کیونکہ وہ فائدہ ان کے آگے مفقود امامت سے ناقص ہے. پس اس صورت سے یہ عذاب کے مستحق ہوں گے. کیوں یہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ مفقود امامت فروع شرعیہ میں ہے باقی اصول عقلیہ میں

امام کی حاجت نہیں ہے اور یہی اہم اشرف ہے. ان کا بیان ہے کہ معدوم امام اپنے باپ کے انتقال کے بعد سرداب میں گیا تھا اس وقت اسکی عمر دو یا تین یا پانچ سال کی تھی۔ اتنی عمر کا لڑکا نص قرآن سے یتیم ہے اس کے بالغ ہونے تک اس کے مال کی حفاظت کرنی واجب ہے اور اس کے قرابت داروں میں جو اس کی پرورش کرنے کا مستحق ہو وہ اس کی پرورش کرے جب وہ سات برس کا ہو جائے تو اس سے وضو کرائے اور نماز پڑھوائے اور جو نہ وضو کرے اور نہ نماز پڑھے اور اپنے دل کی پرورش میں ہو۔ اگرچہ وہ موجود آنکھوں سے نظر آتا ہو لیکن اسے اہل ایمان کا امام ہونا جائز نہیں ہے. پھر بھلا معدوم یا اس قدر عرصہ دراز کا مفقود کس طرح امام ہوسکتا ہے۔ حالانکہ جب کسی عورت کا ولی مفقود الخبر ہو جائے تو حاکم یا دوسرا موجود ولی اس کا نکاح کر دیتے ہیں کہ اس ولی کے مفقود ہونے سے اس عورت کی مصلحت فوت نہ ہو تو پھر اس مفقود الخبر امام کی وجہ سے امام کی مصلحت اتنی مدت تک کیونکر نہ فوت ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افعال اور نبوت و امامت:۔ شیعی علماء اپنے مذہب کا اس طرح اظہار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی عادل حکیم ہے وہ قبیح فعل نہیں کرتا نہ واجب کو چھوڑتا ہے اس کے تمام افعال کسی غرض صحیح اور حکمت سے واقع ہوتے رہتے ہیں وہ نہ ظلم کرتا ہے نہ عبث فعل کرتا ہے وہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے وہ ان کے حق میں وہی کرتا ہے جو ان کے لئے بہت ہی فائدہ مند ہو. اس نے بندوں کو جبراً مکلف نہیں کیا بلکہ ان کے اختیار سے کیا ہے اپنے انبیاء اور پیغمبروں کی زبانی انہیں ثواب دینے کا وعدہ فرمایا اور عذاب کی وعید فرمائی۔ وہ انبیاء اور پیغمبر ایسے معصوم ہیں کہ ان سے بھول خطا اور معاشی ہونی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر ان کے اقوال و افعال پر اعتماد نہیں ہوسکتا جس سے بعثت کے فائدہ کی نفی ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ نے رسول کی وفات کے بعد ہی رسالت کے ساتھ امامت مقرر کردی اولیاء معصومین منصوصین کو قائم کیا تا کہ لوگ ان کی غلطی اور سہو خطاء سے مطمئن رہیں اور ان کے اوامر کی پیروی کریں جس سے دنیا خدا کے لطف و کرم سے خالی نہ رہے۔ (پھر شیعی علماء فرماتے ہیں) جب اللہ تعالی نے محمد کو پیغمبر بنا کے بھیجا تو آپ نے ثقل رسالت کو قائم کیا اور اس پر نص کردی میرے بعد علی بن ابوطالب خلیفہ ہے علی کے بعد ان کا بیٹا حسن زکی اس کے بعد حسین شہید. پھر علی بن حسین زین العابدین پھر محمد بن علی باقر پھر جعفر بن محمد صادق پھر محمد بن موسی کاظم، علی بن موسی رضا، محمد بن علی جواد، علی بن محمد ہادی، حسن علی عسکری پھر خلف حجت محمد بن حسن مہدی، پھر شیعی علماء فرماتے ہیں محمد ﷺ کی وفات امامت کی وصیت کئے بغیر نہیں ہوئی مگر اہل سنت والجماعت ان سب باتوں کے

مخالف ہیں وہ اللہ کے افعال میں علم وحکمت کو ثابت نہیں کرتے اور قبیح کا کرنا. واجب میں خلل ڈالنا اس پر جائز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی غرض اور کسی حکمت کے لئے کوئی فعل نہیں کرتا۔ وہ ظلم وعبث کرتا ہے فقط ایسا ہی فعل نہیں کرتا جو بندوں کے حق میں بہتری ہو بلکہ ایسا بھی کرتا ہے جو حقیقت میں فساد ہو کیونکہ کل معاصی اور قسم قسم کے کفر وظلم اور فساد کی وہ کل قسمیں جو جہاں میں واقع ہیں سب اللہ ہی کی طرف منسوب ہیں (پھر شیعی علماء گوہر افشانی کرتے ہیں) سنی یہ بھی کہتے ہیں مطیع ثواب کا مستحق نہیں ہوتا نہ عاصی عقاب کا بلکہ کبھی اللہ ایسے شخص کو بھی عذاب دے دیتا ہے جو ساری عمر اس کی اطاعت اور اوامر کے پیروی کرنے میں کوشش کرتا رہا ہو جیسے نبی ﷺ اور ایسے عاصی کو ثواب عطا کرتا ہے جو اپنی ساری عمر قسم قسم کے معاصی اور طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا رہا ہو جیسے ابلیس اور فرعون سنی یہ بھی کہتے ہیں انبیاء معصوم نہیں بلکہ بعض اوقات ان سے بھی بھول چوک، فسق اور لغزشیں صادر ہو جاتی ہیں۔ سنی یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کسی امام پر نص نہیں کی اور بلا وصیت کئے آپ انتقال کر گئے اور کہتے ہیں رسول اللہ کے بعد ابوبکر بن قحافہ امام ہے اس وجہ سے کہ عمر بن خطاب نے چار آدمیوں کے راضی ہو جانے پر اس سے بیعت کر لی تھی اور وہ چار یہ ہیں. ابوعبیدہ بن جراح، سالم موئی ابوحذیفہ، اسید بن حضیر، بشر بن سعد بن عبادہ، پھر ابوبکر کے بعد عمر بن خطاب کو امام کہتے ہیں محض اس وجہ سے کہ ابوبکر نے اس پر نص کر دی تھی پھر عثمان بن عفان کو کیونکہ عمر نے امامت کے لئے چھ آدمی منتخب کئے تھے منجملہ ان کے ایک عثمان بھی تھے اور بعض نے عثمان ہی کو اختیار کر لیا تھا. پھر علی بن ابوطالب کو اس وجہ سے کہ ساری خلقت نے ان سے بیعت کر لی تھی۔ بقول شیعی علماء اس کے بعد ان میں اختلاف ہے. بعض کہتے ہیں علی کے بعد حسن امام ہیں بعض کہتے ہیں معاویہ بن ابوسفیان پھر سنیوں نے امامت کو بنی امیہ میں پہنچا دیا۔ مگر جب بنی عباس کی خون ریزی ظاہر ہوئی تو اس وقت امامت اس کے حوالہ کر دی پھر یہی امامت اس کے بھائی منصور کی طرف منتقل ہوئی اس بعد بنی عباس میں معتصم کی طرف منتقل ہوئی۔ فقط۔

جواب: ہمارے شیعی علماء نے گویا سنی عقائد کی نقل یا ان کا خلاصہ کیا ہے مگر بہت سا حصہ تو نرا افترا پردازیوں کا ہے. اور بہت سے حصہ میں تحریف کر دی گئی ہے جس کا بیان آپ عنقریب دیکھیں گے پہلے ہم قدر تعدیل اور تجویز کے مسائل پر بحث کرنا چاہتے ہیں. اصل یہ ہے کہ قدر تعدیل اور تجویز کے مسائل کو اس باب میں داخل کرنا جانبین پر اتہام ہے اس لئے اہل سنت اور شیعہ کے بہت سے فرقے

ان دونوں قولوں میں سے ہر ایک کے قائل ہیں. چنانچہ شیعہ کے بہت سے فرقے قدر کو مانتے ہیں اور تعدیل و تجویز کے مسائل کا انکار کرتے ہیں. اور جو لوگ ابوبکر و عمر عثمان کی خلافت کا اقرار کرتے ہیں ان میں بہت سے فرقے اس مذکور تعدیل و تجویز کے قائل ہیں جیسے معتزلہ وغیرہ. یہ سب کو معلوم ہے کہ اس قول کے معتزلہ ہی ہیں اور شیوخ رافضہ مثلاً مفید، موسوی، توسی، اور کراچکی وغیرہ نے بھی یہ قول معتزلہ ہی سے اخذ کیا ہے ورنہ متقدمین شیعہ کے کلام میں اس میں سے ایک بات بھی نہیں پائی جاتی.

اگر چہ اس بارے میں جو کچھ ہمارے مہربان شیعہ علماء نے بیان کیا ہے اسے امامیہ مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا اسے مسئلہ امامت میں ذکر کرنا بمنزلہ ان اختلافی مسائل کے ہے جن میں بعض مسلمانوں نے بھی موافقت کی ہے جیسے عذابِ قبر، منکر نکیر، حوض کوثر، میزان عمل، شفاعت اور اہل کبائر کے دوزخ سے نجات پانے وغیرہ کے مسائل ہیں اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ مسائل قدر کو مسائل امامت میں داخل کرنا یا تو جہل ہے یا تجاہل ہے دوسرے یہ کہ شیعی علما نے سنیوں کی طرف سے نقل کیا ہے اسے پورے طور سے نقل نہیں کیا کیونکہ امامیہ کے جس قول کی حکایت گئی ہے اسکا تتمہ ہے کہ حیوان کے افعال میں سے اللہ تعالی نے کچھ پیدا نہیں کیا نہ فرشتوں کو نہ انبیاء کو نہ اور کسی کو بلکہ یہ سب حوادث ہیں۔ جو بغیر اس کی قدرت اور خلق کے پیدا ہوجاتے ہیں. وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی گمراہ کو ہدایت کرنے اور کسی ہدایت یافتہ کو گمراہ کرنے کی اللہ تعالی میں قدرت نہیں اور نہ مخلوق میں سے کسی کو اس کی ضرورت ہے کہ اللہ اُسے ہدایت کرے بلکہ اللہ اسے بیان ہدایت کی ہدایت کر دیتا باقی ہدایت کے حاصل ہونے میں اللہ کی اعانت کی ضرورت نہیں وہ خود بخود حاصل ہوجاتی ہے اسی طرح گمراہی کو سمجھ لو. پھر کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کی ہدایت مومنین اور کفار کے لئے برابر ہے دین کے اعتبار سے مسلمانوں پر اس کا احسان اس سے زیادہ نہیں ہے جو کافروں پر ہے بلکہ اس نے جیسے علی بن ابوطالب کو ہدایت کی تھی ویسی ہی ابوجہل کو بھی کی تھی. اللہ تعالی بمنزلہ باپ کے ہے جس کے کئی بیٹے ہیں اور سب بیٹوں کو یکساں چاہتا اور یکساں دیتا ہے. تیسری وجہ شیعی علماء کا یہ کہنا کہ اللہ تعالی نے معصومین اولیاء مقرر کر دیئے ہیں تا کہ دنیا اہل کی مہربانی اور رحمت سے خالی نہ رہے۔ فقط ہم دریافت کرتے ہیں اولیاء کے مقرر کرنے سے کیا مراد ہے اگر یہ مراد ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں لوگوں پر حکومت کرنیکی قدرت وطاقت کردی ہے تا کہ ان کی حکومت سے لوگ فائدہ اٹھائیں تو یہ صریح جھوٹ ہے رافضی اس کے ہرگز قائل نہیں ہیں بلکہ وہ صاف کہتے ہیں کہ ہمارے ائمہ مقہورین، مظلومین اور عاجز تھے نہ ان کی

حکومت تھی نہ ان میں کسی قسم کی قدرت وطاقت تھی اور وہ خود بھی جانتے تھے کہ اللہ تعالی نے ہمیں سلطنت اور ولایت عطاء نہیں کی جیسا کہ اس نے مومنین یا صالحین یا کفار وفجار عطاء کی تھی۔ علاوہ اس کے اللہ نے بعض انبیاء کو بھی سلطنت عطا کی تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہوتا ہے۔ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ. (البقرہ:۲۵۱) پھر فرمایا۔ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا. (النساء:۵۴) اور پھر فرمایا۔ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِي بِهٖ. ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں. غرض یہ ہے کہ ان ائمہ میں سے کسی کو بھی اللہ تعالی نے ایسی سلطنت نہیں دی کہ جیسی انبیاء اور صالحین کو دی گئی تھی. یا ان کے سوا اور بادشاہوں کو دی گئی تھی. اس سے یہ قول صاف باطل ہوگیا کہ ان معصوموں کو اللہ تعالی نے اس طریق پر مقرر کیا تھا. اگر یہ کہا جائے کہ انہیں مقرر کرنے سے یہ مراد ہے کہ خلقت پر ان کی طاعت کرنی اللہ نے واجب کر دی ہے. پس جب لوگ ان کی طاعت کریں گے تو وہ ہدایت پر ہو جائیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ فقط اتنی سی بات سے نہ تو عالم میں مہربانی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ رحمت بلکہ اس سے لوگوں کو ان کی تکذیب اور معصیت حاصل ہوتی ہے اس کے علاوہ جو لوگ اس منتظر پر ایمان رکھتے ہیں انہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا نہ انہیں کبھی رحمت نصیب ہوتی ہے اور نہ کوئی اور مصلحت باوجود یہ کہ وہ اس سے محبت رکھتے اور موالات کرتے ہیں اس سے معلوم ہوگیا کہ اس امام کے ذریعہ سے نہ لطف حاصل ہوتا ہے نہ مصلحت نہ ایسے شخص کو جو اسکی امامت کا اقرار کرتا ہے نہ اسے جو اس کا انکار کرتا ہے پس اب یہ قول خیال یا عقیدہ یقیناً باطل ہوگیا کہ اس معصوم کے سبب سے عالم میں لطف ورحمت کا ظہور ہوتا ہے. اور بالبدیہ معلوم ہوگیا کہ عالم میں اس منتظر سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا نہ انہیں جو اس پر ایمان رکھتے ہیں نہ انہیں جو اس کا انکار کرتے ہیں بخلاف رسول اللہ اور اسکے نبی کے جسے اللہ نے مبعوث فرمایا ہو اور قوم نے اس کی تکذیب کر دی ہو کیونکہ اس سے ان لوگوں کا بڑا فائدہ ہوتا ہے اس پر ایمان لائے ہوں اور اسکی اطاعت کی ہو ایسے مطیع مومن کے حق میں وہ رحمت ہوتا ہے اور رہا نافرمان تو وہ حد سے بڑھنے والا ہوتا ہے۔ اس نیک نہاد منتظر سے نہ کبھی مومن کو فائدہ ہوا نہ کافر کو اس کے سوا باقی اثنی عشرہ ائمہ میں ایک ایک سے ویسا ہی فائدہ ہوا جیسے اس کے امثال اہل علم اور اہل دین سے ہوا یعنی حدیث کی تعلیم اور فتوے دینا وغیرہ باقی وہ منفعت جو ذی حکومت ائمہ سے مطلوب ہوتی ہے۔ ان میں کسی سے بھی حاصل نہیں ہوئی اس سے

صاف ظاہر ہو گیا کہ ان ائمہ کی بابت جو لطف و مصلحت کا شیعی علماء نے ذکر کیا ہے یہ محض تلبیس اور کذب محض ہے چوتھی وجہ شیعی علماء جو یہ فرماتے ہیں کہ سنیوں نے عدل و حکمت کو قائم نہیں رکھا اور اللہ پر قبیح کا کرنا اور واجب میں خلل ڈالنا جائز کر دیا ہے. یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے اس کی دو وجہ ہیں. اول یہ کہ اکثر اہل سنت والجماعت جو خلافت میں علی پر نص ہونے کے قائل نہیں ہیں اور نہ اثنی عشر کی امامت کے قائل ہیں وہ اس مذکورہ عدل و حکمت کو کسی طریق پر ثابت کرتے ہیں۔ جیسا کہ شیعی علماء اور ان کے شیوخ نے کہا ہے۔ غرض کہ ان تمام اہلِ سنت سے جو اس کی اصطلاح میں ہیں یا سوائے شیعہ کے عام لوگوں کی اصطلاح میں ہیں۔ اس قول کو نقل کرنا یقیناً جھوٹ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ تمام اہلسنت والجماعت جو قدر کا اقرار کرتے ہیں ان میں کوئی ایسی بات نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ عادل نہیں ہے۔ نہ کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ حکیم نہیں ہے۔ نہ ان میں کسی کا یہ قول ہے اللہ امرِ واجب کو چھوڑ دے۔ اور قبیح کو کر لے۔ خلاصہ یہ ہے مسلمانوں میں کوئی ایسی بات نہیں کہتا کہ اس پر باتفاق جمیع مسلمانوں کے وہ کافر شمار ہوں ہاں یہ تقدیر کا مسئلہ ہے اور اس میں مسلمانوں میں نزاع چلا آتا ہے. باقی جو قدر کے منکر ہیں۔ مثلاً معتزلہ وغیرہ ان کا قول وہی ہے جو متاخرینِ امامیہ کا مذہب ہے۔ اور جو قدر کو مانتے ہیں۔ اور وہ جمہور امت کو اور اس کے ائمہ ہیں. مثلاً صحابہ تابعین اور اہل بیت وغیرہ. سو ان کا اللہ کے عدل, اسکی حکمت اور اس کے ظلم کی تفسیر میں بے شک اختلاف ہے. جس سے اللہ کو منزہ سمجھنا واجب ہے علی ہذا القیاس اس کے افعال و احکام وغیرہ کی علت بیان کرنے میں بھی اختلاف ہے چنانچہ ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ اللہ سے ظلم ہونا ممتنع بلکہ غیر مقدور اور لذاتہ محال ہے جیسا نقیضین کو جمع کرنا محال ہے یہ سب جانتے ہیں کہ ممکن مقدور کسی طرح بھی ظلم نہیں ہو سکتا. وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ مطیعین کو عذاب دے اور عاصیوں پر احسان کرے تو یہ ظلم نہیں ہے. کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں. ظلم دوسرے کی چیز میں تصرف کرنے یا کسی کے حکم کی مخالفت کرنے کا نام ہے. اللہ تعالیٰ چونکہ ہر چیز کا مالک ہے اس لئے اس کا کوئی حکم کرنے والا نہیں ہے. یہ قول ان متکلمین کا ہے جو قدر کو مانتے ہیں اور ان کا بھی جو ائمہ فقہاء اربعہ میں سے ان کے موافق ہیں یہی قول ہے ایک اور گروہ یہ کہتا ہے کہ ظلم ممتنع نہیں ہے۔ بلکہ مقدور ممکن ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے انصاف کی وجہ سے اسے نہیں کرتا اسی وجہ سے اس نے اپنی مدح کی ہے کہ میں آدمیوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا. رہی مدح وہ ایسی چیز کے ترک کرنے سے ہوتی ہے جو مقدور میں ہو نہ کہ ایسی چیز کے ترک کرنے پر جو مقدور سے باہر اور ممتنع ہو. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا (طٰہٰ:۱۱۲)
وہ کہتے ہیں ظلم سے مراد یہ ہے کہ دوسرے کے گناہ کسی کے ذمے رکھ دیئے جائیں اور ہضم سے یہ مقصود ہے کہ کسی کی نیکیاں بھسم کر لی جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ . اس سے یہ بیان کر دیا کہ جب اللہ لوگوں کو ہلاک کرتا ہے۔ تو ان پر ظلم نہیں کرتا بلکہ ان کے گناہوں کے سبب انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔
وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا. یعنی لوگوں کی نیکیوں میں کسی طرح کی کمی نہ کی جائے گی اور نہ بغیر گناہوں کے انہیں عذاب دیا جائے گا. اس سے معلوم ہوا کہ اس ظلم سے اللہ منزہ ہے. اس میں شک بھی نہیں کہ اللہ نے اپنی ذات کو ایسی چیز سے منزہ کیا ہے جس پر وہ قادر ہے نہ ایسی چیز جو ممتنع لذاتہ ہے. قرآن مجید ایسی مثالوں سے بھرا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے انصاف چاہتا ہے ان میں انصاف ہی سے فیصلہ کرے گا. ان میں بغیر انصاف کے فیصلہ کرنا ظلم ہے جس سے اللہ تعالیٰ منزہ ہے. وہ ایک کا گناہ دوسرے کے ذمہ نہ رکھے گا صحیح میں حضور انور سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَا عِبَادِیْ انی حرمت الظلم علی نفسی و جعلته بینکم محرما و لا تظالموا.
یعنی اے میرے بندوں میں نے ظلم کرنا اپنے پر حرام کر لیا ہے اور اسے تم میں بھی حرام قرار دیتا ہوں ہوں پس تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو فقط. غرض یہ ہے کہ اللہ پاک نے اپنے اوپر ظلم کرنا حرام کر لیا ہے جیسا کہ رحمت اس کے مقابلہ میں اپنے اوپر فرض کر لی ہے چنانچہ فرمایا كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ. ایک صحیح حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کا فیصلہ کرے گا عرش پر اس کے پاس ایک کتاب رکھی ہوگی جس میں یہ لکھا ہوگا اِنَّ رَحْمَتِی غلبت علی غضبی. یعنی میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے. جس امر کو اللہ نے اپنے اوپر فرض کر لیا یا حرام کر لیا تو وہی ہوتا ہے جو اس کے مقدور میں ہو ورنہ جو خود ہی ممتنع ہے اسے نہ کوئی اپنے اوپر فرض کرتا ہے نہ حرام. یہ قول اکثر اہل سنت، اہلحدیث، تفسیر، فقہ کلام اور اور اہل تصوف میں سے ان لوگوں کا ہے جو قضا و قدر کو مانتے اور ائمہ اربعہ وغیرہ کی پیروی کرنے والوں میں سے ہیں۔ پس یہ لوگ جو اللہ کے انصاف اور احسان کے قائل ہیں یہ قدریہ کے ان لوگوں سے کم ہیں جو کہتے ہیں جب کسی نے کبیرہ گناہ کر لیا تو اس کا ایمان بالکل نیست و نابود ہو گیا مگر یہ تو اللہ کی طرف سے ایک قسم کا ظلم ہے جس سے اللہ نے اپنے کو منزہ کیا ہے اور خود فرمایا ہے. فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ

جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ مسلمانوں پر اللہ کا یہ کرنا کہ انہیں ہدایت کردی اور کفار کو نہ کی اس کا ظلم ہے یہ قول سراسر جہالت پر مبنی ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں اول تو اس وجہ سے کہ یہ اللہ کا فضل ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدَاكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ. یعنی بلکہ اللہ تم پر احسان کرتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان لانے کی ہدایت کردی اگر تم سچے ہو. پھر انبیاء کا قول دیکھو۔ اِنْ نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ. یعنی بیشک ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں. لیکن اللہ تعالے اپنے بندوں سے جس پر چاہتا ہے احسان کردیتا ہے.

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک شخص کو ایمان کے ساتھ مخصوص کر لینا بعینہ ایسا ہے جیسا کسی کو علم، قدرت صحت اور مال وغیرہ زیادہ دینے کے ساتھ مخصوص کر لیا جاتا ہے اور جب ایک شخص کسی ایسی قوت اور طبیعت کے ساتھ مخصوص کر لیا گیا جو غذا صالح کو مقتضی ہے تو وہ غذا اپنی مناسب اور عافیت پیدا کرے گی. اگر دوسرے شخص کو یہ چیزیں عطا نہیں ہوئیں تو اس میں نقص رہ کے نقاہت اور ضعف ہو جائے گا. یہ ہم پہلے کئی متربہ بتا چکے ہیں کہ ظلم کے معنی ایک چیز کو بے موقع رکھ دینے کے ہیں اللہ تعالی تو عذاب کو اسی موقع پر رکھتا ہے جو اس کا مستحق ہو. وہ پاک پروردگار محسن کو بھی عذاب نہیں کرتا. اس سے یہ بات معین ہوگئی کہ اللہ تعالے انصاف اور احسان کرتا ہے اس کا فعل ان دونوں وصفوں سے کبھی خارج نہیں ہوگا.

اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ اللہ کی ہر نعمت اسکا فضل ہے اور ہر نعمت اس کا انصاف ہے جیسا کہ ایک صحیح حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالے فرماتے ہے. **یا عبادی انی حرمت الظلم علے نفسه وجعلته بینکم محرما فلا تظالمو ان ما هی اعمالکم احصیا لکم ثم اوفیکم ایا ها فمن وجد خیر افلیحمد الله تعالی ومن وجد غیر ذلک فلا یلومن الانفسه.**

یعنی اے میرے بندو ظلم کرنا اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور اسے تم میں بھی حرام کر دیا ہے. لہٰذا تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو. کیونکہ تمہیں تمہارے افعال ہی سے تکلیف پہنچتی ہے جنہیں میں تمہارے لئے احتیاط سے رکھ کے پھر تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دیتا ہوں پس اگر کسی کو راحت پہنچے تو اسے اللہ کا شکر کرنا چاہیے اور اگر اس کے خلاف ہو تو اسے اپنے ہی کو ملامت کرنی چاہیے۔ پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے اللہ تعالی کے لئے قبیح فعل کا کرنا اور واجب کو نہ کرنا جائز کر دیا ہے. اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو یہ کہتا ہو کہ اللہ تعالی قبیح فعل کرتا ہے اور واجب کو ترک کرتا ہے ہاں معتزلہ وغیرہ اور وہ شیعہ جو ان کے موافق ہیں اور قضا و قدر کا انکار کرتے ہیں

وہ بیشک اللہ پر وہی امور واجت کرتے ہیں۔ جو بندوں پر واجب کرتے ہیں اور وہی امور اس پر حرام کرتے ہیں۔غرض یہ کہ اللہ کو اسکی مخلوق پر قیاس کر کے اس کے لئے ایک شریعت گھڑتے ہیں مگر وہ اہل سنت اور شیعہ جو قضاوقدر کو مانتے ہیں وہ سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالی کو اسکے افعال میں مخلوق پر ہرگز قیاس نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ اسکی ذات وصفات میں مخلوق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔نہ اس کی ذات میں نہ اس کی صفات میں۔نہ اسکے افعال میں۔نہ یہ ہوسکتا ہے کہ جو حکم ہم میں سے کسی پر واجب ہو ویسا ہی اللہ تعالی پر بھی واجب ہو نہ یہ کہ جو چیز ہم پر حرام ہو ویسی اللہ پر بھی حرام ہو نہ یہ کہ جو فعل ہمارے لئے قبیح ہو وہی اللہ عز وجل کے لئے بھی قبیح ہو نہ یہ کہ جو اللہ کے لئے اچھا ہو وہی ہمارے لئے بھی اچھا ہو ہم میں کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اللہ تعالی پر کوئی چیز واجب کر دیں یا اس پر کوئی چیز حرام کر دیں۔پس یہ ان کے اس قول کی اصل ہے جس پر ان سب نے اتفاق کر لیا ہے علاوہ اس کے ان کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب اللہ نے اپنے بندوں سے کسی چیز کا وعدہ کر لیا ہے تو اس وعدہ کا پورا ہونا بحکم اس وعدہ کے واجب ہے کیونکہ اللہ اپنی خبر میں یقیناً سچا ہے وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ان کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اللہ اپنے نبیوں اور نیک بندوں پر عذاب نہیں کرے گا بلکہ انہیں جنت میں داخل کرے گا کہ اس نے وعدہ کیا ہے لیکن دو مسئلوں میں انکا نزاع ہے اور یہ کہ کیا بندے اپنی عقلوں کے ذریعہ سے یہ بیان کرسکتے ہیں کہ ان افعال میں سے یہ افعال اچھے ہیں اور اللہ تعالی اس فعل کے ساتھ متصف ہے یا یہ کہ ان میں بعض افعال برے ہیں اور اللہ تعالی اس سے منزہ ہے.
اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ فعل کا حسن وقبیح یعنی اچھا برا ہونا عقل سے معلوم نہیں ہوسکتا نہ اللہ کے حق میں نہ بندوں کے حق میں اللہ کے حق میں نہ معلوم ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اس سے قبیح فعل سرزد ہونا لذاتہ ممتنع ہے. باقی بندوں کے حق میں نہ معلوم ہونے کی یہ وجہ ہے کہ حسن وقبح بغیر شرع کے ثابت نہیں ہوسکتا یہ قول اشعری اسکے اتباع امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے شاگردوں میں سے اکثر فقہاء کا ہے.دوسرا قول یہ ہے کہ اکثر افعال کا حسن وقبح اللہ کے حق میں اور بندوں کے حق میں عقل سے معلوم ہوجاتا ہے.یہ قول باوجود یہ کے معتزلہ کا ہے لیکن یہی قول کرامیہ اور ان کے سوا اکثر فرقوں کا ہے اور یہی جمہور حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے اکثر شاگردوں میں سے ابوالحسن تمیمی اور ابوالخطاب کلوازی کا ہے ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے اور یہی قول امام شافعی اور امام احمد کے اکثر شاگردوں میں سے ابوعلی بن ابو ہریرہ اور ابوبکر قفال وغیرہ کا ہے۔اور یہی

قول اکثر ائمہ اہل حدیث کا ہے انہوں نے پہلے قول کو اہل بدعت کے اقوال میں سے شمار کیا ہے جیسا کہ ابونصر سنجری نے اپنے مشہور رسالہ میں ذکر کیا ہے. اسی مسئلہ میں ایک تیسرا قول ہے جو امام رازی نے اپنی آخری تصنیفات میں اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حسن وقبح بندوں کے حق میں عقلی ہے یعنی عقل سے معلوم ہوجاتا ہے مگر اللہ کے حق میں عقلی نہیں ہے. دوسرا مسئلہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اللہ تعالی کی یہ صفت بیان کر سکتے ہیں کہ اس نے اپنے اوپر کوئی چیز واجب یا حرام کر لی ہے. یا واجب ہونے سے فقط یہ مراد ہے کہ اس کے ظہور میں آنے یا نہ آنے کی اس میں خبر دے دی ہے اور اس کی خبر کا پورا ہونا ضروری ہے. ایک گروہ کا یہ دوسرا قول ہے کہ نہ اللہ پر کوئی چیز واجب ہے نہ کوئی شئے حرام ہے. دوسرے گروہ کا یہ قول ہے کہ نہیں اللہ نے اپنے اوپر خود واجب اور حرام کر لی ہے چنانچہ قرآن وحدیث اس کے شاہد ہیں اللہ فرماتا ہے. كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ. اور فرمایا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. اب رہی یہ بات کہ اللہ پر واجب اور حرام بندے کرتے ہیں یہ کل اہل سنت والجماعت کے نزدیک ممتنع ہے. جو شخص یہ کہے کہ اللہ نے اپنے اوپر واجب کرلیا ہے یا حرام کرلیا ہے تو یہ وجوب اور تحریم آیا سماعت ہی سے معلوم ہوتا ہے یا عقل سے بھی معلوم ہوجاتا ہے. اس میں اہل سنت کے دو قول ہیں اور جب یہ سب اقوال اہل سنت کے لئے بلکہ ان میں سے ہر ایک مذہب والے کے لئے بھی مشہور ہیں مثلا ائمہ میں سے امام احمد وغیرہ کے لئے تو اب اہلسنت میں سے جو یہ کہے کہ اللہ تعالی پر کوئی چیز واجب نہیں ہے. نہ اس پر کوئی حرام ہے تو اس کے نزدیک اللہ کا واجب میں مخل ہونا اور قبیح فعل کا مرتکب ہونا بالکل ممتنع ہے. اور جو یہ کہے کہ اس نے اپنے اوپر واجب کرلیا ہے یا حرام کرلیا ہے. تو ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس نے اپنے اوپر جو کچھ لکھ لیا اس میں کمی نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے وہ اس فعل کو نہیں کرتا جو اس نے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔ اس بیان سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اہلسنت والجماعت میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ اللہ پر واجب میں کمی کرتا ہے یا قبیح فعل اس پر تھوپتا ہے. لیکن ہمارے شیعی علماء نے اپنے ہم خیالوں کی طرز اخیار کر لی ہے اور زبردستی اہل سنت والجماعت کے سر چپکتے ہیں کہ وہ اللہ پر واجب میں کمی اور فعل قبیح کرنے کو جائز رکھتے ہیں اور ان کی یہ حکایت ان دو فرقوں میں سے ایک کو الزام دینے کے طریق پر ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی پر کوئی چیز واجب نہیں ہے لہذا وہ ہر چیز میں کمی کر سکتا ہے. ان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا کوئی فعل قبیح نہیں ہوا کرتا۔ یعنی جو فعل بندوں کے نزدیک قبیح ہو یا بندوں کے افعال میں سے جس کا کرنا قبیح ہو اس کا اللہ کو کرنا ان کے

نزدیک جائز ہے۔اس کے علاوہ اہلسنت والجماعت قضاوقدر پر اوراس پر ایمان رکھتے ہیں۔اللہ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔اور یہ کہ ہدایت اس کے فضل سے ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے قدریہ کہتے ہیں اللہ پر یہ واجب ہے کہ وہ ہر بندہ کے ساتھ وہ کرے جسے وہ واجب خیال کرتے ہوں اوراس کی ضد اس پر حرام ہے۔غرض کہ اللہ پر بہت سی چیزیں واجب کرتے ہیں اور بہت حرام کرتے ہیں۔حالانکہ اس نے اپنے اوپر انہیں واجب نہیں کیا۔نہ ان کا واجب ہونا شرع وعقل سے معلوم ہوتا ہے پھر جوکوئی انہیں اللہ پر واجب نہ کہے اس کے ذمہ قدریہ یہ چسپاں کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالی امر واجب کو پورا نہیں کرتا اور یہ دراصل نقل مذہب میں تلبیس بلکہ تحریف ہے۔ ان قدریہ کے قول کی اصل یہ ہے کہ یہ افعال میں اللہ کو مخلوق کے مشابہ کرتے ہیں۔مگر یہ تمثیل یقیناً باطل ہے۔باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنی یہ کہتے ہیں اللہ تعالی کسی غرض کے لئے کوئی فعل نہیں کرتا بلکہ اس کے کل افعال بغیر کسی غرض اور بلا کسی حکمت کے صادر ہوتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے افعال واحکام کو کسی علت اور حکمت سے کہنے میں اہل سنت والجماعت کے دو قول مشہور ہیں۔اس کے علاوہ وہ مذاہب اربعہ میں سے ہر مذہب میں نزاع ہے۔ فقہ وغیرہ میں گفتگو ہونے کے وقت ان میں اکثر تعلیل ہی کے قائل ہوتے ہیں۔ ہاں اصول میں بعض تعلیل کی تصریح کرتے ہیں اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو ابوبکرؓ،عمرؓ،عثمانؓ کی امامت کے قائل ہیں باقی فقہاء وغیرہ کے نزدیک اس لفظ سے ایک طرح کا نقصان ظاہر ہوتا ہے وہ نقصان ظلم ہو یا احتیاج کیونکہ اکثر آدمی جب یہ کہتے ہیں کہ اس میں فلاں شخص کی کوئی غرض ہے یا اس نے یہ کام اپنی کسی غرض کے لیے کیا ہے تو اس سے ان کی یہ مراد ہوتی ہے کہ اس نے یہ کام اپنی خواہش کے لئے کیا ہے اور اس کا مقصود اچھا نہیں ہے۔مگر اللہ تعالی اس سے منزہ ہے وہ اپنی خواہش اور غرض کے لئے کوئی کام نہیں کرتا۔پس اہل سنت والجماعت نے اس کو حکمت،رحمت،اور ارادہ وغیرہ کے ایسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ جو نص سے ثابت ہو چکے ہیں۔ہاں قضاوقدر کے ماننے والوں میں سے بھی ایک فرقہ معتزلہ کے لوگ اسے غرض کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں اللہ تعالی ہر فعل کسی غرض کے لئے کرتا ہے جیسا کہ منتسبین الی السنۃ میں کے ایک فرقہ کلام میں ایسا پایا جاتا ہے۔باقی شیعی علماء کا سنیوں کی طرف سے یہ نقل کرنا کہ اللہ تعالی ظلم اور عبث کام کرتا ہے ان پر سخت بہتان باندھنا ہے۔اہل اسلام میں سے ایسا کوئی نہیں ہے جو یہ کہتا ہو کہ اللہ ظلم اور عبث کام کرتا ہے جو اسکی طرف سے ظلم ہو یا عبث ہو وہ

پاک پروردگار اس سے یقیناً ارفع و اعلیٰ ہے. بلکہ اہلسنت اور شیعہ میں سے جو یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اپنے بندوں کے افعال بھی اسی نے پیدا کئے ہیں کیونکہ یہ افعال بھی منجملہ اشیاء کے ہیں. مخلوقات میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو بعض لوگوں کے لئے مضر ہیں علی ہذا القیاس. بعض افعال ایسے جو اپنے فاعل یعنی کرنے والے کی طرف ظلم ہوتے ہیں اگر چہ اپنے خالق کی طرف سے ظلم نہیں ہوتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے بندہ کے ایک فعل یعنی روزہ کو پیدا کیا اس پیدا کرنے سے وہ خود روزہ دار نہیں ہوا۔ اور جب اس نے بندہ کے اس فعل کو پیدا کیا جو حج ہے تو وہ خود طائف نہیں ہوا. اور جب اس نے بندہ کے اس فعل کو پیدا کیا جو رکوع و سجود ہے تو خود راکع اور ساجد نہیں ہوا اور جب اس نے بندہ کی بھوک پیاس کو پیدا کیا تو اس سے وہ خود بھوکا پیاسا نہیں ہوسکتا. غرض یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی محل میں کوئی صفت یا کوئی فعل پیدا کر دیا تو اس کے ساتھ وہ خود متصف نہیں ہوتا. اب اس بحث کو دوسرے رنگ میں دیکھئے، جہمیہ، معتزلہ اور شیعہ اکابر یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام اور کوئی نہیں ہے. سوائے اس کے جو اس سے منفصل ہے. ان کے نزدیک نہ اللہ کے ساتھ کوئی فعل قائم ہوتا ہے نہ قول انہوں نے اللہ کے اس کلام کو جو اس نے فرشتوں یا اپنے اور بندوں سے لیا ہے جو اس نے موسیٰ اور مریم سے کیا تھا۔ اور جو اس نے اپنے نبیوں پر نازل کیا ہے۔ وہ انہی کا کلام ٹھہرایا ہے۔ یعنی ان ہی کی ذات میں پیدا کر دیا گیا ہے. دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب ایک صفت ایک محل کے ساتھ قائم ہو جاتی ہیں تو اس صفت کا حکم اس محل ہی پر ہوتا ہے. مثلاً جب اللہ نے ایک محل میں حرکت پیدا کر دی تو اب اس حرکت سے متحرک یہ محل ہی ہوگا اس کا خالق اس سے متحرک نہیں ہوسکتا اسی طرح جب اس نے کسی محل میں کوئی رنگ یا خوشبو یا علم یا قدرت پیدا کر دی تو اب اس رنگ سے رنگین اور اس خوشبو سے خوشبودار. اس علم سے عالم اور اس قدرت سے قادر یہی محل ہوگا جس میں یہ چاروں چیزیں پیدا کی گئی ہیں. اسی طرح اللہ نے کسی محل میں کلام پیدا کر دیا تو اس کلام سے متکلم یہی محل ہوگا اور یہ کلام اسی محل ہی کا کلام ہوگا نہ کہ اپنے خالق کا پس وہ کلام جو موسے نے سنا تھا اگر مخلوق تھا تو اس درخت ہی کا کلام تھا نہ کہ اللہ کا یہاں معتزلہ اور ان کے متبعین شیعہ نے افعال سے حجت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب ایسے عدل و احسان سے عادل اور محسن ہے جو دوسرے کے ساتھ قائم ہوتے ہیں تو اسی طرح وہ کلام سے متکلم بھی ہے جو دوسرے کے ساتھ قائم ہوتے ہیں تو اسی طرح وہ ایسے کلام سے متکلم بھی ہے جو دوسرے کے ساتھ قائم ہے. یہ اشعری وغیرہ میں سے ان لوگوں پر حجت ہے جن کے نزدیک

کوئی ایسا فعل نہیں ہے جو اسکے ساتھ قائم ہو بلکہ وہ کہتے ہیں کہ خلق ہی مخلوق ہے. یہ قول امام مالک شافعی اور امام احمد کے بہت سے شاگردوں کا ہے. قاضی ابو یعلی کا پہلا قول ہے. لیکن جمہور یہ کہتے ہیں خلق اور چیز ہے اور مخلوق اور شئے ہے۔ یہی مذہب حنیفہ کا ہے۔ جس کو بعضوں نے اہل سنت والجماعت کی طرف سے نقل کیا ہے اور اسی کو ابو بکر کلاباذی نے کتاب التعرف لمذہب التصوف میں صوفیہ سے نقل کیا ہے چونکہ یہ قول اشعری وغیرہ کا ہے اور وہ معہ اہلسنت کے اس کے قائل ہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہے تو اس پر یہ کہنا لازم آتا ہے کہ بندوں کے افعال ہیں اللہ ہی کے افعال ہیں۔ کیونکہ اشعری کے نزدیک اللہ کا فعل اور مفعول ایک ہی ہے۔ حالانکہ مشہور قول میں کہیں یہ نہیں کہا کہ وہ بندوں کے افعال ہیں اگر کہا بھی ہے تو بطور مجاز کے ایسا کہا ہے. بلکہ ان کا قول یہ ہے کہ وہ بندوں کا کسب ہے. باقی اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ بندوں کے افعال حقیقت میں انہی کا فعل ہے۔ ایک قول اشعری کا بھی یہی ہے اور وہ جمہور جو خلق و مخلوق میں فرق ہونے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ بندہ کے افعال اللہ کی مخلوق و مفعول ہیں. نفس فعل نہیں ہیں نہ یہ کہ افعال اسکی وہ خلق ہیں جو اسکی صفت کے ساتھ قائم ہیں. خلاصہ یہ ہے کہ ان خرافات سے اہلسنت والجماعت کے عقائد بالکل پاک ہیں. ہاں مثبتہ میں سے ایک فرقہ یعنی اشعری وغیرہ پر ان سے اعتراض ہوسکتا ہے۔ مگر شیعی علماء کا اہلسنت کی طرف سے یہ کہنا کہ اللہ ظلم اور عبث کرتا ہے اگر انہوں نے واقعی اس سے ظلم اور عبث ہونا مراد لیا ہے تو یہ یقیناً بہتان ہے اور اگر انہوں نے الزام کے طور پر کہا ہے تو وہ اسے تسلیم نہیں کرتے کہ یہ ظلم ہے. ان کے ہاں ظلم کی تفسیر میں اختلاف ہے جس پر ہم مشرح گزشتہ صفحات میں بحث کر چکے ہیں. اور اگر شیعی علماء نے اس سے بندہ سے ظلم و عبث ہونا مراد لیا ہے تو اس کو اللہ کے پیدا کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے. اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جمہور علماء یہ نہیں کہتے کہ یہ ظلم و عبث اللہ کا فعل ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ فعل تو بندہ ہی کا ہے مگر پیدا کیا ہوا اللہ کا ہے جیسا کہ بندہ کی قدرت. سماعت اور بصارت اللہ کی مخلوق ہیں مگر یہ قوتیں اللہ کی نہیں شمار ہوسکتیں. باقی اہلسنت والجماعت کی بابت شیعی علماء کا یہ کہنا کہ ان کے عقیدہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالی وہ فعل نہیں کرتا جس میں اس کے بندوں کی بہتری ہو بلکہ وہ کرتا ہے جس میں ان کا نقصان ہو مثلاً معاصی اور طرح طرح کے فساد کی وہ تمام قسمیں جو جہاں میں ظہور پذیر ہوتی ہیں وہ سب اسی کی طرف مستند ہیں تعالیٰ اللہ عن ذلک فقط۔

اسکا جواب یہ ہے کہ بات اگرچہ متکلمین اہل اثبات میں سے ایک گروہ نے کہی ہے لیکن

یہی قول متکلمین شیعہ میں سے بھی ایک گروہ کا ہے. مگر ائمہ اہلسنت اوران کے جمہور یہ نہیں کہتے ہیں جو شیعی علماء نے ذکر کیا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی ہر چیز کا خالق و مالک اور پروردگار ہے اسکی ملک اسکی خلق اور اسکی قدرت سے کوئی چیز نہیں نکل سکتی. اسی میں تمام حیوانوں کے افعال بھی داخل ہیں وہ فرشتوں مومنین اور بندوں کی تمام حرکات کا خالق ہیں مگر قدریہ اس کی ملک سے اعلی درجہ کی چیزوں کو خارج کرتے ہیں اور وہ اعلے درجہ کی چیزیں انبیاء فرشتوں اور مومنین کی طاعت ہے وہ کہتے ہیں کہ انہیں اللہ نے پیدا نہیں کیا نہ وہ بندوں سے انہیں استعمال کرا سکتا ہے نہ بندے کو اسکا الہام کرتا ہے نہ اتنی قدرت رکھتا ہے کہ جو انہیں ادا نہ کرے اس سے کرادے اور اس طاعت کا اسے فاعل بنادے حالانکہ خلیل نے یہ دعا کی تھی. "رَبَّنَا وَجَعَلْنَا مُسْلِمَيْنَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَكَ" یہاں خلیل نے اللہ سے یہ دعا کی ہے کہ مجھے اور میری اولاد میں سے ایک بہت بڑی جماعت مسلمان کر دے یہ اس بارے میں صریح ہے کہ اللہ دوسرے کو ایک شئے کا فاعل بنادیتا ہے. پھر فرمایا.

"رَبِّ جَعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَوٰةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي" یہاں اللہ تعالے سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ مجھے اور میری اولاد کو نمازی کردے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالے بندے کو نمازی کردیتا ہے اس کے علاوہ بدن کی کھالوں اور جوارح کے بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں جن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے. اب رہی یہ بات کہ اللہ تعالی وہ فعل نہیں کرتا جس میں بندوں کی بھلائی ہو یا وہ بندوں کی مصلحتوں کی رعایت نہیں کرتا اس میں علماء کا اختلاف ہے قضاد قدر کے ماننے والوں میں سے ایک گروہ کا یہ مذہب بھی ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے پیدا کرنے اور حکم دینے کا محض مشیت سے تعلق ہوتا ہے کسی مصلحت وغیرہ پر موقوف نہیں ہوتا یہی قول جمیہ کا ہے مگر جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اللہ بندوں کو وہ کہتے ہیں اللہ کے پیدا کرنے اور حکم دینے کا محض مشیت سے تعلق ہوتا ہے کسی مصلحت وغیرہ پر موقوف نہیں ہوتا۔ یہی قول جمیہ کا ہے مگر جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اللہ بندوں کو وہی حکم دیتا ہے جس میں انکی بھلائی ہو۔ اسی چیز سے منع کرتا ہے۔ جس میں انکا نقصان ہو۔ مامور کے کرنے میں کرنے والے کے لئے عام مصلحت ہے علی ہذا القیاس پیغمبروں کو بھیجنا بھی عام مصلحت کے لئے ہے اگرچہ اس میں بعض لوگوں کو ان کی نافرمانی کرنے کے باعث ضرر بھی پہنچتا ہے کیونکہ جیسا کہ ابھی اوپر لکھا جاچکا ہے اللہ تعالے کے عرش پر یہ لکھا ہے. جس سے مطلب یہ ہے کہ یہ اس معبود برحق کی فطرت ہے کہ میری رحمت تیرے غصے پر غالب ہے. باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ مطیع یعنی اللہ کی طاعت کرنے والا ثواب کا

مستحق نہیں ہوتا اور نہ عاصی عذاب کا مستحق ہوتا ہے بلکہ کبھی اللہ ایسے مطیع کو عذاب دے دیتا ہے جس نے اپنی ساری عمر اس کے اور امر کی پیروی کرنے میں بے انتہاء کوشش کی ہو جیسے انبیاء ہوتے ہیں کبھی وہ ایسے عاصی کا ثواب عطا کرتا ہے جس نے اپنی ساری عمر قسم قسم کے گناہ کیئے ہوں جیسے ابلیس اور فرعون ہے اسے یاد رکھئے کہ شیعی علماء کا یہ کہنا اہل سنت والجماعت پر نرا اتہام ہے ان میں یہ کوئی نہیں کہتا کہ اللہ نبی کو یا مطیع کو عذاب دے گا نہ کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ ابلیس اور فرعون کو ثواب عطا کرے گا بلکہ وہ عاصی کو بھی اسکی معصیت پر ثواب عطا نہیں کرنے کا ہاں مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ مومنین میں سے وہ کسی گنہگار کا قصور معاف کردے اور کبیرہ گناہ والوں کو دوزخ کی آگ سے نجات دے دے اور اہل توحید میں سے کسی کو دوزخ میں نہ رہنے دے دوزخ سے ان لوگوں کو بھی نجات عطا کر دے جن کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو خود امامیہ بھی اس بارے میں اہل سنت کے موافق ہیں اب رہا استحقاق کا مسئلہ بے شک سنی علماء کا قول ہے کہ بندہ خود ہی اللہ سے کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا اور نہ بندے کے یہ لائق ہے کہ خود ہی یا کسی کے ذریعہ سے اپنے پروردگار کے ذمہ کوئی چیز واجب کردے اہل سنت صاف کہتے ہیں کہ مطیعین کو ثواب عطا ہونا ضروری ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما دیا ہے اور وہ اپنے وعدہ میں سچا ہے وعدہ خلافی ہرگز نہیں کرتا ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ثواب کا وقوع اس وجہ سے ہوگا کہ اس نے اس کا ہم سے وعدہ کرلیا ہے باقی اس کو اللہ پر واجب ٹھہرانا اور عقل کے ذریعہ اس سے واقف ہونا اس بارے میں سنیوں میں نزاع ہے اس پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں پس شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں کا عقیدہ ہے کہ مطیع ثواب ملنے کا مستحق نہیں ہوتا اگر ان کا اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ خود اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں کر دیتا تو بے شک اہل سنت ایسا ہی کہتے ہیں اور اگر شیعی علماء کا یہ مطلب ہے کہ مطیع ثواب کا حقدار نہیں ہوتا تو یہ محض غلط ہے اور اگر ان کا یہ مقصد ہے کہ اللہ نے اس کو اپنے وعدے کی وجہ سے پیدا نہیں کیا تو یہ بھی اہل سنت پر اتہام ہے اور اگر شیعی علماء مطیع کو اللہ کے ثواب نہ دینے کے یہ معنی لیتے ہیں کہ اس سے اللہ نے اپنے اوپر واجب اور فرض نہیں کرلیا تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس کا بیان بھی ہم پہلے کر چکے ہیں اب رہا اللہ تعالیٰ کا وعدہ اللہ نے ثواب کا وعدہ کرلیا ہے یا ثواب عطا کرنا اپنے اوپر واجب کرلیا ہے اس کا خلاف ہونا یقیناً ممتنع ہے اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ جسے چاہے گا عذاب دے گا تو اسے منع کرنے والا کوئی نہیں ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ یعنی اے نبی ان

سے کہہ دو اگر اللہ مریم کے بیٹے مسیح اور ان کی ماں بلکہ ان تمام لوگوں کو جو زمین میں ہیں ہلاک کرنا چاہے تو اللہ سے کون کچھ اختیار رکھتا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت اللہ تعالی کسی چیز کا ارادہ کرے یا اسے کر گزرے کس کی مجال ہے کہ وہ ہوں ہاں کر سکے ایک صحیح حدیث میں آیا ہے حضور انور رسول اللہ علیہ ارشاد کرتے ہیں یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے عمل کے سبب سے جنت میں نہ جائیگا صحابہ نے عرض کیا اور آپ یا رسو اللہ نے فرمایا نہ میں ہاں اگر اللہ اپنی رحمت اور فضل میں مجھے چھپالے ایک اور حدیث میں ہے جو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے اگر اللہ آسمانوں اور زمین کے سب باشندوں کو عذاب دینا چاہے تو وہ عذاب دے سکتا ہے۔ اور یہ اس کی طرف سے ان پر ظلم نہ ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم کرے تو اس کی رحمت ان کے حق میں ان کے اعمال سے یقیناً بہتر ہے۔ باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنی انبیاء کو معصوم نہیں سمجھتے تو یہ ان سے علی الاطلاق نقل کرنا یقیناً باطل ہے کیونکہ وہ سب اس پر متفق ہیں کہ انبیاء ان امور میں معصوم ہوتے ہیں. جن کی وہ اللہ کی طرف سے تبلیغ کرتے ہیں اور یہی رسالت کا مقصود ہے کیونکہ رسول وہی ہے جو اللہ کی طرف سے اس کے امر و نہی وغیرہ کی تبلیغ کرے اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ رسالت کی تبلیغ میں انبیاء ایسے معصوم ہوتے ہیں کہ اس بارے میں ان کا خطاء پر عملدرآمد ہونا جائز ہی نہیں ہے۔ باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سُنیوں کے عقیدے کے مطابق کبھی ان سے خطا بھی سرزدہ ہو جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت سب اس پر متفق ہیں کہ انبیاء دینی خطا پر کبھی قائم نہیں رہ سکتے نہ فسق پر نہ جھوٹ پر اصل یہ ہے کہ وہ کل امور جن سے انبیاء کی نبوت میں اور اللہ کی طرف سے ان کے تبلیغ کرنے میں خرابی آتی ہے ان کی بابت سب اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ اس سے منزہ ہیں عام جمہور جو ان سے صغیرہ گناہ ہونے جائز رکھتے ہیں ان کا بھی یہ قول ہے کہ ان پر عملدرآمد کرنے سے انبیاء بے شک معصوم ہیں ان سے ایسا گناہ سرزد نہیں ہوتا جس سے انہیں ضرر ہو جیسا کہ ایک اثر میں آیا ہے کہ داؤد نے خطا کرنے کے بعد جب توبہ کی تو وہ بہ نسبت پہلے کے یعنی قبل از خطا کرنے کے بہت اچھے تھے اللہ تعالی توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے بہت محبت رکھتا ہے۔ یہ بھی آیا ہے کہ بندہ بعض گناہ ایسے کرتا ہے کہ اگر اس نے توبہ کرلی تو اللہ تعالی اسے بخش دیتا ہے یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ نماز میں سہو و نسیان انبیاء سے بھی ہوتا ہے اور اس سہو و نسیان کی غایت یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایک جدید تعلیم کا باب کھل جائے چنانچہ موطا امام مالک میں مروی ہیں حضور انور رسول اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں

اس لئے بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں کہ لوگ میرا اقتدا کیا کریں اور فرمایا کہ میں بھی تم جیسا ایک بشر ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا اور جب میں بھولوں تم مجھے یاد دلا دیا کرو یہ روایت صحیحین میں ہے مگر ہمارے دوست ایک حد تک نصاری کی مشابہت کرنے کا زیادہ مذاق رکھتے ہیں اللہ تعالی نے سب کو پیغمبروں کے حکم کی پیروی کرنے اوران کی خبروں کی تصدیق کرنے کا حکم دیا تھا اور ساری مخلوق کو غلو کرنے اور اللہ تعالی کا شریک ٹھہرانے سے منع فرمایا تھا۔ نصاری نے اللہ کے دین کو بدل کر مسیح میں یہاں تک غلو کیا کہ انہیں اللہ کا شریک ٹھہرادیا ان کے دین کو بدل ڈالا ان کی نافرمانی کی جسکی وجہ سے وہ نافرمان ہو گئے آخر یہاں تک بڑھے کہ دین کی دونوں اصلوں سے خارج ہو گئے اور وہ دونوں اصلیں اللہ کی وحدانیت اور پیغمبروں کی رسالت کا اقرار کرنا ہے۔ اس غلو میں اخیر وہ تثلیث تک جا پہنچے اور پیغمبروں کی اطاعت وتصدیق سے یہان تک خارج ہوئے کہ جب پیغمبروں نے انہیں اللہ کی عبادت کرنے کو کہا تو اس کی صاف تکذیب کردی۔ ایس ہی ہمارے احباب نے پیغمبروں میں بلکہ ائمہ میں یہاں تک غلو کیا کہ انہیں اللہ کے برابر کردیا اور اللہ وحدہ لاشریک کی اس عبادت کو چھوڑ دیا جس کی پیغمبروں نے انہیں ہدایت کی تھی ان کی مساجد سے ان تمام باتوں کا تم مشاہدہ کرسکتے ہو بہ نسبت مقبروں کے ان کی مسجدیں ویران ہیں ان کا رجحان بالکل مقبروں کی طرف ہے وہاں وہ حجروں میں بیٹھتے ہیں ان کا حج کرنے کے لئے سینکڑوں کوس کا سفر کرتے ہیں بعض ان میں سے خانہ کعبہ کے حج سے وہاں کا طواف افضل سمجھتے ہیں۔ جو اللہ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے اور اپنی اس روش کو خدا کی عبادت سے بدرجہا افضل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ صحاح میں حضور انور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا تاکہ ان یہود ونصاری پر اللہ لعنت کرتا ہے۔ جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت خانہ بنالیا تھا آپ کو اس کا اس قدر خیال تھا کہ اپنے وصال سے پانچ دن پہلے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا دیکھو تم قبروں کو بھی مساجد نہ بنانا میں تمھیں اس سے منع کرتا ہوں۔

(یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے) ایک اور روایت میں ہے حضور انور ﷺ نے یہ دعا کی تھی اے اللہ میری قبر پر بت پرستی نہ کی جائے۔ ان لوگوں پر اللہ کا عتاب ہوتا ہے۔ جو اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیتے ہیں (یہ حدیث امام مالک نے موطا میں روایت کی ہے) شیعوں کے شیخ ابن النعمان نے جو ان میں مفید کے نام سے مشہور ہے اور یہی موسوی اور طوسی کا استاد یہ ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام اس نے ''مناسک المشاہد'' رکھا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ مخلوق کی قبروں کا ایسا ہی حج کیا جائے

جیسے کعبہ بیت الحرام کا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیت الحرام کعبہ ہی کو ٹھہرایا ہے اور وہی سب سے پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے لہٰذا اس کے سوا نہ اور کسی کا طواف کیا جائے نہ اور کسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔ نہ کسی مقام کا حج کیا جائے۔ یہ دین اسلام سے بالاضطرار معلوم ہو چکا ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے کبھی ان مشاہد وغیرہ کا حکم نہیں دیا اور نہ انبیا و اور صالحین پر عبادت کرنا اپنی امت کے لئے جائز قرار دیا یہ طریقہ ان مشرکین کے دین کا ہے جن کی بابت اللہ نے یہ فرمایا ہے۔ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا. (نوح:۲۳) ابن عباس وغیرہ کا قول ہے کہ یہ ودّ اور سواعؔ وغیرہ نوح کی ایک قوم میں نیک آدمی تھے۔ جب یہ مر گئے تو لوگ ان کی قبروں پر بیٹھ گئے۔ جب اسے ایک زمانہ گزر گیا تو ان کی شکلوں کے بت بنا کے ان کی پرستش کرنے لگے تھے۔ حضور انور رسول اللہ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا نہ قبروں پر بیٹھا کرو نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو پھر صحیح مسلم وغیرہ میں ابوالہیاج اسدی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں مجھ سے علی بن ابی طالب نے فرمایا تھا کیا میں تمھیں اسی کام پر نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ نے مجھے بھیجا تھا۔ وہ یہ کہ جو قبر میں اونچی دیکھوں اسے ضرور زمین کے ہموار کر دوں۔ اور جو تصویر دیکھوں اسے فوراً مٹا دوں۔ پس آپ نے تصویروں کو مٹانے اور قبروں کو زمین کے برابر ہموار کرنے میں برابر رکھا ہے۔ اس وجہ سے کہ دونوں شرک کا ذریعہ ہیں صحیحین میں ہے کہ ام المومنین ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ نے حضور انور سے ایک گرجہ کا ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا اور اس کی تصاویر اور نقاشی کی بہت تعریف کی تھی حضور نے فرمایا جن لوگوں کا یہ گرجا ہے جب ان میں کوئی نیک آدمی مر جاتا ہے تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنا کے اس کی تصویر بنا لیتے ہیں دیکھو یاد رکھنا قیامت کے دن اللہ کے ہاں یہ لوگ ساری مخلوق سے بدتر ہوں گے فقط یہ وہ موقع ہے کہ یہ دونوں بیبیاں حضور انور کے مرض الموت میں حبشہ سے آئی تھیں۔ اس وقت شدّت مرض بہت تھی یہ دونوں بیبیاں آپ کے پاس بیٹھ گئیں چونکہ ایک نئے شہر سے آئی تھیں انھوں نے اس ملک کے عجائبات بیان کئے منجملہ اس کے گرجوں قبروں اور خانقاہوں کی بھی تعریف کی حضور انور کو سخت ناگوار گزرا۔ آپ نے تو تنبیہا کچھ فرما کے کہا دوات قلم لاؤ تاکہ میں تمھیں وہ لکھدوں کہ تم گمراہ نہ ہو۔ فاروق اعظم علی بن ابو طالب سمجھ گئے کہ حضور انور گور پرستی کی مذمت کرنا اور اس سے اپنی امت کو روکنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ ساری باتیں قرآن مجید میں موجود ہیں ایسے شدّت مرض میں آپ کو ایک لمبی چوڑی تحریر کی تکلیف دینی غیر ضروری

ہے آپ کو فقط قبروں کی تعریف سن کے غصہ آیا تھا لہٰذا فاروق اعظم کا یہ کہنا کہ ہمارے لئے قرآن مجید
بس ہے اور علی کا خاموشی سے تائید کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اور کسی بات کے لئے آپ نے قلم
دوات نہیں منگوایا تھا۔ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں مساجد کی تعمیر کا تو بیشک حکم دیا ہے۔ مگر مشاہد کا کہیں
کچھ ذکر نہیں کیا یہاں معاملہ ہی دوسرا ہے ہمارے احباب کو مساجد کی مطلق پروا نہیں ہاں مشاہد کا پر ان
کی تمام قوت اور توجہ صرف ہو جاتی ہے۔ یہ تو علانیہ مومنین کی مخالفت اور دوسرے فریق کی مشابہت
ہے چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ وَاَقِيْمُوْ وَجُوْهَكُمْ عِنْدَه كُلِّ مَسْجِدٍ خیال کرو کہ عند کل مشہد
نہیں فرمایا۔ اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے۔ مَاكَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسْجِدَ اللّٰهِ
شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ. اِنَّمَا
يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ
اِلَّا اللّٰهَ. فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ. (التوبہ: ۱۷-۱۸)
یہاں بھی اللہ نے مشاہد اللہ نہیں فرمایا بلکہ یہ فیصلہ کیا کہ مشاہد بنانے والے غیر اللہ سے ڈرتے اور غیر
اللہ ہی سے امیدیں رکھتے ہیں پھر ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ الْمَسٰجِدَ وَ لَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدً. یہاں
بھی وَاِنَّ الْمَشَاهِدَ لِلّٰهِ. نہیں فرمایا ان کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن میں مساجد کا ذکر
اور ان کی تعریف ہے۔ مگر مشاہد کا کہیں کچھ ذکر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ نقلِ متواتر اور دین اسلام سے
بالاضطرار یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ رسول اللہ نے اپنی امت کے لئے فقط مسجدوں کا بنانا مشروع کیا ہے
کہ ان میں پانچوں وقت کی نماز، جمعہ کی اور عیدین کی نمازیں پڑھی جائیں آپ نے اپنی امت کے
لئے کسی کی قبر پر مسجد یا مشہد بنانا ہرگز ہرگز مشروع نہیں کیا خواہ نبی کی قبر ہو یا کسی نیک آدمی کی۔ اہلبیت
میں سے ہو یا اور کسی خاندان میں سے اسلام میں حضور انور کے زمانہ میں کوئی مشہد ایسا نہ تھا۔ جو کسی نبی
وغیرہ کی قبر پر بنا ہوا ہو نہ ابراہیمؑ کی قبر پر نہ کسی کی قبر پر جب مسلمان کئی مرتبہ شام گئے جن میں عمر بن
خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابو طالب وغیرہ بھی تھے تو ان میں ایک صحابی بھی ابراہیمؑ کی قبر پر نہیں
گیا حالانکہ وہاں کوئی مشہد نہیں تھا صرف ایک غار پر ایک گول حظیرہ بنا ہوا تھا جس کا حضور انور کے
حجرے کی طرح کوئی اور دروازہ نہ تھا یہ حظیرہ بنی امیہ اور بنو عباس کی خلافت میں جوں کا توں بنا رہا ہے
یہاں تک کہ پانچویں صدی کے اخیر میں ان شہروں کے نصاری مالک بن گئے اور انھوں نے اسے گرجا
بنا لیا اور اس میں دروازہ بھی پھوڑ لیا مگر جب یہ ملک دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو کسی نے اس

عمارت کو مسجد میں منتقل کر دیا۔ صحابہ کی یہ عادت تھی کہ جب کسی کو کسی قبر پر مسجد بناتا دیکھتے تو اسے منع کر دیتے تھے۔ مثلا جب تستر میں دانیال پیغمبر کی قبر ظاہر ہوئی تو ابوموسی اشعری نے فاروق اعظم کو لکھا کہ اب اس پیغمبر کی قبر کیسی بنوائی جائے۔ آپ نے جواب دیا کہ دن کو تیرہ قبریں کھدواؤ۔ اور شب کو کسی ایک قبر میں دانیال کو دفن کر دو تاکہ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ دانیال کس قبر میں مدفون ہے اسلئے کہ لوگ اس قبر سے فتنہ میں پڑنے سے بچ جائیں گے۔ فاروق اعظم جب دیکھتے کہ مسلمان باری باری سے ایک خاص جگہ اس لئے نماز پڑھتے ہیں کہ اس جگہ حضور انور نے نماز پڑھی تھی۔ تو آپ اس سے بھی مسلمانوں کو منع فرمادیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کے آثار کو سجدہ گاہ سمجھنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے دیکھو جسے جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہ وہیں نماز پڑھ لیا کرے۔ غرض خدا پرستی قائم کرنے کا یہ زبردست خیال تھا جو یہ صحابہ قائم کرتے تھے اس میں اللہ اور رسول اللہ کی پوری پیروی تھی ہمارے مذہب کا دارومدار اور باتوں پر زیادہ تر مبنی ہے ایک یہ کہ ہم اللہ تعالی کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں دوسرے یہ کہ ہم جائز طریقہ سے عبادت کریں۔ بدعت نہ کریں۔ اب رہی بزرگوں کی تعظیم جس طرح حضرت مسیح کے حواری بجنے لگے اور نصاری انھیں ابرہیم موسی وغیرہ انبیاء اور مرسلین سے بہتر سمجھنے لگے اور کہنے لگے حواری بھی رسول ہیں اللہ نے ان سے بالمشافہ گفتگو کی ہے اسی طرح ہمارے احباب بھی ائمہ اثنی عشر کو سابقین اولین من المہاجرین والانصار سے افضل قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے غالیہ تو یہاں تک بڑے ہوئے ہیں کہ وہ اثنی عشر کو انبیاء سے بھی افضل سمجھتے ہیں یہی نہیں بلکہ ان کے معبود ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں جیسا کہ نصارنے مسیح کی بابت عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ دین احبار اور رہبان کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ جس چیز کو وہ حلال کہیں حلال ہے اور جسے حرام کر دیں وہ حرام ہے اور یہ دین وہی ہے جو انھوں نے ایجاد کیا ہے اسی طرح ہمارے شیعی احباب کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ دین ائمہ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ جس چیز کو وہ حلال کہیں وہ حلال ہے اور جس چیز کو حرام بنادیں وہ حرام ہے غرض اصل دین وہی ہے جو ان ائمہ نے ایجاد کیا ہے اب رہے غالی شیعہ مثلا وہ اسماعیلیہ۔ جو حاکم اور غیر ائمہ کے خدا ہونے کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد بن عبداللہ کی شریعہ کا ناسخ ہے وغیرہ وغیرہ ان سب باتوں کو غور سے دیکھ لیجئے۔ اور اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہمارے احباب کی ہو بہو مشابہت کن سے ہوتی ہے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ شیعوں پر کیا مقرر ہے شرک وبدعت وغیرہ سنیوں میں بھی موجود ہے کیونکہ اکثر سنی اپنے مشائخ میں غلو کرتے انھیں شریک ٹھہراتے ہیں غیر مشروعہ

عبادتیں ایجاد کرتے ہیں، اور ان میں بہت سے ایسے شخص کی قبر پر قصداً جاتے ہیں جس پر انہیں حسن ظن ہو یا تو اس لئے کہ اس سے اپنی حاجتیں مانگیں یا اس لئے کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ یا اس خیال سے کہ اس کی قبر کے پاس والی مسجد میں اگر دعا کی جائے گی تو جلدی مقبول ہوگی بعض سنی ایسے بھی ہیں کہ اپنے شیوخ کی قبروں کی زیارت کرنے کو حج بیت اللہ پر شرف دیتے ہیں یا اس سے افضل سمجھتے ہیں۔ بعض سنی قبروں پر روتے ہوئے اور زاری کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں حالانکہ یہ رقت مساجد میں نہیں ہوتی اکثر سنی مثل شیعوں کے ایسے قصے نقل کرتے ہیں جو عجائب و غرائب سے پُر ہوتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ اگر کوئی کسی پتھر پر حسن ظن کرے تو اللہ تعالیٰ اسی کے ذریعہ سے اُسے فائدہ پہنچا دیتا ہے یا مثلاً جب زیادہ پریشانیاں تمہیں گھیر لیں تو اصحاب قبور کا اقتدار کیا کرو۔ اور یہ کہ فلاں قبر پر تریاق مجرب ہے اسی طرح اپنے بعض شیوخ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے اپنے مریدوں سے کہا تھا جب تمہاری کوئی حاجت ہو ہماری قبر پر آیا کرو، اور ہم سے فریاد کیا کرو غرض یہ ہے کہ سنی اپنے مشائخ کے مرنے کے بعد بھی ان سے ایسا برتاؤ رکھتے ہیں جیسا ان کی زندگی میں ان سے رکھتے تھے۔ پس اسی قسم کے افعال نصاریٰ اپنے شیوخ سے اور عرب ہند، ترک وغیرہ کے بت پرست اپنے اپنے شیوخ سے کرتے ہیں لہٰذا ان میں اور سنیوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جواب: یہ کل باتیں بیشک ایسی ہیں کہ ان سے اللہ نے اور اللہ تعالیٰ کے رسول نے منع کر دیا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول نے منع کر دیا ہو وہ یقیناً مذموم اور نہی عنہ ہے۔ خواہ اسکا کرنے والا سنی ہو یا شیعہ مگر ہاں وہ مذمومہ امور جو قرآن وحدیث دونوں کے مخالف ہیں وہ شیعوں میں سنیوں سے بدر جہا زیادہ ہیں۔ دونوں کی خوبیاں اور برائیاں اگر وزن کی جائیں گی تو بڑا فرق نکلے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی خوبیاں اور برائیاں مسلمانوں کی خوبیوں اور برائیوں سے وزن کر کے دکھائی ہیں تو اس وزن میں مسلمانوں کی خوبیاں زیادہ اُتریں اور برائیاں کم۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ مشرکین اور اہل کتاب سے کفار کا مناظرہ برابر ذکر کرتا ہے جب یہ لوگ مسلمانوں کی کوئی برائی یا عیب ذکر کرتے ہیں تو اللہ اس سے مسلمانوں کو بری نہیں کرتا۔ بلکہ یہ بیان کر دیتا ہے کہ کفار کے عیوب ان سے بھی زیادہ ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ پھر فرمایا۔ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ. (البقرہ:۲۱۷) یعنی اے نبی تم سے یہ ماہ حرام میں

جنگ کرنے کی بابت دریافت کرتے ہیں تم کہہ دو اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اسے نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فساد کرنا قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے یا اس آیت کے نازل ہونے کا یہ سبب تھا کہ ایک اسلامی لشکر نے میدان جنگ سے آ کے یہ بیان کیا تھا کہ ابن حضرمی ہمارے ہاتھ سے رجب کے اخیر میں مارا گیا اس پر کفار نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تم شہر حرام میں بھی خونریزی کرنے سے نہیں چوکتے اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اسی طرح قرآن مجید میں کئی جگہ اس طرح آیا ہے۔ یہ ساری باتیں اوپر والی بحث کے متعلق ہیں کہ اگر ایسی برائیاں سینوں میں تسلیم کی جائیں تو ہمارے احباب میں ان سے بھی کہیں زیادہ ہیں اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ حافظ ابو عبداللہ بن عبدلواحد مقدسی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے اور اس کا نام "النھی عن سب الاصحاب وما ورد فیہ من الذم والعقاب" رکھا ہے اس میں بہت سی حکایتیں اسی قسم کی ذکر کی ہیں جو اس بارے میں مشہور ہے۔

حضور انور نے ابو بکر کی امامت پر نص نہیں کی

اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ نے ابو بکر کی امامت پر نص نہیں کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اہلسنت کے بہت سے فرقے اس پر متفق ہیں کہ ابو بکر کی امامت بے شک نص سے ثابت ہوتی ہے۔ امام احمد وغیرہ ائمہ کے مذہب میں اس مسئلہ میں نزاع مشہور ہے قاضی ابو یعلی وغیرہ نے امام موصوف سے دو روایتیں کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ابو بکر کی امامت احادیث سے ثابت ہوتی ہے محدثین معتزلہ اور اشعریہ میں سے ایک بہت بڑی جماعت کا یہی قول ہے قاضی ابو یعلی وغیرہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے دوسری روایت یہ ہے کہ امامت نص خفی اور اشارہ سے ثابت ہوتی ہے حسن بصری اور محدثین میں سے ایک جماعت کا اور بکر بن اختن عبدالواحد کا یہی قول ہے قاضی ابو یعلی وغیرہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ امامت نص خفی اور اشارہ سے ثابت ہوتی ہے۔ حسن بصری اور محدثین میں سے ایک جماعت کا اور بکر بن اخت عبدالواحد کا یہی قول ہے۔ اس کے استاد ابو عبداللہ بن حامد کہتے ہیں اہل بیت اور صحابہ میں سے فقط ابو بکر صدیق کا خلافت پر استحقاق قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ اب اس میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے کہ خلافت باعتبار نص کے لی گئی ہے یا باعتبار استدلال کے ان میں سے ایک گروہ کا یہ قول ہے کہ خلافت نص سے لی گئی ہے اور حضور انور رسول اللہ نے اس پر نص کر کے اپنے سامنے ہی اس کا قطعی فیصلہ کر دیا تھا۔ ابن حامد کہتے ہیں اس کے

نص سے ثابت ہونے کی دلیل بہت سی حدیثیں ہیں منجملہ ان کے ایک گروہ ہے جو امام بخاری نے جبیر بن مطعم سے سنداً روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک عورت حضور انور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی حضور انور نے اسے یہ حکم دیا کہ اب تم جاؤ پھر آنا .وہ بولی یہ تو فرمایئے اگر میں آئی اور آپ نہ ملے .(گویا اسے حضور انور کی وفات ہو جانے کا خیال ہوا) آپ نے فرمایا اگر میں نہ ملوں تو ابو بکر کے پاس آنا،اسی طرح ابن حامد نے اور بہت سی حدیثیں اور سیاق ذکر کئے ہیں اور پھر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ ابو بکر کی امامت پر نص صریح ہے دوسری حدیث حذیفہ بن یمان کی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا تھا۔ اقتدو ا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر. میرے بعد ابو بکر وعمر ان دونوں کا اقتداء کرنا پھر امام بخاری نے ابو ہریرہ سے سنداً روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کوئیں پر کھڑا ہوں اس پر ڈول پڑا ہوا ہے۔ پہلے اس کوئیں سے جس قدر اللہ کو منظور تھا میں نے پانی کھینچا پھر مجھ سے وہ ڈول ابو بکر نے لے لیا اور انھو ں نے ایک یا دو ڈول کھینچے لیکن ان کے کھینچنے میں کچھ کمزوری تھی اللہ ان کی کمزوری کو بخش دے گا پھر ڈول چرس بن گیا تو اسے عمر بن الخطاب نے لے لیا اور اس طرح پانی کھینچا کہ میں نے ایسا قوی بہادر لوگوں میں اور کوئی نہیں دیکھا کہ جو عمر کی طرح کھینچتا ہو یہاں تک کہ لوگوں کے اونٹ پانی لے جانے سے تھک گئے فقط۔

ابن حامد کہتے ہیں کہ یہ امامت کے بارے میں نص ہے اور اس پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو ہم سے ابو بکر بن مالک نے بیان کی ہے اور انھوں نے بالا سناد عبدالرحمٰن بن ابو بکرہ سے انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ نے ہم سے پوچھا کہ تم میں کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے دیکھا ہے گویا ایک ترازو آسمان سے لٹکائی گئی ہے اس میں اول آپ ابو بکر سے تولے گئے تو آپ بھاری رہے۔ پھر ابو بکر عمر سے تولے گئے تو ابو بکر بھاری رہے۔ پھر عمر عثمان سے تولے گئے تو عثمان ہلکے رہے۔ پھر وہ ترازو اٹھالی گئی۔ اس پر حضور انور نے فرمایا کہ یہ نبوت کی خلافت ہے جو تمہیں ترازو کے پیرائے میں دکھائی گئی ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے بادشاہت دے دیتا ہے۔ ابوداؤد نے جابر انصاری سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ایک دن رسول اللہ نے فرمایا ایک صالح شخص نے یہ خواب دیکھا ہے کہ ابو بکر رسول اللہ کے ساتھ باندھا گیا پھر عمر کو

ابوبکر کے ساتھ پھر عثمان کو عمر کے ساتھ جابر کا قول ہے جب ہم رسول اللہ کے پاس سے چلے آئے تو ہم سب کا یہ قول تھا کہ وہ صالح شخص تو خود رسول اللہ ﷺ ہیں اور ان کا ایک دوسرے سے بندھنا یہ ہے کہ وہ یکے بعد دیگرے اس کام کے والی ہوں گے جو اللہ نے اپنے نبی کو دے کے بھیجا ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث صالح بن کیسان کی ہے وہ زہری سے اور وہ عروہ سے وہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتی ہیں۔ جس روز رسول اللہ کو تکلیف شروع ہوئی۔ تو آپ میرے ہاں تشریف لائے۔ اور یہ فرمایا تم اپنے باپ اور بھائی کو یہاں بلا لو۔ تا کہ میں ابوبکر کیلئے ایک تحریر لکھ دوں۔ پھر خود ہی فرمایا بس کچھ ضرورت نہیں۔ اللہ اور مسلمان خود ہی ابوبکر کو مقرر کر دیں گے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کام میں کوئی طامع طمع نہ کرے گا یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ ابوداؤد طیالسی نے ابن ابی ملیکہ سے انھوں نے عائشہ صدیقہ سے اس طرح روایت کی ہے۔ آپ فرماتی ہیں جب رسول اللہ کی بیماری زیادہ بڑھ گئی تو حضور انور نے (عائشہ صدیقہ کہتی ہیں) مجھ سے فرمایا تم اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو یہاں بلوالو تا کہ میں ابوبکر کے لئے ایک رقعہ لکھدوں جس پر آئندہ کچھ جھگڑا نہ ہو۔ پھر فرمایا معاذ اللہ مسلمان کہیں ابوبکر کے بارے میں جھگڑا کر سکتے ہیں۔ (ہرگز نہیں) فقط۔

ابن حامد نے اسی طرح نماز کی حدیث اور اسکے علاوہ اور بہت سی حدیثیں ذکر کی ہیں مگر ہم انھیں یہاں درج کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ اب تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ واقعات کی بنا پر ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ابو محمد بن حزم نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ کے بعد امامت میں اختلاف ہوا تو ایک گروہ نے یہ کہا رسول اللہ نے کسی کو خلیفہ نہیں کیا۔ مگر دوسرے گروہ نے یہ کہا کہ جب نماز میں ابوبکر کو خلیفہ کر دیا تھا تو یہی اس امر کی دلیل ہے۔ کہ امامت کیلئے اور نبوت کے خلیفہ ہونے کیلئے سب سے زیادہ لایق ابوبکر، ہیں بعض نے کہا نہیں ابوبکر چونکہ سب میں افضل ہیں لہٰذا ان ہی کو مقدم رکھو پھر ایک گروہ نے یہ کہا کہ رسول اللہ نے اپنے برف ابوبکر کے خلیفہ بنانے میں نص جلی کر دی تھی۔ اسکے بعد ابو محمد لکھتے ہیں کہ چند براہین ہونے کے باعث ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ کی خلافت کے مستحق اور قابل ابوبکر ہی تھے اوان میں سے ایک برہان تو کلام خدا کی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْ مِنْ

دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ. (الحشر:۸)

یعنی ان مہاجر فقیروں کے لئے اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دئے گئے ہیں وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی کے طلب گار ہیں اور اللہ کے دین کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہے یہی لوگ سچے ہیں. پس جن لوگوں کے سچے ہونے کی اللہ نے گواہی دیدی ہے ان سب کا اور ان کے بھائی انصار کا اس پر اتفاق ہوگیا کہ خلیفہ رسول اللہ ابوبکر ہی کا نام رکھنا چاہئے لغت میں خلیفہ اسے کہتے ہیں۔ جسے کسی نے اپنا قائم مقام کیا ہونہ کہ جو بغیر کسی کے قائم مقام کیے خود ہی ہوگیا ہو یہ مسئلہ مسلمہ ہے اور بلا خلاف ہے کہ لغت میں خلیفہ کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔ اگر کوئی کسی کے بلا قائم مقام کئے ہوجائے تو اسکا نام خالف ہے خلیفہ نہیں ہے اور یہ بات محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ اس سے ابوبکر کا نماز پر خلیفہ ہونا مراد لیں اسکے محال ہونے کی صریح دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ نبی کی زندگی میں ابوبکر عام طور پر اس نام کے کبھی مستحق نہیں ہوئے اور اس وقت یعنی حضور انور کی وفات کے وقت وہ خلیفہ ہیں اس سے یہ بات یقیناً ثابت ہوگئی کہ ابوبکر کی وہ خلافت جس سے ان کا نام خلیفہ ہوگیا تھا۔ وہ نماز کی خلافت نہیں تھی۔ دوسری برہان یہ ہے کہ جن لوگوں کو رسول اللہ نے اپنی زندگی میں خلیفہ کیا تھا مثلاً علی کو غزوہ تبوک میں ابن ام مکتوم کو غزوہ خندق میں عثمان بن عفان کو غزوہ ذات الرقاع میں انکے علاوہ اور بہت سے صحابی جنھیں حضور انور نے یمن،، بحرین اور طائف وغیرہ کے شہروں میں خلیفہ کیا تھا ساری امت کا اسپر اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی بھی کہیں رسول اللہ کا خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں ہوا۔ پس ایسی ہدایت سے جس میں شک وشبہ ہو ہی نہیں سکتا یہ بات ہوگئی کہ اس سے وہی خلافت مراد ہے جو آپ کے بعد آپ کی امت پر ہوئی ہے اور یہ بات محالات سے ہے کہ سب صحابہ کا اس پر بغیر اس کے اجماع ہوگیا ہو کہ خود حضور انور نے انھیں خلیفہ نہ کیا ہو اور اگر یہاں سوائے نماز کے خلیفہ کرنے کے اور کوئی وجہ خلافت کی نہ ہوتی تو مذکورین صحابہ کو چھوڑ کے اکیلے ابوبکر کا یہ نام لیا جانا کبھی ٹھیک نہ ہوتا اسکے علاوہ یہ روایت صحیح طور سے ثابت ہو چکی ہے کہ ایک عورت نے حضور انور سے یہ عرض کیا یا رسول اللہ بتائیے اگر میں آئی اور آپ نہ ملے اس کا مطلب یہ تھا شاید اس عرصہ میں آپ

کا وصال ہو جائے آپ نے فرمایا ابوبکر کے پاس آ جانا (یہی حدیث ابھی اوپر بھی ذکر ہو چکی ہے) اس سے زیادہ ابوبکر کے خلیفہ ہونے پر اور کونسی نص جلی ہو سکتی ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور انور نے خلیفہ نہیں کیا انھوں نے اس روایت سے حجت کی ہے جو عبداللہ بن عمر سے منقول ہے وہ حضرت عمر سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے یہ فرمایا تھا اگر میں کسی کو خلیفہ کر دوں تو کر سکتا ہوں۔ کیونکہ جو مجھ سے بہتر تھے (یعنی ابوبکر) انھوں نے خلیفہ کیا تھا اور اگر میں نہ کروں تو اس میں بھی کوئی برائی نہیں اس لئے کہ انھوں نے خلیفہ نہیں کیا جو مجھ سے بہتر تھے یعنی رسول اللہ نے پھر دوسری حجت عائشہ صدیقہ کی روایت سے کی ہے آپ سے کسی نے پوچھا تھا کہ اگر رسول اللہ خلیفہ بناتے تو کسے بناتے۔ بس اس سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے کسی کو خلیفہ نہیں کیا ہم کہتے ہیں کہ ان صحابہ کا اجماع جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے وہ دونوں صحیح اثر جو بلفظہ رسول اللہ تک مسند ہیں۔ ان کا ایسے دو اثروں سے مقابلہ کرنا جو عمر اور عائشہ صدیقہ پر موقوف ہیں ایسا ہے کہ اس سے حجت ظاہرہ قائم نہیں ہو سکتی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اثر حضرت عمر کو معلوم نہیں ہوا جیسا کہ حضور انور کے بعض اور امور بھی انھیں معلوم نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً استیذان وغیرہ عمر فاروق کا مقصود یہ تھا کہ ابوبکر کی خلافت کا کوئی عہد نامہ نہیں لکھا گیا تھا اس کا ہم بھی اقرار کرتے ہیں کہ بیشک وہ خلافت عہد نامہ کے ذریعہ سے نہیں ہوئی تھی باقی اس بارے میں عائشہ صدیقہ کی حدیث بھی ایسی ہی تھی دوسرے یہ کہ اگر کوئی حجت ہو سکتی ہے تو ان دونوں کی روایت سے ہو سکتی ہے نہ کہ ان کے قول سے ابوبکر وغیرہ کی خلافت ثابت کرنے میں ہم کامیاب ہو چکے ہیں اور ہم نے اپنی کتاب کے گزشتہ صفحات میں مشاہدہ کے طور پر یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ابوبکر وغیرہ کی خلافت پر یقیناً نصِ جلی ہے۔ مگر یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اس خلافت کے بارے میں علماء کیا کہتے ہیں یا اس پر کوئی نص جلی یا خفی ہے یا اس نص سے یہ خلافت ثابت ہوتی ہے یا حل وعقد کے باشندوں نے اسے اختیار کیا ہے ہمارے بیان سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ بہت سے علماء سلف اور خلف میں سے اس میں نص جلی اور خفی ہونے کے قائل ہیں لہٰذا ایسی حالت میں شیعی علماء کا اس قول سے قدح یقیناً باطل ہو گیا جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے کسی کی امامت پر نص نہیں کی تھی اور آپ بغیر وصیت کئے انتقال فرما گئے۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ قول جو شیعی علماء نے نقل کیا ہے

سب اہل سنت کا نہیں ہے پس اگر یہ حق ہے تو بعض اہلسنت اس کے قائل ہیں اور اگر اس کی ضد حق ہے تو اس کے بھی اہل سنت قائل ہیں لہٰذا دونوں تقدیر پر حق اہل سنت سے خارج نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ نص ہی کہنا حق ہے تو اس میں شیعہ کی کو حجت نہیں ہے کیونکہ راوندیہ عباس پر نص ہونے کو کہتے ہیں جیسا کہ ہمارے احباب علی پر نص ہونے کو کہتے ہیں قاضی ابو یعلی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس میں راوندیہ کا اختلاف ہے ان میں سے ایک جماعت کا مذہب تو یہ ہے کہ رسول اللہ نے عباس کا نام لے کے خود ان پر نص کی تھی اور اس کا اعلان بھی کرا دیا تھا اور صاف طور پر کہہ دیا تھا لیکن امت نے اس نص کا انکار کر دیا تھا اور وہ مرتد ہوگئی اور عناد کی وجہ سے رسول اللہ کے حکم کا خلاف کیا مگر بعض ان میں سے یہ کہتے ہیں کہ نص عباس پر تھی اور ان کے بعد قیامت تک کے لئے ان کی اولاد در اولاد پر لیکن نص خفی تھی غرض یہ دونوں قول راوندیہ کے ایسے ہی ہیں جیسے شیعوں کے ہیں کیونکہ امامیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے علی بن ابو طالب پر تصریح کے ساتھ نص کر دی تھی۔ اور نام لے کر یہ فرما دیا تھا کہ میرے بعد یہی امام ہے پس تم سنو اور اس کی پیروی کرو مگر زیدیہ اس میں ان کے مخالف ہیں بعض تو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے اپنے اس قول سے علی پر نص کی تھی وہ قول یہ ہے۔ **مَن کنت مولا فعلی مولا وانت بمنزلة هرون من موسی.** اور ایسی ہی اور نص خفی بھی ہے جن کے معنی میں تامل کرنا پڑتا ہے غرض یہ ہے کہ نص میں روا ندیہ کا دعویٰ شیعوں کے دعوے کی طرح ہے امامیہ میں اس کے متعلق گونا گوں اقوال ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ ابو محمد بن حزم کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں جو امامت کو قریشی لڑکوں میں محدود کرتے ہیں بہت اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ فہر بن مالک بن نفر کی ساری اولاد میں امامت ہونی جائز ہے۔ یہی قول اہلسنت والجماعت اور جمہور مرجیہ اور بعض معتزلہ کا ہے۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ سوائے عباس بن عبد المطلب کی اولاد کے اور کسی میں خلافت ہونی جائز نہیں ہے۔ اس کے قائل جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا روا ندیہ ہیں. پھر ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ سوائے علی بن ابو طالب کی اولاد کے اور کسی میں خلافت ہونی جائز نہیں ہے اور لیجئے! بن حارث بن عبد المطلب کے ایک شخص کا بول ہماری نظر سے گزرا ہے وہ کہتا ہے سوائے بنی عبد المطلب کے اور کسی کے لئے خلافت نہیں ہے اور بنی عبد المطلب سے ابو طالب عباس اور حارث

سب مراد ہیں. اسی طرح ازدون کے ایک شخص کا قول ہماری نظر سے گزرا ہے کہ سوائے بنی عبد شمس کے اور کسی میں خلافت ہونی جائز نہیں اس شخص نے ایک ضخیم کتاب اس بارے میں تالیف بھی کی ہے۔ جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ سوائے خاص ابوبکر اور عمر کے اولاد کے کسی اور میں خلافت ہونی جائز نہیں ہے باقی امامت پر تو ہم پوری بحث کر چکے ہیں یہاں مقصود فقط یہ بیان کرنا ہے کہ شیعوں کے خود اپنے نظائری معارض ہیں کیونکہ ان کا علی پر نص ہونیکا دعوے کرنا دوسروں کے عباس پر نص ہونے کے دعویٰ کرنے کی مثل ہے کہ اور یہ دونوں قول ایسے ہیں کہ ان کا غلط ہونا اضطرار کے ساتھ معلوم ہوتا ہے. ان دونوں قولوں میں سے اہل علم نے کبھی کچھ نہیں کہا بلکہ یہ بعض غیر ذمہ دار آدمیوں نے گھڑ لئے ہیں یہی وجہ ہے کہ عباس اور علی کی اولاد میں دین دار لوگوں نے یہ دعوے ہرگز نہیں کیا بخلاف ابوبکر پر نص ہونے کے کیونکہ اس کے قائل بہت سے علماء ہیں اصل یہ ہے کہ ہمارے احباب کی دلیلیں اور حجتیں سب ایسی ہیں کہ جیسی موارد و نزاع میں متدلین کی ہوتی ہیں یہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ ابوبکر پر نص ہونے کے قائلین میں بعض نص جلی کہتے ہیں اور بعض نص خفی اس کے علاوہ ابن بطہ نے اسناد کے ساتھ مبارک بن فضالہ سے روایت کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے محمد بن زبیر حنظلی کو امام حسن کے پاس یہ دریافت کرنے بھیجا تھا کہ کیا رسول اللہ نے ابوبکر کو خلیفہ کیا تھا امام حسن نے تعجب سے کہا ہا کیا تمھیں اس بارے میں شک ہے قسم ہے ذات پاک کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں رسول اللہ نے بیشک ابوبکر کو خلیفہ کیا تھا۔ ابوبکر کی ہرگز یہ شان نہیں ہے۔ کہ وہ خود بخود خلیفہ ہو جاتے. ابن مبارک کہتے ہیں رسول اللہ کے خلیفہ کرنے آپ کا لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دینا خلافت کی تفویض کا حکم رکھتا ہے اور امام حسن کے نزدیک یہی خلیفہ کرنا تھا ایک روایت میں ہے کہ کسی نے ابوبکر کو یا خلیفۃ اللہ کہ کے پکارا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں خلیفہ رسول اللہ ہوں اور مجھے یہی کافی ہے. اصلی مقصود یہاں یہ ہے کہ اہلسنت والجماعت میں سے اکثر یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر کی خلافت بیشک نص سے ثابت ہو تی ہے اور وہ اس کی ایسی حدیثوں سے سند دیتے ہیں جو مشہور اور صحیح ہیں. اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں کا قول ان کے قول سے بدرجہا بہتر اور صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ علی یا عباس کی خلافت نص سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ ان کے پاس سوائے غیر ذمہ دار لوگوں کے اقوال کا بطلان احوال اسلام کے وقف

کاروں کو آناً فاناً میں بالبداہتہ معلوم ہو جاتا ہے وہ اپنا استدلال ایسے الفاظ سے کرتے ہیں جو اس مطلب پر مطلق دلالت نہیں کرتے۔ مثلاً غزوہ تبوک میں علی کو خلیفہ کرنے کے قصے جنکا کچا چٹھا ہم گزشتہ صفحات میں کھول چکے ہیں تحقیقی بات یہ ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو اپنا خلیفہ بنانے پر سارے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا اپنے بہت سے اقوال وافعال کے ذریعے سے انہیں پوری ہدایت کر دی تھی اور ان کی خلافت کی صاف صاف الفاظ میں خبر دیدی تھی اور اس پر ایک دستاویز لکھدینے کا ارادہ کر لیا تھا پھر آپ یہ سمجھے کہ مسلمانوں کا اس پر خود ہی اجماع اور اتفاق ہو جائے گا اس لئے اس کے تحریر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی پھر آپ نے اپنی بیماری میں جمعرات کے دن بھی اس کا ارادہ کیا مگر جب بعض مسلمانوں کو اس میں شک ہوا کہ آیا حضور کا یہ ارشاد مرض کی شدت کی وجہ سے ہے یا ایسا ارشاد ہے جس کا اتباع کرنا لازمی ہو تو حضور انور نے پھر اس دستاویز کا تحریر کرنا ملتوی کر دیا اور اسے کافی سمجھا جو آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ اللہ تعالی ابوبکر ہی کو پسند کرے گا اور ان کی خلافت سارے مسلمان بخوشی منظور کر لیں گے۔ اب اگر یہ تعیین امت پر مشتبہ ہوتی تو ضروری تھا کہ رسول اللہ اسے اس طرح بیان فرماتے جس میں کسی کو کچھ عذر کرنے کا موقع نہ ملتا۔ لیکن چونکہ آپ متعدد دلیلیں اس کی بتا چکے تھے کہ ابوبکر ہی متعین ہیں اور سب صحابہ بھی اسے خوب سمجھ گئے تھے تو مقصود حاصل ہو گیا اسی وجہ سے عمر بن خطاب نے اپنے اس خطبہ میں جو انھوں نے کل مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں پڑھا تھا یہ فرمایا تھا کہ تم میں کوئی ایسا نہیں ہے۔ جس کی طرف ابوبکر کی طرح سب کی گردنیں جھک جائیں اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے صحیحین میں فاروق اعظم سے مروی ہے کہ آپؓ نے مہاجرین و انصار کے سامنے سقیفہ کے دن ابوبکر سے یہ کہا تھا۔ **انت خيرنا وسيدنا واحبنا الى رسول الله** . یہ سن کے سب خاموش ہو رہے اور حاضرین میں سے کسی نے بھی ان کا انکار نہیں کیا نہ صحابہ سے کسی نے یہ کہا کہ ابوبکر کے سوا فلاں آدمی خلافت کا زیادہ حقدار ہے۔ نہ ان کی خلافت میں کسی نے نزاع کیا سوائے بعض انصار کے مگر وہ ابوبکر میں کچھ قدح نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ ایک خلیفہ ہم میں سے ہو اور یہ ایسی مہمل اور لغویات تھی جس کا بطلان اس نصوص سے ثابت ہو چکا ہے۔ جو حضور انور تک متواتر ہیں اس کے علاوہ کل انصار نے ابوبکر سے بیعت کر لی سوائے سعد بن عبادہ کے جو دوسرا

خلیفہ بنانا چاہتا تھا صحابہ میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رسول اللہ نے ابوبکر کے سوا اور کسی پر نص کی ہے نہ عباس پر نہ علی پر نہ کسی اور پر نہ عباس نے یہ دعویٰ کیا نہ علی نے نہ ان میں سے کسی نے جوان دونوں میں سے ایک کی خلافت ہونا چاہتے تھے نے یہ کہا کہ یہ منصوص علیہ ہے بلکہ صحابہ میں سے کسی نے یہ بھی نہیں کہا کہ قریش میں کوئی ایسا شخص ہے جو خلافت کا ابوبکر سے زیادہ مستحق ہے۔ نہ بنی ہاشم میں نہ غیر بنی ہاشم میں یہ باتیں روز روشن کی طرح کھلی ہوئی ہیں۔ اور انہیں سب جانتے ہیں۔ جو علماء آثار سنن اور حدیث پر عمل کرتے ہیں ان کے نزدیک یہ باتیں بالا اضطرار معلوم اور مشہور ہیں۔ ہاں بعض بنی عبد مناف مثلاً ابوسفیان اور خالد بن سعید سے منقول ہے کہ ان کی خواہش تھی کہ خلافت سوائے بنی عبد مناف کے اور کسی میں نہ ہو اور اپنا یہ خیال عثمان وعلی سے ظاہر کیا تھا مگر انھوں نے ان کی اس رائے پر ذرا التفات نہیں کیا کیونکہ انہیں اور سب مسلمانوں کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس قوم میں ابوبکر جیسا اور کوئی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انصار یا بنی عبد مناف میں جس کسی کی بابت یہ منقول ہے کہ اس نے ابوبکر کے سوا دوسرے کی خلافت ہونی چاہی تھی ان میں سے کسی ایک نے بھی کوئی دینی شرعی حجت اپنے ادعا کے ثبوت میں ذکر نہیں کی نہ یہ کہا کہ ابوبکر کے سوا فلاں شخص اس کا زیادہ حقدار ہے اور وہ ابوبکر سے افضل ہے بلکہ اس کی یہ خواہش یا اظہار خواہش محض اپنی قوم یا اپنے قبیلہ کی محبت کی وجہ سے ہوا وہ چاہتا تھا کہ امامت میرے ہی قبیلہ میں رہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ ارادہ اور خیال ادلہ شرعیہ اور طرق دینیہ سے ہرگز نہیں ہے نہ اس کی پیروی کرنے کا اللہ تعالی اور اللہ تعالی کے رسول نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے بلکہ یہ شعبہ جاہلیہ اور انساب وقبائل کے لئے ایک نوع عصبیت ہے جسے چھوڑنے اور نیست ونابود کرنے کے لئے اللہ تعالی نے محمد بن عبداللہ کو رسول امین بنا کر بھیجا تھا۔ صحیحین میں ثابت ہے حضور انور نے فرمایا میری امت میں جاہلیت کی ایسی چار باتیں ہونگی کہ میرے امتی انھیں کبھی نہ چھوڑیں گے اور وہ یہ ہیں۔ **الفخر بالا حساب والطعن فی الا نساب والنیاحۃ علی المیت والا ستسقام بالنجوم.** یعنی حسب پر فخر کرنا نسب میں طعن کرنا میت پر نوحہ کرنا اور ستاروں کے ذریعہ بارش چاہنا سنن میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اب تم سے اللہ نے جاہلیت کے فخر وتکبر کو بالکل کھو دیا ہے اب آدمی دو طرح کے ہیں مومن متقی ہیں یا فاجر شقی ہیں۔ بات تو صرف یہ

ہے کہ صحابہ میں سے کسی نے کوئی نص نقل نہیں کی نہ اپنی زبان سے یہ کہا کہ قریش میں فلاں شخص ایسا ہے جو اللہ کے دین اور شرع کی رو سے ابوبکر سے زیادہ خلافت کا مستحق ہے اس کا تمام اصحاب کو ایسا یقین تھا کہ ان کے دلوں سے اس کا رفع ہونا ممکن نہ تھا وہ جانتے تھے مسلمانوں کے نزدیک یہ بات امور مشہورہ میں سے ہے کہ ابوبکر سب سے مقدم اور افضل ہیں اور بیشک ان سب کے نزدیک نبوت کی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ابوبکر ہی تھے ان کے نزدیک یہ ایسی ظاہر بات تھی کہ اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ تھا اسی وجہ سے رسول اللہ نے فرمادیا تھا کہ ابوبکر کے سوا مسلمان سب کا انکار کردیں گے یہ سب جانتے ہیں کہ ان صحابہ کو جو ابوبکر کے افضل مقدم ہونے کا علم تھا وہ انھوں نے حضور انور سے حاصل کیا تھا ان امور کے ذریعہ سے جو انھوں نے حضور انور سے خود سنے اور آنکھوں سے دیکھے تھے ان سے انہیں یہ پختہ یقین ہوگیا تھا کہ ہمارے نبی کی خلافت کے ساری امت سے زیادہ حقدار اور ہمارے نبی کے نزدیک سب سے زیادہ افضل ابوبکر ہی ہیں اور ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کی برابری کرسکے چہ جائے کہ اس میں مناظرہ کرنے کی ضرورت ہو صحابہ میں تو کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ عمر یا عثمان یا علی یا اور کوئی ابوبکر سے افضل ہیں۔ یا خلافت کے ان سے زیادہ مستحق ہیں اور وہ کہتے بھی تو کس طرح کہہ سکتے تھے جبکہ وہ خود دیکھتے تھے کہ حضور انور ابوبکر کو سب سے مقدم اور افضل رکھتے اور خصوصیت کے ساتھ ان کی وہ تعظیم کرتے تھے کہ عام خاص لوگوں میں سے کبھی ایسی تعظیم کسی کی نہ کی نہ کبھی کسی کے ساتھ اس طرح اظہار فرمایا ہے یہاں تک کہ مشرکین. اہل کتاب اور منافقین تک یہ بات جانتے تھے کہ ابوبکر کو ایسی خصوصیت حاصل ہے چنانچہ احد کے دن ابوسفیان بن حرب نے تین مرتبہ ابوبکر کو آواز دی تھی جس کا مفصل ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ بہت سے حذاق اور منافقین یہ کہا کرتے تھے کہ محمد نے بہت ہی دانائی سے کام لیا عقلمندی سے اپنی ایک ریاست قائم کرلی ہے اور راز دار ابوبکر کو بنایا ہے۔ وہ محمد کے سارے بھید جانتا ہے بخلاف عمر عثمان اور علی کے غرض یہ ہے کہ عامہ خلائق پر یہ بات ثابت ہوچکی تھی کہ ابوبکر کو محمد سے سب سے زیادہ خصوصیت حاصل ہے۔ پس یہ نبی ہیں اور وہ ان کے صدیق ہیں جب محمد افضل النبیین ہیں تو آپ کے صدیق افضل الصدیق ہیں لہٰذا ابو بکر کی خلافت کی صحت اور ثبوت پر نصوص صحیحہ دلالت کرتی ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول اس سے راضی

ہونے پر بھی اور مسلمانوں کو ان سے بیعت کر لینے اور انہیں ابوبکر کی فضیلت دینے کے بارے میں اپنے نبی سے حاصل ہوا تھا۔ اور یہ کہ اس خلافت کے اللہ اور اللہ کے رسول کے نزدیک سب سے زیادہ حقدار ابوبکر ہی ہیں اس لئے وہ خلافت نص اور اجماع دونوں سے ثابت ہوگئی جو کسی عہد نامہ کے لکھے جانے سے بدرجہا زیادہ ہے کیونکہ اس وقت اسکے ثبوت کا طریق سوائے عہد نامہ کے اور کچھ نہ ہوتا لیکن جب مسلمانوں نے بغیر عہد نامہ کے ابوبکر کو اختیار کر لیا اور نصوص نے انکے اس طرز عمل کے ٹھیک ہونے پر دلالت کی اور اللہ اور اللہ کا رسول اس سے راضی ہو گئے تو یہ اس امر پر بہت پختہ دلیل ہے کہ ابوبکر میں ایسے فضائل ہیں کہ ان کی وجہ سے وہ سب سے ممتاز ہیں. ان کے سبب سے سارے مسلمان یہ جانتے ہیں کہ خلافت کے سبب سے زیادہ حقدار ابوبکر ہی ہیں لہٰذا اس میں کسی خاص عہد کی کچھ ضرورت نہیں پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنی یہ کہتے ہیں کہ چار آدمیوں کے راضی ہو جانے اور عمر کے ابوبکر سے بیعت کر لینے کی وجہ سے رسول اللہ کے بعد ابوبکر امام بن گئے اس کا جواب یہ ہے کہ امہ اہلسنت کا یہ قول نہیں ہے اگرچہ بعض اہل کلام یہ کہتے ہیں کہ امامت چار آدمیوں کے بیعت کر لینے سے بھی منعقد ہو جاتی ہے یہ تو ان میں سے بعض کا قول ہے کہ دو آدمیوں کے بیعت کر لینے سے بھی امامت منعقد ہو جاتی ہے بعض اس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں وہ کہتے ہیں ایک ہی آدمی کے بیعت کر لینے سے امامت کا انعقاد ہو جاتا ہے. مگر ائمہ اہلسنت والجماعت کا یہ قول نہیں ہے بلکہ ان کا قول یہ ہے کہ جب تک اہل شوکت کا اتفاق نہ ہو امامت قائم نہیں ہو سکتی آدمی اس وقت تک امام نہیں ہوتا جب تک اہل شوکت موافق نہ ہو جائیں جن کی اطاعت کر لینے سے امامت کا مقصود حاصل ہو جائے یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ مقصود امامت قدرت اور حکومت سے حاصل ہوتا ہے پس جب کسی سے ایسی بیعت کر لی گئی جس کے سبب سے قدرت اور حکومت حاصل ہو گئی تو وہی امام ہوگا اسی واسطے ائمہ سنت نے کہا ہے کہ جس شخص کو اتنی قدرت اور حکومت حاصل ہو جائے کہ اس کے ذریعہ سے وہ سے وہ ولایت کا مقصود ادا کر دے وہ شخص ٹھیک امام بن سکتا ہے امامت اصل میں بادشاہت اور حکومت کا نام ہے. ایک یا دو یا چار آدمیوں کے موافق ہونے سے آدمی کبھی بادشاہ نہیں بن سکتا ہاں یہ بات اور ہے کہ دو چار ایسے اشخاص کا بیعت کر لینا جن کی بیعت قوم کی بیعت سمجھی جائے اور صرف ان ہی کے بیعت کر لینے سے

اس کی بادشاہت تمام قوم میں مسلم ہو جائے تو اس وقت زیادہ بیعت کرنے والوں کی ضرورت نہیں ہے. یہ ساری باتیں ابوبکر، عمر اور عثمان کی امامت پر چسپاں ہوتی ہیں۔مگر علی کی امامت پر ان میں سے ایک بات بھی ٹھیک نہیں بیٹھتی جن لوگوں نے علی سے بیعت کی تھی ان کی تعداد انگلیوں پر ہے وہ ایسے اہل شوکت نہیں تھے کہ ان کی بیعت کل قوم کی بیعت تصور کی جاتی اسی وجہ سے جھگڑے ٹنٹے پیدا ہو گئے اور اخیر علی سارا ملک ہاتھ سے دے بیٹھے اور انکی حکومت کوفہ میں محدود ہو کے رہ گئی خلاصہ یہ ہے کہ کسی کا افسر قاضی یا والی وغیرہ ان امور میں سے ہونا جن کا دار مدار قدرت اور حکومت پر ہے جب ان سے وہ فائدہ حاصل ہو جائے جو قدرت اور حکومت سے ہوتا ہے تو یہ بھی حاصل ہو جائیں گے ورنہ نہیں ہونے کے کیونکہ ان کے ذریعے سے ایسے کاموں کا کرنا مقصود ہوتا ہے جو بغیر قدرت کے حاصل نہیں ہو سکتے۔اور جب ایسی قدرت حاصل ہوگئی کہ اس کے ذریعہ سے ان کا کرنا ممکن ہے تو وہ ضرور حاصل ہو جائیں گے ورنہ نہیں ہونے کے اس کی مثال بالکل بکریوں کے چرواہے کی ہے. یعنی جب بکریاں اسے اس طرح حوالے کردی گئیں کہ وہ انھیں چرا سکتا ہے تو بے شک وہ ان کا چرواہا اور نگہبان ہے ورنہ کسی کام پر قدرت ہوئے بغیر وہ کام نہیں ہو سکتا۔پس جس میں کسی کام کی قدرت نہ ہوگی وہ اس کا عامل نہ ہوگا اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ لوگوں پر حکومت کرنے کی قدرت یا تو خود ان کے مطیع ہو جانے سے ہوتی ہے یا خود حاکم کے زبردستی کرنے سے جب وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ حکومت کرنے پر قادر ہو گیا تو بیشک صاحب حکومت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے موافق حکم کرے گا. اس کی اطاعت ضرور کی جائیگی .اب یہ بات اور سمجھ لیجئے! کہ خلقت کا خود بخود مطیع ہونا حاکم کی زبردست مسلم قوت اور اثر سے مخلوق کا مطیع ہو جانا یہ دونوں باتیں غیر غیر نہیں ہیں۔ ہر حالت میں حاکم وحکومت کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے اطاعت اسی شخص کی کی جائیگی جس کی قوت اور اثر مسلم ہوگا ورنہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی تنہا شخص بغیر کسی قوت کے اور امر کے بادشاہ بن بیٹھے .اور لاکھوں آدمی اس کے حلقہ بگوش بن جائیں .امام کی تعریف امام احمد نے نہایت عمدہ کردی ہے اور وہ یہ ہے اسحاق بن منصور کی روایت میں ہے کہ کسی نے امام احمد سے حضور انور رسول اللہ کی اس حدیث کے معنی دریافت کئے۔من مات ولیس له امام مات میتته جاهلیته. یعنی جو شخص مرگیا اور اس کا کوئی امام نہ تھا تو وہ جاہلیت

کی موت مرا ہے آپ نے جواب دیا تو جانتا ہے امام کون ہے امام وہ ہے جس پر سارے مسلمانوں کا اتفاق ہوجائے سب اسے امام کہنے لگیں تو یقیناً ایسا امام سوائے ابوبکر عمر اور عثمان کے اور کوئی نہیں ہوا جس پر کل مسلمانوں کا اتفاق ہوگیا ہو اگر اوپر والی حدیث یوں ہی ہے تو ان تینوں خلفاء کے زمانہ پر اس کا مصداق ہوتا ہے اس وقت یہاں دو باتوں میں بحث ہے ایک تو ابوبکر کے امامت کے مستحق ہونے میں اور یہ کہ صحابہ کا ان سے بیعت کر لینا ان امور میں سے ہے جسے اللہ اور اللہ کا رسول پسند کرتے ہیں پس یہ تو نصوص اور اجماع دونوں سے ثابت ہے دوسرے یہ کہ جب وہ امام ہوگئے تو یہ امام ہونا محض اس سبب سے تھا کہ اہل شوکت نے ان سے بیعت اور ان کی اطاعت کر لی تھی اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ انھوں نے ابوبکر کے عہد کو پورا نہیں کیا تھا نہ عمر سے بیعت کی تھی تو اس تقدیر پر وہ امام نہ ہوں گے خواہ یہ جائز ہو یا ناجائز ہو کیونکہ علت وحرمت افعال کے متعلق ہے باقی نفس ولایت اور حکومت قدرت حاصلہ سے عبارت ہے یہ قدرت کبھی ایسی صورت سے حاصل ہوجاتی ہے کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول کے پسند ہو جیسے خلفاء ثلثہ کی قدرت اور حکومت تھی اور کبھی ایسی صورت سے حاصل ہوتی ہے کہ اس میں معصیت ہوتی ہے جیسے کسی اور کی حکومت اور قدرت ہے. پھر اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عمر نے اور انکے ساتھ چند آدمیوں نے ابوبکر سے بیعت کر لی تھی اور کل صحابہ نے نہیں کی تھی تو وہ اس سے امام نہیں ہوئے کیونکہ امام تو ان جمہور صحابہ کے بیعت کر لینے سے ہوتا ہے جو اہل قدرت اور ذی شوکت ہوں اسی وجہ سے اکیلے سعد بن عبادہ کا بیعت سے رہ جانا کچھ مضر نہیں ہوا۔ کیونکہ اس سے مقصود ولایت میں کچھ خرابی نہیں آئی اس لیے کہ مقصود تو اس قدرت اور ولایت کا حاصل ہونا ہے جس کے ذریعہ امامت کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ حصول اسی وقت ہوگا جب جمہور کا اس پر اتفاق ہوجائے پس جو شخص یہ کہے کہ ابوبکر ایک یا دو یا چار آدمیوں کی موافقت سے امام ہوگئے تھے اور وہ لوگ صاحب قدرت اور ذی شوکت نہ تھے تو اس کا یہ کہنا بالکل غلط ہے جیسا کہ اس شخص کا گمان غلط ہے جو یہ سمجھے کہ ایک یا دو یا دس آدمیوں کا بیعت نہ کرنا بیعت کے لئے مضر ہوتا ہے۔ یاد رکھو ابوبکر سے تو ان تمام مہاجرین اور انصار نے بیعت کر لی تھی جو رسول اللہ کے رازدار تھے اور جن کے ذریعہ سے اسلام کو قوت اور عزت حاصل ہوگئی تھی مشرکین مغلوب ومقہور ہوگئے تھے جن کے ہاتھوں سے جزیرہ نمائے

عرب فتح ہو گیا تھا پس وہ جمہور جنہوں نے رسول اللہ سے بیعت کی تھی انہوں نے ہی ابوبکر سے کی تھی۔
باقی عمر یا اور کسی کا بیعت کی طرف سبقت کرنا کچھ خلاف نہیں ہے کیونکہ ہر بیعت میں ایک سبقت کرنے والا ہونا ضروری ہے۔ اس پر بھی بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ بعض آدمیوں کو وہ بیعت ناگوار تھی تو یہ بات اس کے مقصود میں کچھ خرابی نہیں پیدا کر سکتی۔ کیونکہ بیعت کا نفس استحقاق تو ایسی ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے جو اس بات پر دال ہیں کہ خلافت و امامت کے سبب سے زیادہ حقدار ابوبکر ہی ہیں اور باوجود ادلہ شرعیہ قائم ہونے کے کسی کی مخالفت معتبر نہیں ہو سکتی۔ اور اس کا نفس حصول اور وجود اس قدرت اور حکومت کی وجہ سے ثابت ہے۔ جو ذی شوکت لوگوں کے اطاعت کرنے کے سبب سے حاصل ہوئی تھی کیونکہ دین حق میں ہادی کتاب اور ناصر تلوار کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ. (الحدید:۲۵)
یعنی ہم نے اپنے پیغمبر واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور انصاف کی ترازو نازل کی تھی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت لڑائی کا سامان ہے اور لوگوں کے اور بھی فائدے ہیں تاکہ اللہ اس شخص کو معلوم کرے جو اسکی اور اُس کے رسول کی غائبانہ مدد کرتا ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ اللہ کی کتاب اس کے امر و نہی کو ظاہر کرتی ہے اور تلوار اس کی مدد اور تائید کرتی ہے لہٰذا ابوبکر کی بابت قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے کہ ان کی بیعت کا حکم دیا تھا اور جن لوگوں نے ان سے بیعت کی وہ صاحب تیغ اور اللہ کی اطاعت کرنے والے تھے۔ اس لئے صدیق کے حق میں نبوب کی خلافت کتاب اور تلوار دونوں سے منعقد ہو گئی اب رہے عمر انہیں ابوبکر نے اپنا ولی عہد کر دیا تھا اور آپ کی وفات کے بعد سب مسلمانوں نے ان سے بیعت کر لی تھی اور جب ان کی بیعت سے انہیں قدرت اور حکومت حاصل ہو گئی تو وہ امام ہو گئے باقی شیعی علماء کا یہ کہنا سنیوں کے نزدیک عمر کے بعد خلیفہ عثمان بن عفان ہیں اس لئے کہ عمر نے چھ آدمیوں پر نص کر دی تھی جن میں سے ایک عثمان بھی تھے پھر بعض آدمیوں نے انہیں اختیار کر لیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عثمان فقط بعض آدمیوں کے اختیار کر لینے سے امام نہیں ہو گئے بلکہ سب آدمیوں کی بیعت کر لینے سے

امام بنے تھے. عثمان سے تو کل مسلمانوں نے بیعت کر لی تھی ان کی بیعت سے تو ایک آدمی بھی نہیں رہا تھا. امام احمد نے حمران بن علی کی روایت میں کہا ہے کہ عثمان کی بیعت سے جو کچھ اس قوم میں ہوا. وہ سب کے اجماع اور اتفاق سے ہوا تھا. جب ذی شوکت اور ذی قدرت لوگوں نے ان سے بیعت کر لی تو وہ امام ہو گئے ورنہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ان سے عبدالرحمٰن نے بیعت کر لی تھی اور علی نے نہیں کی تھی اور نہ ذی شوکت صحابہ میں سے اور کسی نے کی تو وہ امام نہیں ہوئے لیکن جب عمر نے خلافت کا مشورہ چھ آدمیوں میں مقرر کر دیا یعنی عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف اس کے بعد طلحہ، زبیر اور سعد اپنے اختیار سے علیحدہ ہو گئے اور عثمان علی اور عبدالرحمٰن رہ گئے. اور تینوں کا اپنے اختیار سے اس پر اتفاق ہو گیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف خلیفہ بنیں گے اور ان دونوں میں ایک کو خلفیہ کیا جائے گا. عبدالرحمٰن تین دن برابر پھرتے رہے اور خود کہتے ہیں کہ میں دن رات برابر گشت لگاتا پھرا اور مطلق نہیں سویا کبھی آپ سابقین اولین اور تابعین سے مشورہ کرتے تھے کبھی امرائے انصار سے کرتے تھے ان سب نے اس سال عمر کے ساتھ حج کیا تھا عبدالرحمٰن کو سب مسلمانوں نے مشورہ دیا کہ عثمان کو خلفیہ بنا دیا جائے اور یہ بیان کیا کہ ہم سب عثمان ہی کو مقدم سمجھتے ہیں پھر سب نے آپ سے بیعت کر لی. عثمان نے نہ انہیں کوئی لالچ دیا نہ ان میں پھرے نہ کوئی سفارش پہنچائی جو کچھ تھا اللہ کے واسطے تھا اور ہر شخص اپنی رائے میں بالکل آزاد تھا نہ عثمان ایسے قوی تھے کہ وہ ان کی قوت سے ڈر گئے تھے. اسی بنا پر سلف اور ائمہ میں سے بہت سوں نے مثلاً ایوب سختیانی احمد بن حنبل اور دار قطنی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ جس نے علی کو عثمان پر فضیلت دی اور مقدم سمجھا اس نے مہاجرین اور انصار پر عیب لگایا. خوب سمجھ لو یہ معاملہ ان ادلہ میں سے ہے جو اس پر دال ہیں کہ عثمان افضل ہیں کیونکہ کل مہاجرین اور انصار نے متفق ہو کے انہیں مقدم کیا تھا باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ عثمان کے بعد علی خلیفہ ہیں اس کی وجہ کہ ان سے ساری مخلوق نے بیعت کر لی تھی سمجھ میں نہیں آتا کہ خلقت کی بیعت کر لینے کے ساتھ صرف علی کو مخصوص کرنا اور ابوبکر و عمر عثمان کو اس خصوص سے خارج کرنا ظاہر البطلان نہیں تو اور کیا ہے جو شخص ان لوگوں کی سیرت سے واقف ہے اسے یہ ضرور معلوم ہوگا کہ ابوبکر، عمر اور عثمان کی بیعت پر صحابہ کا اتفاق علی کی بیعت پر ان کا اتفاق ہونے سے بدرجہا زیادہ تھا۔ جنہوں نے عثمان سے اول ہی دفعہ بیعت کر لی تھی۔

وہ ان سے یقیناً افضل تھے۔ جنہوں نے علی سے بیعت کی تھی۔ کیونکہ عثمان سے علی، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ، زبیر عبداللہ بن مسعود، عباس بن عبدالمطلب اورابی بن کعب وغیرہ اپنے اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اور مسلمانوں میں تین دن تک مشورہ ہونے کے بعد بیعت کی تھی بخلاف علی کے کہ ان سے عثمان کے قتل ہونے کے بعد بیعت کی گئی تھی. اس وقت سب کے دل مضطرب اور پریشان تھے اکابر صحابہ سب متفرق ہو گئے تھے طلحہ بھی صرف بلانے سے آئے تھے یہاں تک کسی نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ طلحہ کو زبردستی لائے ہیں اور خود طلحہ نے کہا تھا کہ میں تو مجبوراً بیعت کرتا ہوں مجھے تو فساد ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے جب مفسدوں نے عثمان کو قتل کیا تو اس وقت مدینہ میں ان کا بہت زور تھا ان کے قتل سے سب میں بہت بڑا تفرقہ پڑ گیا تھا علی سے عبداللہ بن عمر جیسے بہت سے صحابہ نے بیعت نہیں کی تھی اس وقت تین قسم کے آدمی تھے ایک وہ جنہوں نے علی کا ساتھ دیا دوسرے وہ جنہوں نے علی کا مقابلہ کیا تیسرے وہ جنہوں نے نہ علی کا مقابلہ کیا نہ ان کا ساتھ دیا۔ ایسی حالت میں یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ علی کی بیعت پر تو یہ بیان کیا جائے کہ کل مخلوق جمع و متفق ہو گئی تھی اور خلفاء ثلثہ کی بیعت کی نسبت کل مسلمانوں کا اتفاق نہ تسلیم کیا جائے حالانکہ ان سے بیعت کرنے میں ایک آدمی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا. خاص کر عثمان کی بیعت سے ہاں ابوبکر کی بیعت سے فقط سعد بن عبادہ رہ گیا تھا وہ خود انصار کا امیر بننا چاہتا تھا مگر جب اس کی یہ مراد بر نہ آئی تو اُس نے ابوبکر سے کچھ معارضہ نہیں کیا نہ حق کو دفع کیا نہ خلاف بات پر کسی کی اعانت کی بلکہ امام احمد بن حنبل نے حمیری سے روایت کی ہے کہ صدیق نے ان سے فرمایا کہ اے سعد تم جانتے ہو کہ رسول اللہ نے تمہارے سامنے یہ فرمایا تھا۔ **قریش ولا ھذا الامر فبر الناس تبع لبرھم وفاجر ھم تبع لفاجر ھم.** یعنی اس خلافت کے مالک قریش ہی ہیں نیک لوگ ان کے نیکوں کے تابع ہیں اور بُرے ان کے بُروں کے. اس پر سعد نے ابوبکر کو یہ جواب دیا کہ آپ سچ فرماتے ہیں ہم وزراء ہیں اور تم امراء ہو. یہ روایت مرسلِ حسن ہے شاید حمیری نے ان صحابہ سے سنی ہو جو اس قصہ کے وقت وہاں موجود تھے اس میں ایک بہت بڑا فائدہ ہے وہ یہ کہ سعد بن عبادہ امارت کا دعوے کرنے میں اپنے درجہ سے اتر آئے تھے اور صدیق کے لیے امامت اور خلافت ہونے کا انہیں بھی یقین ہو گیا تھا. اس کے مقابلہ میں علی کی خلافت کو لو اس میں ایسے مضطراب

اقوال تھے کہ پناہ بخدا بعض کہتے تھے علی بھی امام ہیں اور امیر معاویہ بھی اور یہ ایک وقت میں دو اماموں کا ہونا اس صورت میں جائز ہے کہ جب ایک امام پر اجتماع اور اتفاق نہ ہو. یہ کہ کرامیہ وغیرہ سے حکایت کیا گیا ہے ایک گروہ کا قول ہے کہ اس زمانہ میں امام عام کوئی نہ تھا بلکہ وہ فتنہ وفساد کا زمانہ تھا یہ قول بصرہ کے محدثین میں سے ایک گروہ کا ہے. اسی وجہ سے جب امام احمد نے علی کی خلافت کو چوتھے درجہ پر قرار دیا اور یہ کہا جو شخص اسے چوتھے درجہ کی خلافت نہ سمجھے وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی زیادہ بیوقوف اور گمراہ ہے تو اس پر محدثین کے ایک گروہ نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ علی کی خلافت کا ایسے لوگ انکار کر چکے ہیں جن کی شان میں گدھے سے زیادہ نادان اور گمراہ ہونا کسی طرح بھی نہیں کہا جاسکتا ان کی مراد ان صحابہ سے تھی جنھوں نے بیعت نہیں کی تھی ساتھ ہی امام احمد وغیرہ نے علی کی خلافت پر سفینہ کی حدیث سے حجت کی وہ حضور انور سے یہ روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ **تکون خلافة النبوة ثلاثين سنة تصير ملكا .** یعنی نبوت کی خلافت تیس برس رہے گی پھر بادشاہت ہو جائے گی اس حدیث کو اہل سنن مثلاً ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے تیسرے گروہ کا قول یہ ہے کہ امام علی ہی تھے اور انہوں نے جس سے جنگ کی وہ اپنی جنگ میں حق پر تھے اسی طرح وہ صحابہ بھی جنھوں نے علی سے جنگ کی مثلاً طلحہ و زبیر یہ سب کے سب مجتہد مصیب تھے یہ ان لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہے مثلاً بصرہ کے معتزلہ ابوالہذیل، ابوعلی ابوہاشم اور اشعریہ میں سے ان کے موافقین مثلاً قاضی ابوبکر اور ابوحامد، ابوالحسن اشعری سے بھی یہی مروی ہے اور یہ لوگ امیر معاویہ کو بھی ان کی جنگ میں مجتہد مصیب قرار دیتے ہیں یہ قول امام احمد کے فقیہ شاگردوں میں سے ایک گروہ کا ہے اسے ابوعبداللہ بن حامد نے ذکر کیا ہے ایک چوتھا گروہ ہے وہ فقط علی کو امام قرار دیتا ہے اور جنگ کے معاملہ میں ان ہی کو مجتہد مصیب سمجھتا ہے اس کے نزدیک علی کے مقابلہ میں مجتہد مخطی تھے یعنی ان سے اجتہاد میں غلطی ہوگئی تھی. اب رہے اہل کلام اور اہل رائے یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کے شاگردوں میں سے اکثر کا یہی قول ہے. پانچواں گروہ یہ کہتا ہے کہ باوجود علی کے خلیفہ ہونے کہ امیر معاویہ اقرب الی الحق تھے علی کے لیے اس جنگ کو ترک کرنا اولیٰ تھا ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر دونوں فریق اس سے باز رہتے تو بہتر تھا کیونکہ حضور کا ارشاد

موجود ہے۔ فتنة القاعد فيها خير من القائم والقائم خير من الساعي ۔ یعنی ایک ایسا فساد ہوگا کہ اس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا یہ بھی روایت ہے کہ حضور انور نے امام حسن کی نسبت یہ فرمایا تھا۔ ان ابنی هذا سید و سیطح الله به بین فئتین عظیمتین من المؤمنین۔ یعنی یہ میرا بیٹا سید ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے عنقریب مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ صلح کرانے پر حضور انور نے امام حسن کی تعریف کی ہے۔ اگر یہ جنگ واجب یا مستحب ہوتی تو اسے ترک کرنے والے کی حضور تعریف نہ کرتے علماء کہتے ہیں اللہ نے باغیوں سے اول ہی جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا نہ ہر باغی کو قتل کرنے کا حکم دیا بلکہ یہ فرمایا ہے۔ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا۔ (الحجرات:۹) اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرا دو پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس زیادتی کرنے والے سے جنگ کی جائے وہ کہتے ہیں اسی سبب سے علی کی جنگ سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جو حکم اللہ نے دیا اس کی مصلحت اس کی برائی پر غالب ہونی بے شک ضروری ہے سنن ابوداؤد میں ابن سیرین سے مروی ہے وہ کہتے ہیں حذیفہ کہا کرتے تھے جس کسی پر کوئی فتنہ آتا ہے مجھے اس کا سب سے زیادہ اندیشہ ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے میں نے رسول اللہ سے سنا ہے آپ ان سے فرماتے تھے کہ تمہیں کوئی فتنہ ضرر نہ دے گا یہ حدیث اس بات کو صاف ظاہر کرتی ہے کہ حضور انور نے محمد بن مسلمہ کو یہ خبر دی تھی کہ انہیں کوئی فتنہ ضرر نہ دے گا یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو علی کی جنگ سے کنارہ کش ہو گئے تھے نہ انہوں نے علی کا ساتھ دیا نہ امیر معاویہ کا جیسا سعد بن ابی وقاص، اسامہ بن زید، عبداللہ بن عمر، ابوبکرہ، عمران بن حصین اور اکثر سابقین اولین علیحدہ ہو گئے تھے یہ گویا اس امر کی دلیل ہے کہ وہاں کوئی ایسی لڑائی نہ تھی جو واجب یا مستحب ہوتی اگر ایسا ہوتا تو اس کے نہ کرنے والے کی تعریف نہ کی جاتی بلکہ جو واجب یا مستحب کو کرتا وہ نہ کرنے والے سے افضل ہوتا اس سے معلوم ہوگا کہ وہ لڑائی فتنہ فساد کی لڑائی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سی صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کا نہ کرنا جانبین کے حق میں کرنے سے بہتر تھا اہل حدیث اور اہل سنت والجماعت کے جمہور علماء اسی پر ہیں یہی مذہب مالک ثوری اور احمد وغیرہ کا ہے اور یہ ان لوگوں کے اقوال ہیں جو علی،

طلحہ، زبیر اور معاویہ کو اچھے لفظوں سے یاد کرتے ہیں باقی ان کے سوا خوارج، روافض اور معتزلہ کے اقوال کا صحابہ کی شان میں دوسرا رنگ ہے مثلاً خوارج علی، عثمان اور ان کے ساتھیوں کو برملا کافر قرار دیتے ہیں روافض جمیع صحابہ مثلاً خلفاء ثلثہ اور ان کے ساتھیوں کو کافر اور فاسق کہتے ہیں ساتھ ہی علی سے لڑنے والوں کو بھی کافر بتاتے اور یہ کہتے ہیں کہ علی امام معصوم ہیں برخلاف اس کے مروانیہ کا ایک گروہ علی کو فاسق بتاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ وہ یقیناً ظالم تھے معتزلہ میں ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ علی خود فاسق ہیں یا اس سے لڑنے والے فاسق ہیں. اس کی تعیین معلوم نہیں ہوسکتی. ان ہی میں سے دوسرا اگروہ امیر معاویہ اور عمر فاروق کو فاسق کہتا ہے اور طلحہ، زبیر اور عائشہ صدیقہ کی تعریف کرتا ہے. بات یہ ہے کہ علی کی خلافت اور ان کی لڑائیوں اس درجہ اختلاف ہے کہ سلف اور خلف میں اچھی طرح مشہور ہے تو ان سے خلقت کا بیعت کرنا ان سے پہلے خلفاء ثلثہ سے خلقت کے بیعت کرنے سے بڑھ کر کیونکر ہوسکتا ہے اگر شیعی علماء یہ کہیں کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ علی کی خلافت خلقت کے ان سے بیعت کر لینے کی وجہ سے ہوئی نہ کہ نص کے سبب سے اس میں شک نہیں اہلسنت والجماعت اگرچہ یہ کہتے ہیں کہ علی کے خلفاء راشدین میں سے ہونے کی بے شک نص ہے کیونکہ حضور انور نے فرمایا تھا نبوت کی خلافت تیس برس رہے گی وہ علی کے سوا اوروں کی خلافت صحیح ہونے میں بہت سی نصوص روایت کرتے ہیں اور اہل حدیث کے نزدیک یہ بات مشہور ہے وہ خلفاء کی خلافت صحیح ہونے میں نصوص کثیرہ روایت کرتے ہیں۔ بخلاف علی خلافت کے کہ اسکے نصوص بہت ہی کم ہیں. دوسری وجہ یہ ہے کہ خلفاء ثلثہ پر ساری امت کا اجتماع اور اتفاق ہوگیا تھا اس لئے ان کے ذریعہ سے امامت کا مقصود حاصل ہوگیا تھا ان کے ذریعہ سے کفار سے جنگ ہوئی بہت سے شہر فتح ہوئے مگر علی کی خلافت میں نہ کسی کافر سے جنگ ہوئی اور نہ کوئی شہر فتح ہوا بلکہ خانہ جنگیوں سے اس وقت آنکھ اٹھانے کی فرصت نہ ہوئی اب رہی وہ نص جس کا شیعی علماء دعوے کرتے ہیں وہ مثل اس نص کے ہے جس کا راوندی عباس کی بابت دعوے کرتے ہیں مگر اہل علم کے نزدیک دونوں کے دعوے یقیناً غلط ہیں. اس کی مفصل کیفیت اوپر آچکی ہے. ہم کہتے ہیں کہ علی کی خلافت کا اگر یہی ثبوت ہے تو ان کی امامت کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ اس کی نظیر سے عباس کی امامت ثابت نہیں ہوتی پھر شیعی

علماء کا یہ کہنا کہ علی کے بعد سنیوں میں اختلاف ہو گیا بعض نے کہا علی کے بعد حسن امام ہے بعض نے کہا معاویہ امام ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کا اس بارے میں کبھی اختلاف نہیں ہوا بلکہ وہ یقیناً جانتے تھے کہ حسن سے ان کے والد کی جگہ اہل عراق نے بیعت کر لی ہے. اہل شام پہلے ہی سے معاویہ کے ساتھ ہیں. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ پھر سنیوں نے امامت بنی امیہ میں پہنچا دی اور اس کے بعد بنی عباس میں ہم کہتے ہیں اہل سنت والجماعت کبھی یہ نہیں کہتے کہ ان بنی امیہ یا بنی عباس میں کوئی ایسا تھا کہ سب کو چھوڑ کے اُسے خلیفہ کرنا واجب تھا. نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان میں کسی کی اسکے کل اوامر میں اطاعت کرنی واجب تھی بلکہ اہل سنت واقعی باتوں کی خبریں دیتے اور امر واجب کو ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خلیفہ جنہیں قدرت اور حکومت دونوں حاصل تھیں ولایت کے مقاصد ادا کرنے کی قدرت رکھتے تھے. یعنی حدود قائم کرنے. اموال تقسیم کرنے عہدے مقرر کرنے. دشمن سے جہاد کرنے حج عیدین اور جمعہ وغیرہ ادا کرنے کی ان کا یہ بھی قول ہے کہ ان میں سے ایک کی اور ان کے نائبوں وغیرہ کی اللہ کی معصیت میں اطاعت کرنی جائز نہیں ہے بلکہ اللہ کی اطاعت میں ان کی شرکت کی جائے. ان کے ساتھ ہو کے کفار سے جہاد کیا جائے. جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھی جائے. حج ادا کیا جائے. حدود قائم کرنے. امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے وغیرہ میں مدد کی جائے. غرض یہ ہے کہ اہل سنت بھلائی اور تقوے پر ان کی اعانت کرتے ہیں نافرمانی اور ظلم پر ان کی اعانت نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ شام میں بنی امیہ اور بنی علی میں سے بہت سے خلیفہ ہوئے ہیں اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ بغیر حاکموں کے خلقت میں امن نہیں رہ سکتا اور یہ کہ اگر ان کے سوا ظالم باشاہوں میں سے کوئی خلیفہ ہو جائے تو اس کا ہونا نہ ہونے سے یقیناً بہتر ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ ساٹھ برس ظالم حاکم کے ساتھ رہنا ایک دن بلا حاکم کے رہنے سے بہتر ہے خود علی کہا کرتے تھے لوگوں پر حاکم ہونا ضروری ہے خواہ نیک ہو یا بد کسی نے کہا نیک کے ہونے کا فائدہ تو ہمیں بھی معلوم ہے لیکن بد کے ہونے کا کیا فائدہ ہے آپ نے جواب دیا کہ اسی کے سبب سے راستوں میں امن رہے گا. حدود قائم کی جائیں گی دشمن سے جہاد کیا جائے گا اور غنیمت کا مال تقسیم کیا جائے گا علی کے اس قول کو علی بن معید نے کتاب ''الطاعۃ والمعصیۃ'' میں ذکر کیا ہے. بہر حال بات یہ ہے کہ خلیفہ خواہ کیسا ہی ہو مگر وہ اس معدوم

منتظر سے یقیناً بہتر ہے۔ جس کی بابت ہمارے دوست شیعی علماء فرماتے ہیں کہ وہ خلف حجت ہے خیال تو کیجئے کہ اس کی فرضی امامت سے آج تک کوئی مصلحت کبھی حاصل ہوئی یا کوئی فائدہ پہنچا اس کے کہ واہی بھول بھلیوں میں ساری عمر بھٹکتے پھرے اور کچھ نہیں۔ کچھ آسمانی انتظام ہی اول دن سے ایسے ہیں کہ بغیر حاکموں کے گھڑی بھر بھی چارہ نہیں ہے۔ حاکموں کے نہ ہونے سے خدا کی مخلوق ایسی تتر بتر ہو جاتی ہے جیسے شیرازے کے ٹوٹنے سے کتاب کے ورق اب بتایئے کہ خلقت کے کاموں کی اصلاح ایسے امام سے کیونکر حاصل ہو سکتی ہے جسے نہ کوئی پہنچانتا ہے نہ جانتا ہے کہ وہ امام کیا کہتا ہے نہ وہ امامت کے امور میں کچھ کر سکتا ہے بلکہ وہ خود معدوم محض ہے وہ تو وہ اس کے باپ دادا کو بھی امامت کی کبھی قدرت اور طاقت نہیں ہوئی وہ ہمیشہ اس سے عاجز رہے خواہ وہ حکومت کرنے کے لائق تھے یا نہ تھے۔ انہیں قدرت اور حکومت کی طاقت حاصل نہ ہونے کے باعث ان سے ولایت کا مطلوب کبھی حاصل نہ ہوا اور اگر کسی مومن مسلمان نے ان کی اطاعت کر لی تو ان کی اطاعت سے وہ مصلحتیں کبھی حاصل نہ ہوں گی جو ائمہ کی اطاعت سے ہوتی ہیں۔ یعنی دشمنوں سے جہاد کرنا، مستحقین کو ان کا حق پہنچانا اور حدود کا قائم کرنا وغیرہ، اگر کوئی یہ کہے کہ وہ ائمہ ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ انہیں حاکم بنانا واجب ہے اور لوگوں نے انہیں حاکم نہ بنانے کے نافرمانی کی ہے تو یہ بات بمنزلہ اس قول کے ہے کہ فلاں شخص قاضی ہونے کا مستحق ہے۔ لیکن ظلماً اور عدواناً اسے قاضی نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اس کے قاضی نہ کرنے والے ایسے اور ویسے ہیں۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو جب وہ قاضی نہیں ہوا اس کا عدم وجود خلق اللہ کے لیے برابر ہے خواہ کسی طرح قاضی نہ ہوا ہو یہ سب جانتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا اس میں نزاع نہیں ہے کہ خلفاء اربعہ کے بعد اہل شوکت نے ایسے لوگوں کو حاکم کر دیا تھا کہ ان کے سوا اور لوگ ان عہدوں کے زیادہ لائق تھے مثلاً عمر بن عبدالعزیز اپنے بعد قاسم بن محمد کو حاکم کرنا چاہتے تھے لیکن یہ ان سے نہ ہو سکا کیونکہ اہل شوکت کا اس پر اتفاق نہیں ہوا تھا پس اس وقت وہ اہل شوکت جنہوں نے مرجوع کو مقدم رکھا راجح کو ترک کیا اور جو اپنی قوت بازو دیا اپنے اتباع کی امداد سے ظلماً حاکم اور خلیفہ ہو گیا تو اس کا گناہ اسی پر رہے گا جس نے باوجود خلاف کرنے کی قدرت ہونے کے واجب کو ترک کیا یا ظلم پر اعانت کی اور رہا وہ شخص جس نے نہ ظلم کیا نہ ظالم کی اعانت کی بلکہ نیکی اور بھلائی پر اعانت کی تو

اس کے ذمہ اس میں سے کچھ نہ ہوگا. یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مومنین صالحین ظلم وفساد پر اعانت نہیں کرتے تھے بلکہ نیکی اور بھلائی پر اعانت کرتے تھے وہ بمنزلہ اس امام کے ہوئے جسے شریعت میں اس کے افراد اور علم بالسنۃ اور ہجرت وعمر میں سب سے مقدم ہونے کی وجہ سے امام بنانا واجب ہے پس اگر ذی شوکت لوگوں نے اس کم درجہ کے آدمی کو امام بنادیا تو جو نمازی اس کے پیچھے ہیں یعنی جو اور کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے ان کے ذمہ اس کا کیا گناہ ہوسکتا ہے. اسی طرح جب کسی جاہل یا ظالم حاکم سے کسی مظلوم نے اپنا انصاف کرانا یا اپنے حق کا فیصلہ کرانا یا اپنی میراث تقسیم کرانا یا کسی لاوارث عورت سے نکاح کرانا چاہا تو اس کے کرنے میں اسی حاکم کے ذمہ کونسا گناہ ہے اللہ تعالے فرماتا ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ. یعنی جب تمہیں کسی کام پر میں حاکم کردوں تو حتی الوسع تم اللہ سے ڈرتے رہو۔ پھر حضور انور ارشاد کرتے ہیں۔ ''اذا امر کم با مر فاتوا منه ما استطعتم ۔یعنی جب تمہیں کسی کام پر میں حاکم کردوں تو حتی الوسع تم اسے انجام دیا کرو۔ یہ حدیث بخاری ومسلم نے روایت کی ہے یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ شریعۃ حتی الامکان مصالح کی تحصیل اور مفاسد کی تقلیل وتعطیل کے لئے آئی ہے اہل سنت بے شک یہ کہتے ہیں کہ حتی الواسع ایسے آدمی کو خلیفہ کرنا لائق ہے جو اس کے لئے سب سے زیادہ قابل ہو اکثر کے نزدیک ایسا کرنا واجب ہے۔ بعض کے نزدیک مستحب ہے اور جو باوجود اپنی قدرت کے محض اپنی خواہش نفسانی کے باعث اس سے عدول کرے تو وہ بیشک ظالم ہے. اور جو باوجود اسے دل سے چاہنے کے نہ کرسکے وہ معذور ہے ان کا قول ہے کہ جو شخص خلیفہ ہوجائے تو اس سے حتی الواسع اللہ کا اطاعت پر اعانت طلب کی جائے اور اللہ کی طاعت ہی پر اُسکی اعانت کی جائے نہ اللہ کی معصیت پر اُس سے اعانت طلب کی جائے نہ اس پر اسکی اعانت کی جائے کیا امام اہلسنت والجماعت کا قول ان لوگوں کے قول سے بہتر نہیں ہے۔ جو ایک معدوم یا عاجز ونا چار کی اطاعت کرنے کا حکم کرتے ہیں۔ جس سے اس اعنات کا حصول ممکن نہیں ہے۔ جو ائمہ سے مطلوب ہوتی ہے۔ اسی لئے جب شیعہ اہل سنت والجماعت کے مذہب سے کنارہ کش ہوجاتے ہیں۔ اور ائمہ مسلمین کی اعانت نہیں کرتے اور نہ ان سے اعانت کے خواستگار ہوتے ہیں تو اس وقت یہ نا مسلمانوں کی اعانت کرنے اور ان ہی سے اعانت طلب کرنے لگتے ہیں بظاہر تو ان کا دعوے امام

معصوم پر ہے مگر ظاہر میں کوئی ایسا امام نہیں رکھتے جس کا یہ اقتدا کریں سوائے نامسلمانوں کے اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ جس نص کا شیعہ دعوے کرتے ہیں وہ حق اور موجود ہے. اور لوگوں نے اس منصوص علیہ کو خلیفہ نہیں کیا تو ایک امر واجب جب کے تارک ہوئے مگر وہ امام جو مقصود امامت پر قائم ہوگیا ہے خلیفہ وہی ہے نہ کہ وہ ممنوع و مقہور. ہاں یہ بات دوسری ہے کہ وہ خلیفہ کیے جانے کا مستحق تھا۔ لیکن جب یہ خلیفہ نہیں بنایا گیا۔ تو اس کا گناہ اسکے ذمہ ہے. جس نے اسکی حق تلفی کی ہے۔ یا اس پر ظلم کیا ہے۔ نہ کہ اس پر جس نے اسکی حق تلفی نہیں کی۔ نہ اس پر ظلم کیا۔ شیعی علماء فرماتے ہیں کہ امام مقرر کرنا واجب ہے کیونکہ اس میں بندوں کے لئے لطف و مصلحت ہے. پس جب اللہ اور اللہ کا رسول اس بات کو جانتے تھے کہ جس خاص آدمی کے خلیفہ کرنے کا حکم دیا جائے گا وہ اُسے خلیفہ نہ کریں گے نہ اس کی خلافت سے وہ کچھ فائدہ اٹھائیں گے تو انہیں اسی کو خلیفہ کردینے کا حکم دے دینا تھا جس کو ان کا منشاء خلیفہ بنانے کا اور اس سے فائدہ اٹھانے کا تھا جیسا کہ نماز وغیرہ کی امامت میں کیا گیا ہے لیکن اس صورت میں یہ کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ وہ نص جو پیش کی جاتی ہے. سراسر غلط اور بہتان ہے. یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ حضور انور نے اپنے بعد کے تمام واقعات اور اختلافات کے ہونے کی اپنی امت کو خبر دے دی تھی پس جب آپ نے ایک خاص شخص کی امامت پر اپنی امامت کے لئے نص کردی تھی جسے آپ جانتے تھے کہ اس شخص کو یہ خلیفہ نہ کریں گے بلکہ اُسے چھوڑ کے اور کسی کو کرلیں گے جس کی خلافت سے انہیں خلافت کا مقصود حاصل ہوگا اور جب اس منصوص کی باری آئے گی تو امت میں ایسی ہولناک خون ریزی ہوگی جو اس غیر منصوص سے نہیں ہوئی نہ اس سے خلافت کے وہ مقاصد حاصل ہوں گے جو اس غیر منصوص سے ہوئے تھے تو حضور انور کو اس منصوص سے عدول ہی کرلینا واجب تھا. اس کی مثال یہ ہے کہ ایک خلیفہ کے پاس دو آدمی ہیں اور وہ اس بات کو جانتا ہے کہ اگر میں ان میں سے ایک کو حاکم کروں تو اس کی فرمانبرداری کی جائے گی اور ملک فتح ہوں گے. دشمن مغلوب ہوں گے اور اگر دوسرے کو کروں تو نہ اس کی کوئی اطاعت کرے گا نہ کوئی ملک فتح ہوگا بلکہ اور رعیت میں فتنہ و فساد برپا ہوجائے گا ہر شخص یہ سمجھ سکتا اور شہادت دے سکتا ہے کہ اسے اسی شخص کو حاکم کرنا چاہیے. جس کی بابت اُسے یہ امید ہو کہ اس کی حکومت سے منفعت اور بھلائی حاصل ہوگی نہ کہ اس کو

جس کی حکومت سے رعیت میں بدامنی اور خونریزی کے سوا کچھ نہ ہو کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس علم کے بعد اللہ اور اللہ کا رسول خلفاء ثلثہ کی خلافت کا تو نص نہ کرتے اور کرتے تو ایسے شخص کی خلافت کا جس کا کوئی بھی کہا نہ مانے بلکہ اس سے اس قدر جنگ وجدال کیا جائے کہ نہ وہ دشمنوں کو مغلوب کر سکے نہ اپنے ساتھیوں کی اصلاح کر سکے قصہ مختصر یہ کہ اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ امام اور خلیفہ وہ صاحب حکومت ہوتا ہے جو موجود ہو جس میں خلافت وامامت کے مقصود ادا کرنے کی قدرت ہو جیسا کہ نماز کا امام وہ ہے جو لوگوں کو نماز پڑھائے اور نمازی اسی کی اقتداء کریں نماز کا امام وہ نہیں ہوسکتا جو نماز پڑھانے کا مستحق ہو مگر کسی کو نماز نہ پڑھاتا ہو چنانچہ صحیحین میں ابن عباس سے مروی ہے وہ حضور انور رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ **من امیرہ شیئا یکوہ فلیصبر علیہ فانہ لیس احد من الناس یخرج عن السلطان شبر افمات علیہ الا مات میتۃ جاھلیۃ.** یعنی جو شخص اپنے حاکم کی کوئی خلاف بات دیکھے تو اس پر اسے صبر کرنا چاہیے کیونکہ جو کوئی اپنے بادشاہ کے کہنے سے ایک بالشت بھر بھی باہر ہو کے اسی پر مرگیا تو وہ جاہلیۃ کی موت مرے گا اب خیال کیجئے کہ رسول اللہ نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل نہ کرنے یا بادشاہ کا کہا نہ ماننے کو ایسا خوفناک اور اہم امر قرار دیا ہے۔ کہ اسلام اور کفر کا مدار اسی پر کر دیا۔ جاہلیہ کی موت مرنے کے معنی خاتمہ بخیر کے نہیں ہیں۔ مسلمان کو کبھی جاہلیۃ کی موت نہیں آتی۔ نامسلمان ہمیشہ جاہلیت کی موت مرا کرتے ہیں۔ اب انصاف سے شہادت حسین کے قصوں کو پڑھئے! اور اس صحیح حدیث سے موازنہ کر کے دیکھئے تو آپ کو صاف طور پر یہ معلوم ہو جائے گا کہ شہادت کے فسانے ماننے پر امام حسین پر کیسی زد آتی ہے۔ بہرحال اس کی بحث نفس کتاب میں مفصل ہوگی۔ انشاء اللہ حضور انور نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ اگر حاکم کی کوئی بات خلاف دیکھو تو اس پر صبر کرو ساتھ ہی اس کے یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ آپ نے کسی سلطان یا حاکم کی تخصیص نہیں کی صحیح مسلم میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ **من خرج من الطاعۃ و فارق الجماعۃ ثم مات مات جاھلیۃ.** یعنی طاعت سے خارج ہونے اور جماعت سے باہر ہونے اور پھر اسی حالت میں مرجانے کو جاہلیت کی موت کہا ہے۔ گویا حد درجہ آپ نے ایسے شخص کی برائی بیان فرمائی۔ اہل جاہلیت ہمیشہ شتر بے مہار کی طرح زندگی بسر کرتے تھے نہ ان کا کوئی حاکم تھا نہ انہوں نے

کسی کی اطاعت قبول کی اور یہی سب میں زیادہ برائی ہوتی ہے۔ حضور انور ہمیشہ ضرورت ہوتے ہیں حاکم مقرر فرما دیا کرتے تھے یہاں تک کہ سفر کی بابت بھی آپ کا یہ حکم ہے کہ جب تین آدمی سفر میں ہوں تو وہ بھی اپنے میں سے ایک کو افسر مقرر کرلیں حالانکہ تین کا عدد جمع کے اعتبار سے ادنے درجہ کا ہے۔ فقط۔

پھر شیعی علماء فرماتے ہیں اصل یہ ہے کہ بعض صحابہ نے طالب دنیا کو قابل بیعت خیال کر کے سخت بے پروائی اور غفلت سے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی انہوں نے اپنی بے توجہی سے حق کو اپنے ہاتھ ہی سے نہیں کھویا بلکہ آخرت کے ذین دار ہیں کیونکہ غیر مستحق کو انہوں نے دوسرے کا حق دے دیا ہے اس میں اللہ ان سے مواخذہ کرے گا بعض نے محض اپنی کم فہمی کی وجہ سے تقلید کر لی اور ایک جم غفیر کو دیکھ کے آنکھ بند کر کے اسی کے پیچھے ہو لئے اور انہیں یہ شبہ ہو گیا کہ کثرت ہی میں صواب ہے یا جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالے فرماتا ہے وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ یعنی میرے شکر گزار بندے کم ہیں۔ فقط

جواب: شیعی علماء نے صحابہ کی تین قسمیں کی ہیں. ایک تو طالب دنیا تھے دوسرے وہ تھے جنہوں نے غور نہیں کیا. تیسرے ایسے تھے جو غور ہی کرنے سے عاجز تھے. کیونکہ برائی کیا تو فساد کا قصد کرنے سے حاصل ہوتی ہے یا جہل کی وجہ سے اور جہل یا تو غور نہ کرنے سے ہوتا ہے یا اس سے مجبور ہونے کی وجہ سے غرض یہ تینوں باتیں بقول شیعی علماء صحابہ میں موجود تھیں شیعی علماء سے اگر اس کی دلیل پوچھی جائے گی کہ تم نے یہ باتیں کہاں سے لکھ دیں تو یقیناً وہ جواب نہ دے سکیں گے یہ بے شک صحابہ پر بہت بڑا بہتان ہے. اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ بغیر علم کے کوئی بات کہنی اللہ نے حرام کر دی ہے شیعی علماء کے قول کی ضد ایسی مشہور و معروف ہے جس سے ان کا قول خود بخود حرام مطلق بن جاتا ہے کتنے غضب کا مقام ہے کہ ہم تو ادہر صحابہ کے احوال سے ناواقف ہیں اور اُدھر ان کی نیت پر حملہ کر کے ان کی بد نیتی. جہالت اور غفلت کی گواہی دیتے ہیں. یہ بات بھلا کس طرح جائز ہے. اللہ فرماتا ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ. اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا. یعنی جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کے تم پاس بھی نہ کھڑے ہو کیونکہ کان، آنکھ، دل اور سب سے حساب لیا جائے گا۔ پھر فرماتا ہے۔ هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ. یعنی دیکھو تم ہی وہ ہو جس میں تمہیں کچھ علم تھا اس میں تم جھگڑ ہی چکے اور جس کی تمہیں خبر

نہیں اس میں تم کیوں جھگڑتے ہو. خیال تو فرمائے یہ کیونکر ممکن ہے جب ہم اپنے ایمان و یقین اور مشاہدہ سے یہ پاتے ہیں کہ عقل، علم اور دین کی رو سے امت مرحومہ میں وہ سب سے کامل تھے عبداللہ بن مسعود نے سچ کہا ہے کہ تم میں سے جو شخص کسی کے طریقہ پر چلنا چاہے تو وہ ان لوگوں کے طریقوں پر چلے جو گزر چکے ہیں کیونکہ موجود پر فتنہ و فساد کی طرف سے اطمینان نہیں ہوسکتا یاد رکھو اس کے قابل اصحاب محمد ہیں قسم ہے اللہ کی وہ اس ساری امت سے افضل ہیں ان کے دل ساری امت سے اچھے ان کا علم ساری امت سے بڑھا ہوا اور ان میں تکلف ساری امت سے کم تھا وہ ایسے ہیں کہ انہیں اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنا دین قائم کرنے کے لیے برگزیدہ کرلیا ہے. پس تم ان کی عزت کرو. ان کی پیروی کرو اور حتی الوسع ان کے اخلاق اور ان کے دین سے تمسک کرو کیونکہ وہ یقیناً صراط مستقیم پر ہیں۔ فقط۔

(یہ روایت بہت سے محدثین نے نقل کی ہے) اس کے علاوہ ابن بطہ نے اسانید معروفہ کے ساتھ ایک روایت زرین حبشی سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں عبداللہ بن مسعود فرماتے تھے کہ اللہ نے سب بندوں کے دلوں کو دیکھا تھا ان میں سے سب سے بہتر محمد کا دل پایا اور انہیں اپنے لئے برگزیدہ کر کے اپنی پیغمبری کے لئے مقرر فرمالیا پھر بندوں کے دلوں پر نظر کی تو سب سے بہتر آپ کے صحابہ کے دل پائے جنہیں رسول پاک کا وزراء بنا دیا کہ دین الٰہی کے قائم کرنے کے لئے جانیں دیں گے. جو چیز مسلمان اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ جسے یہ بری خیال کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔ ہوں مسلمان بس یہ شرط ہے اس کے علاوہ ایک اور اثر ہے جس کے راوی ابوبکر بن عیاش عاصم بن ابی الجو اور زر بن جیش ہیں انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے آپ نے کہا کہ رسول اللہ کے سب صحابہ کی یہ رائے ہوگئی تھی کہ ابوبکر ہی کو خلیفہ بنایا جائے پس عبداللہ بن مسعود کا یہ کہنا کہ ان کے دل ساری امت کے دلوں سے اچھے اور ان کا علم ساری امت کے علم سے زیادہ اور ان کا تکلف ساری امت کے تکلف سے کم تھا ایک جامع کلام ہے جس میں انہوں نے ان کے دل اچھے ہونے سے ان کی نیک نیتی کو اور ان کا علم زیادہ ہونے سے ان کے کمال معرفت کو اور ان میں تکلف کم ہونے سے بلا علم کوئی بات نہ کہنے کو بیان کردیا ہے۔ اور یہ اس کے بالکل خلاف ہے جو شیعی علماء فرماتے ہیں کہ ان میں اکثر طالب دنیا تھے اور بعض جاہل اور بعض مجبور تھے. خلاصہ یہ ہے کہ عبد

اللہ بن مسعود نے جو کچھ کہا ہے۔ یہ بالکل حق ہے کیونکہ وہ بہترین امت ہیں جیسا کہ حضور انور کی متواتر حدیثوں سے ثابت ہے آپ نے فرمایا۔ خیر القرون القرن الذی بعثت فیھم ثم الذین یلونھم "یعنی سب زمانوں سے بہتر زمانہ یہ ہے جس میں میں مبعوث کیا گیا ہوں پھر جو اس کے بعد ہو پھر جو اسکے بعد ہو اُس کے علاوہ اعتبار عقلی بھی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جو شخص محمد کی امت میں اور پھر یہود و نصاریٰ صائبین مشرکین اور مجوس کے احوال میں غور کرے تو اُسے اس امت کی تمام امتوں پر فضیلت علم نافع اور عمل صالح میں ضرور ہی روشن ہو جائے گی۔ قرآن حدیث اجماع اور قیاس کی رو سے صحابہ اس میں اکمل الامت میں یہی وجہ ہے کہ اعیان امت میں سے کسی کو بھی ایسا نہیں پاؤ گے جو اپنے اور اپنے امثال پر صحابہ کی فضیلت کا معترف نہ ہو اس میں تو آج تک کسی نے نزاع نہیں کیا۔ سوائے شیعی علماء کے آپ اگر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ائمہ فقہ میں جو معتمد علیہ سمجھے جاتے ہیں کوئی بھی شیعہ صاحب نہیں نظر آتے اسی پر موقوف نہیں ہے بلکہ ائمہ حدیث ائمہ زہد والعبادت میں نہ ان افسران سپاہ میں جن کی من جانب اللہ تائید و نصرت کی گئی ہے۔ نہ ان بادشاہوں میں جنہوں نے اسلام کی مدد کی اور اسے قائم کیا اور اسلام کے دشمنوں کو پسپا کیا نہ ان وزراء میں جو سیرت محمود میں مشہور و معروف ہیں۔ اب بحث کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمایئے اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ جن لوگوں نے ابوبکر سے بیعت کی تھی وہ ایسے ہی تھے جیسے شیعی علماء فرماتے ہیں یعنی طالب دنیا یا جاہل لیکن قرون امت میں ان کے بعد بھی ایسے ہوئے ہیں کہ ان کی پاکبازی اور ذکاوت کا ہر شخص معترف ہے اور ابوبکر و عمر کی فضیلت پر تو سب کا اتفاق ہے ان دونوں کی تقدیم پر اہل مدینہ کا اجماع منقول ہے حالانکہ اہل مدینہ کا بنی امیہ کی طرف میلان بالکل نہ تھا جیسا کہ اہل شام کا تھا بلکہ اہل مدینہ نے یزید کی بیعت سے دست کشی کر کے حرہ کے سال اس سے جنگ کی تھی ان میں سے کسی نے بھی علی سے قتال نہیں کیا بلکہ وہ علی کو مدینہ سے جانے کے بعد بھی علماء مدینہ میں شمار کرتے رہے ہیں بایں ہمہ ابوبکر و عمر کی تقدیم پر سب متفق ہیں۔ بیہقی نے معہ اسناد کے امام شافعی سے نقل کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ ابوبکر کو سب سے مقدم سمجھنے میں صحابہ اور تابعین کا اختلاف نہیں ہوا شریک بن ابی ثمر سے کسی نے پوچھا تھا کہ ابوبکر افضل ہیں یا علی انہوں نے جواب دیا کہ ابوبکر۔ سائل نے تعجب سے کہا ہا ئیں تم شیعہ ہو کے یہ

کہتے ہوانہوں نے کہاہاں شیعہ وہی ہے جواس کا قائل ہو دیکھ میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ علی نے اس منبر پر کھڑے ہو کے علی الاعلان یہ فرمایا تھایادرکھواس امت میں سب سے بہتر اس کے نبی کے بعد ابوبکر وعمر ہیں کیا ہم ان کے قول کورد کردیں یا ہم انہیں جھوٹا کہیں میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ وہ جھوٹے نہیں تھے قاضی عبدالجبار نے اپنی کتاب تثبیت النبوۃ میں اس کا ذکر کیا ہے. پھر بھلا کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ جنہوں نے ابوبکر سے بیعت کی تھی وہ طالب دنیا یا جہال تھے۔ باقی شیعی علماء کا یہ کہنا کہ بعض صحابہ نے خلافت اپنے لئے حق کے ساتھ طلب کی اوراس سے بہت تھوڑے لوگوں نے بیعت کی یعنی جنہوں نے دنیا اوراس کی زیب وزینت سے اعراض کرلیا تھا اورانہیں حق کے ادا کرنے میں کسی کی ملامت وغیرہ کا خوف نہ تھا۔ بلکہ انہوں نے خلوص دل سے اسی کی اطاعت کی جو مقدم ہونے اور اطاعت کئے جانے کا مستحق تھا حالانکہ سب مسلمان اس بلا میں مبتلا ہو گئے تھے تو ہر ایک پر وجب تھا کہ حق میں غور کرکے انصاف کرتا اور حق کواس کے موقع پر رکھ کے اس کے مستحق پر ظلم نہ ہونے دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی یادرکھو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے.

جواب: عجب تماشہ کی بات ہے یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی شیعی علماء کو تو یہ کہنا واجب تھا کہ جب ایک گروہ نے ایسا کیا اور دوسرے گروہ نے ایسا کیا تو یہ دیکھنا واجب ہے کہ دونوں قولوں میں کونسا ہے لیکن جب ایک گروہ نے اتباع حق کو اور دوسرے نے اتباع باطل کو اختیار کرلیا اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اس میں غور کرنے کی ضرورت نہیں رہی اور اگر یہ ظاہر نہیں ہوا تھا تو اس کے ظہور تک یہ کہنا نہیں چاہیے دوسرے ہم شیعی علماء سے یہ کہتے ہیں کہ آپ کا یہ کہنا کہ بعض صحابہ نے خلافت اپنے لئے حق کے ساتھ طلب کی تھی اوراس سے بہت تھوڑے لوگوں نے بیعت کی یہ علی پر نرا اتہام ہے کیونکہ انہوں نے ابوبکر وعمر اور عثمان کی خلافت میں اپنے لئے خلافت کبھی نہیں چاہی تو عثمان کے شہید ہونے پر بھی خلافت سے برابر انکار کرتے رہے اور انہوں نے صاف طور پر یہ کہا کہ میں خلافت کے لئے نہیں بلکہ وزارت کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہوں جیسا کہ نہج البلاغۃ میں بالتصریح موجود ہے. تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ علی نے ابوبکر وعمر عثمان کے زمانہ میں کبھی اپنی خلافت پر لوگوں کو دعوت نہیں دی. مگر شیعی علماء یہ کہتے ہیں کہ علی کی نیت تو ضرور تھی کہ ابوبکر وعمر کی جگہ میں خلیفہ بنادیا جاؤں۔ مگر مجبوراً

انہوں نے اپنی نیت کو چھپا لیا تھا. اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں پھر بھی ان کے حق میں یہ بات مفید نہیں ہو سکتی کیونکہ جب انہوں نے اپنے ارادہ کا اظہار ہی نہیں کیا تو کیونکر کوئی شخص ان کی پیروری کر سکتا تھا.
اسی طرح شیعی علماء کا یہ کہنا کہ علی سے بہت کم لوگوں نے بیعت کی سراسر غلط اور علی پر اتہام ہے ابوبکر و عمر عثمان کے زمانہ میں ایک شخص نے بھی علی سے بیعت نہیں کی تھی نہ ایسا کوئی موقع تھا کہ بیعت کرنے کی نوبت آتی ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دو ایک آدمی ایسے تھے کہ علی سے بیعت کرنے کی خواہش رکھتے تھے مگر اس فرضی خواہش سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے. علی کی ہر دلعزیزی تو یہاں تک تھی کہ جب علی خلیفہ ہوئے ہیں تو صحابہ کا ایک بڑا گروہ معاویہ کی خلافت کو پسند کرتا تھا بعض ایسے تھے جو ان دونوں کے سوا تیسرے کی خلافت چاہتے تھے علی ہذا القیاس جب عثمان سے بیعت کی گئی تو ایک شخص بھی ایسا نہ نکلا جو دوسرے کی خلافت چاہتا ہو. یہ کئی بار اوپر ذکر آ چکا ہے کہ جن لوگوں نے علی سے بیعت کر لی تھی اور جو خاص آپ کے شیعہ تھے وہ خود علی سے بیزار تھے اور علی ان سے بیزار تھے. ساری نہج البلاغت اسی رونے پیٹنے سے بھری ہوئی ہے علی دق ہو ہو کے انہیں کوستے تھے. بُرا بھلا کہتے تھے اور سخت تنگ تھے. چنانچہ آپ یہ دعا کیا کرتے تھے. "**الھم انی سمئتھم وسئمونی لبعد لنی بھم خیرا منھم وابدلم بی شرا منی**" یعنی اے اللہ بیشک میں ان سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں پس مجھے ان کے بدلہ سے بہتر آدمی عطا کر اور انہیں میرے بدلہ میں مجھ سے بدتر دے علی کے شیعہ جن سے وہ اتنے نالاں تھے ہمیشہ علی کو دھوکا دیتے ان کے دشمنوں سے پوشیدہ خط کتابت کرتے اور ولایت و اموال میں ان کی خیانت کرتے رہے ہیں. اس وقت یہ رافضی نہیں کہلاتے تھے بلکہ ان کا نام شیعہ علی اس وقت ہوا ہے جب دو فرقے ہو گئے ایک فرقہ عثمان کا طرفدار ہو گیا دوسرا علی کا اور یہ لوگ بہتر شیعہ تھے مگر علی ہی نہیں بلکہ حسن اور حسین سے جو کچھ ان کے معاملے ہوئے وہ ظاہر ہیں. ان صاحبزادوں پر کیا کیا ستم توڑے گئے اور کیا کیا تکلیفیں دی گئیں. میدان قادسیہ میں کس طرح مسند سے گھسیٹ کے امام حسن کو مارا گیا یہ سارے ذکر اپنی جگہ پر آئیں گے پھر بھلا سوائے اصحاب ثلثہ سے بیعت کرنے والوں کے اور کون لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جنہیں بھلا دین کے آگے کسی کی ملامت کی پرواہ نہ ہوا اور جنہوں نے اللہ کے احکام بجالانے میں کبھی کسی کا خوف نہیں کیا

وہ سب سے زیادہ زاہد اور آخرت کے سب سے زیادہ شائق تھے بتاؤ تو سہی وہ کون ہیں جو دنیا میں زاہد ہوئے ہیں اور اللہ ارحق پر انہیں کسی کی ملامت مانع ہوئی ہو ہمیں تو ایسے ایک شخص کا بھی پتہ نہیں لگتا کہ جس نے ابوبکر و عمر عثمان سے بیعت نہ کی ہو اور علی سے بیعت ہونے پر اس میں یہ صفتیں آ گئی ہوں. یہ بارہا مشاہدہ ہو چکا ہے کہ خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان سے منحرف ہو کے ان کی مخالفت اور علی کی موافقت ظاہر کرتا ہو۔ کل مسلمان خلفاء ثلثہ سے خوش تھے زیادہ سے زیادہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ بعض ان میں سے علی کی تقدیم کو چھپاتے تھے لیکن ان لوگوں کا یہ حال نہیں ہوتا جو اللہ کے احکام ادا کرنے میں کسی کی ملامت کا خوف و خیال نہیں کرتے یہ تو علی کے ساتھیوں کا حال دیکھا ہے کہ بیچارے اپنی خلافت میں اپنے ساتھیوں پر کس کس طرح دانت پیتے تھے جنگ میں سستی کرنے بلکہ صاف انکار کر دینے پر کس شدت سے ملامت کرتے تھے۔ پس ان شیعوں کو خلفاء ثلاثہ کے اصحاب سے نسبت ہی کیا ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ اگر چہ ابوذر، عمار، سلمان وغیرہ پر نرا اتہام لگایا جاتا ہے لیکن متواتر روایتوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ابوبکر و عمر کی سب سے زیادہ تعظیم اور پیروی کرنے والوں میں سے تھے. بعض کی طرف سے عثمان کے برخلاف ہونا نقل کیا جاتا ہے لیکن ابوبکر و عمر سے تو ان کی مخالفت کا کہیں بھی مطلق بیان نہیں ہے اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ صدیق اکبر، فاروق اعظم اور عثمان غنی کی خلافتوں میں شیعہ کوئی بھی نہیں کہلاتا تھا اور نہ شیعہ کا لفظ کسی کی طرف نسبت کیا جاتا تھا نہ عثمان کی طرف نہ علی کی طرف نسبت کیا جاتا تھا نہ عثمان کی طرف نہ علی کی طرف جب عثمان شہید ہو گئے تو مسلمانوں میں تفرقہ پڑ گیا اس وقت کچھ لوگ عثمان کی طرف دار ہوئے کچھ علی کے اور پھر ان دونوں جماعتوں میں لڑائی ہو گئی. عثمان کے شیعوں نے علی کے شیعوں کو قتل کر دیا صحیح مسلم میں سعد بن ہشام سے مروی ہے کہ ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں مدینہ رہا کروں اور فی سبیل اللہ جہاد کیا کروں چنانچہ انہوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ اپنی زمین فروخت کر کے اس روپے سے ہتھیار اور اونٹ وغیرہ خرید کر لئے جائیں اور مرتے دم تک رومیوں سے جہاد کیا جائے انہوں نے اپنا یہ ارادہ پورا کر لیا. اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور جب مدینہ آ کے وہاں کے رہنے والوں سے ملے تو انہوں نے سعد کو اس ارادہ سے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ کی زندگی میں چھ آدمیوں نے ایسا ارادہ کیا تھا انہیں آپ نے منع کر

دیااور یہ فرمایا کیاتم میرا اقتداء نہیں کرتے؟ جب سعد نے یہ حدیث سنی تو اپنی بیوی سے رجعت کر لی.
پھر ابن عباس کے پاس آئے اور ان سے رسول اللہ کے وتروں کو دریافت کیا انہوں نے جواب دیا کیا میں تمہیں ایسا عالم نہ بتادوں جو رسول اللہ کے وتروں سے تمام روئے زمین کے آدمیوں سے زیادہ واقف ہو سعد نے پوچھا وہ کون بتایا عائشہ صدیقہ ہیں تم ان ہی کے پاس جاؤ اور ان ہی سے دریافت کرو۔ جو کچھ وہ جواب دیں اس کی مجھے بھی خبر کر دینا سعد کہتے ہیں کہ میں صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے پہلے حکیم بن افلح کے پاس گیا تا کہ انہیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں جب سعد حکیم کے پاس پر پہنچے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے کہا نہیں میں تو صدیقہ کے پاس کبھی نہ جاؤں گا کیونکہ میں نے انہیں منع کر دیا تھا کہ دونوں فرقوں کے شیعوں کے بارے میں وہ کچھ مداخلت نہ کریں لیکن انہوں نے نہ مانا اور مداخلت کی سعد کہتے ہیں میں نے حکیم کو قسم دی کہ تمہیں ضرور چلنا ہوگا اخیر ان کے اصرار سے وہ راضی ہو گئے۔ اور ہم دونوں صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مطلب دریافت کر لیا. ایک دن معاویہ نے ابن عباس سے پوچھا "انت علی ملة علی "یعنی کیا تم علی کے مذہب پر ہو انہوں نے جواب دیا۔ لا علی ملة علی ولا علی ملة عثمان انا علی صلة رسول الله " یعنی نہ میں علی کے مذہب پر ہو نہ عثمان کے مذہب پر میں تو رسول اللہ کے مذہب پر ہوں. وہ شیعہ جو علی کے صحبت یافتہ تھے ابو بکر و عمر کو علی پر مقدم کرتے تھے نزاع اگر تھا تو فقط اس بات میں تھا کہ عثمان مقدم ہیں یا علی جسے ہم کئی بار مختلف موقعوں پر لکھ آئے ہیں اس وقت نہ کوئی امامی کہلاتا تھا نہ شیعہ یہ سارے الفاظ خیر القرون کے بعد کے تراشے ہوئے ہیں سب مسلمان تھے اور مسلمان ہی کہہ کے پکارے جاتے تھے۔